سیرۃ الفاروق

یعنی

حضرت عمرؓ کے سوانح عمری

مصنفہ

منشی سراج الدین احمد صاحب اڈیٹر چودھویں صدی
راولپنڈی

سنہ ۱۹۰۱ع

مصنّف کی خاص اجازت سے

کارخانہ بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ ضلع انبالہ میں چھپی

قیمت فی جلد ۱۲ عہ

حیات صلاح الدین

یعنی سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس

کی

سوانح عمری

یہ کتاب مولوی سراج الدین احمد صاحب مولف کتاب سیرۃ الفاروق کی تالیف ہے۔ اس کتاب کے قریباً اڑھائی سو صفحے ہیں جن میں ۸۰ صفحہ کے قریب دیباچہ ہے جس میں کروسیڈ یعنی صلیبی لڑائیوں کی مختصر مگر نہایت دلچسپ اور ضروری تاریخ کے گذشتہ پانسو برسوں کا ایک اجمالی حال لکھا گیا ہے اور صلیبی لڑائیوں کے آغاز کے وقت جو کیفیت عیسائی اور اسلامی دنیا کی تھی وہ اسی دیباچہ میں صاف دکھائی دے رہی ہے۔

سلطان صلاح الدین۔ اسلامی دنیا کا ایک بزرگ اور نامور ہیرو ہے جس نے تن تنہا تمام یورپ کے مجموعہ حملوں کو روک کر نہ صرف بیت المقدس اور شام اور بغداد اور مصر کی خلافتوں کو بلکہ تمام ایشیا کو یورپ کے ہاتھوں میں پڑجانے سے بچالیا۔ بیت المقدس کو صرف فتح ہی نہیں کیا بلکہ افواج یورپ کے مقابلہ میں محفوظ رکھا اور صرف ایشیا میں نہیں بلکہ یورپ میں اس کی بزرگی اور ناموری اس طرح تسلیم کی گئی ہے جس طرح سلاطین دنیا میں سے کسی کی بھی نہیں کی گئی۔

سلطان صلاح الدین کے حالات صرف اس لئے پڑھنے کے قابل نہیں ہیں کہ وہ ایک نامور شخص کے حالات ہیں بلکہ وہ ایک آئینہ ہے جس میں عیسائی اور اسلامی دنیا کے اوصاف و خصائل اور عیوب ایک ایسے وقت میں جب کہ وہ دنیوی ترقیات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قریب قریب صاف نظر آتے ہیں اور دونوں قوموں کے [illegible] اور اخلاقی حالات کے درمیان ایک نگاہ میں فیصلہ ہو جاتا ہے اور صاف نظر آجاتا ہے کہ اسلامیوں کو خدا نے باقی دنیا پر کیسے کیسے شرف اور فضائل عطا کئے ہیں۔

جو کچھ کتاب کے اندر ہے وہ ایک مختصر اشتہار میں نہیں دکھایا جا سکتا اس کتاب میں پڑھنے کے لئے بہت سے مفید اور ضروری اور دلچسپ مضامین ہیں اور کتاب نہایت محنت اور تحقیق سے لکھی گئی ہے اور نہایت خوشخط اور عمدہ اہتمام سے چھپوائی گئی ہے۔ جن لوگوں نے مولانا ممدوح کی [illegible] کتاب اس سے پہلے پڑھی ہے وہ اس کتاب کو ان سے بدرجہا بہتر اور قابل قدر پائیں گے کتاب کی **قیمت** دو روپے فی جلد مقرر کی گئی ہے ... ... عہ

آنریبل سر سید احمد خان بہادر
بالقابہ کی لکچروں کا مجموعہ (عہ)

حمائل شریف مترجم و محشیٰ

ہمارے مطبع میں طبع ہوئی ہے عربی عبارت [illegible] مشینوں کے ذریعہ سے کرمولتھو کے طریقہ پر پکے گلابی رنگ کا نہایت صاف اور خوشرنگ [illegible] کیا گیا ہے جو آج تک اس سے پہلے کسی حمائل شریف میں بذریعہ کرمولتھو نہیں ہوا ہے اور باوجود ان سب خوبیوں کے مجلد کی قیمت صرف [illegible] اور بلا جلد کی [illegible] ہے محصول ڈاک ہر حال میں خریداروں کے ذمہ ہوگا۔ دس جلد کی خریداری پر ایک جلد مفت نذر ہوگی

بے نظیر جیبی

حمائل شریف۔ قیمت مع محصول ڈاک [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ و عذرِ مؤلف

شاید اس امر کی جوابدہی میرے ذمہ ہو کہ میں نے خلفاء راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُن کے حالات لکھنے کے واسطے کیوں منتخب کیا ہے۔ سب سے اول تو اِس کا جواب وہ خاص واقعات اور حالات دینگے جو مجھ کو پیش آئے اور جو مجھ کو اپنی استعداد سے بڑھکر ایک ایسے بزرگ کام کے اختیار کرنے کی ترغیب دینے کا باعث ہوئے ہیں اور جن کے لحاظ سے میرے اس کام کو اختیار کرنے کا نام انتخاب نہ رہیگا۔ لیکن ہمارے زمانہ کے اسلامی مورخ نے خلفاء راشدین میں سے حضرت عمرؓ ہی کو ہیرو منتخب کیا ہے تو ہماری اُن اغراض کے لحاظ سے جو اس زمانہ میں قوم کے سامنے ناموزانِ اسلام اور اسلام کی گذشتہ ترقیوں اور عروج کے حالات پیش کرنے کی ہیں۔ یہی انتخاب بجا اور درست ہے۔ سر سید احمد خان صاحب کا یہ مقولہ ہمارے اِس قول کی تشریح کردیگا۔ کہ "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا زمانہ خلافت تو شمار کرنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ درحقیقت وہ زمانہ بھی حضرت عمرؓ ہی کی خلافت کا زمانہ تھا۔ امور وہی بالکل دخیل و منتظم تھے حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا زمانہ کیا بہ نظر انتظام اور کیا بہ نظر فتوحات و امن و حکومت و رعب و داب جو القائے صلاح امت و اصلاح تمدن کیلیے ہوئے

ضرور تھا ایک بے نظیر زمانہ تھا حضرت عثمان رضی اللہ تعالے عنہ کے زمانہ خلافت میں جو کچھ
ہؤا وہ صرف حضرت عمر کے زمانہ خلافت کا اثر تھا۔ اصلی زمانہ خلافت حضرت عثمان کو اُن کی
خلافت کا اخیر زمانہ تصور کرنا چاہئیے جس میں تمام اصول سیاست مدن اور وہ اصول سلطنت
جمہوری جس پر اس عالی شان محل کی بنیاد قائم ہوگئی تھی سب کے سب شکست اور درہم برہم
ہو گئے تھے۔ اور غدر ہونا اس کا ایک ضروری نتیجہ تھا جو ہؤا حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام
تک جب خلافت پہنچی تو ایسی ابتر اور خراب ہو گئی تھی جس کا درست ہونا اگر ناممکن نہ تھا تو
قریب قریب ناممکن کے تھا۔ اس کی اصلاح میں جہانتک ممکن تھا کوشش کی گئی۔ ملک
دشمنے گئے دوسری حکومتیں تسلیم کی گئیں مگر اصلاح نہ ہوئی اور روز بروز خرابی بڑھتی گئی۔
سرسید کے اس قول سے بڑھ کر جس کی صداقت کے تسلیم کرنے میں کوئی صحیح تاریخی واقعات
کو جاننے والا ایک لمحہ بھی تامل نہیں کرسکتا۔ ہم سر ولیم میور کا قول نقل کرسکتے ہیں۔ کہ
پیغمبر صلعم کے بعد اسلامی سلطنت میں حضرت عمرؓ ہی سب سے بڑا رتبہ رکھتے
ہیں کیونکہ اُنہیں کی دس سالہ خلافت میں یہ تمام کامیابی ہوئی کہ اُن کی دانائی۔ استقلال اور
قوت اور جوش سے شام مصر اور ایران کی سلطنتیں فتح ہوگئیں جو اس وقت سے ہمیشہ مسلمانوں
کے تسلط میں رہی ہیں۔ ہمارا اپنا تو یہ مقولہ ہے کہ خداوند کریم ہی کی یہ مرضی تھی کہ شارع اسلام
علیہ التحیات والسلام کی پاک تعلیم کے نتائج کی صورت میں اسلامی سلطنت کا ایک نمونہ جو
آیندہ نسلوں کے واسطے ایک نظیر ہو دنیا کو دکھایا جائے اور وہ نمونہ حضرت عمرؓ کی خلافت
کا دکھلایا گیا۔

اُن بزرگ کا نام اس قابل ہے کہ ہر ایک مسلمان اپنی اور بیگانی دنیا کے سامنے جتنا چاہے
اُس پر فخر کرے مگر افسوس ہے ہزاراں ہزار افسوس ہے اپنی تمام بدقسمت قوم کے حال پر
جس کو خیر الامم کا معزز لقب دیا گیا تھا۔ مگر آخر اُس نے اپنے آپ کو اس لقب کے لائق نہ
رہنے دیا اور اُن تمام برکتوں اور انعاموں سے جو خدا نے اسے بخشے تھے اپنے آپ کو محروم کر لیا
بزرگان دین کے نام سے فخر کرنا تو درکنار رہا اُن کے ناموں کے ساتھ ایسے الفاظ کا استعمال

اور اُن کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا جو نیکی اور حُسنِ اخلاق کے خلاف ہیں روا رکھے گئے ہیں صرف روا نہ نہیں رکھے گئے بلکہ اُن کو مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے اور خود ہمارے لئے نہایت شرم کی بات ہے۔ کہ کلماتِ تشنیعہ کے بزرگانِ دین کے حق میں استعمال کرنے کو فرائض مذہبی کا ایک ضروری جزو اور باعث نجات قرار دیا گیا ہے۔ یہ تمام نتیجہ ہماری بدبختی اور بدقسمتی کا ہے ورنہ یہاں تک نوبت پہنچنے کے واسطے تو بہت کم اسباب موجود تھے۔ صحیح اور اصلی واقعات پر غلطیوں اور غلط فہمیوں اور جوش مذہبی کے غلط عقاید کا ایک اتنا بڑا انبار جمع کر دیا گیا ہے کہ اُس کو اٹھانے اور صحیح اور اصلی واقعات کے دکھانے کی کوشش جس قدر کہ ایک کٹھن کام ہے اُسی قدر حیرت انگیز ہوگی۔ سادہ اور سیدھے قدرتی واقعات سے عجیب وغریب مطالب نکالے گئے ہیں اور اُن سے حیرتناک استدلال کئے گئے ہیں۔ ہزارہا غلط روائتیں اور بیہودہ کہانیاں جوڑی اور وضع کی گئی ہیں جن کی غلطیوں کو ثابت کرنے بیٹھنا ایک مرنے سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔

اسلام دُنیا میں اس غرض سے آیا تھا کہ دُنیا کے تفرقوں اور تمیزوں اور دشمنیوں کو مٹا کر محبت اور برادری کے ایک ہی رنگ میں رنگ دے کل مومن اخوۃ کی دلکش صدا اُس کی پاک تعلیم کا دیباچہ تھا۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے بہت جلد اُس بزرگ تعلیم کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ اور اس پاک روشنی سے کچھ فایدہ نہ اُٹھایا اور اُسی راستہ میں جس کے صاف اور روشن کرنے کے واسطے وہ چلے تھے وہ خود ہی ٹھوکریں کھا کر گر پڑے ہمارے ایک بزرگ عالم اسی کیفیت پر تاسف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ مذہب کی تاریخ کے ہر ایک فلسفیانہ طالب علم کو اس کیفیت سے اگر رنج نہ ہوگا تو حیرانی ضرور ہوگی۔ اور ہر ایک مسلمان کو جو بانی اسلام کے پاک نام کا محب ہے غم اور شرمندگی ہوگی۔ افسوس کہ تمام نوع انسان کا اور بالعموم اخوت کے پھیلانے والا مذہب بھی اندرونی جھگڑوں اور تفرقوں سے نہ بچ سکا اور وہ دین جو پریشان اور متفرق دُنیا کو امن اور راحت بخشنے کے واسطے آیا تھا۔ غضبناک نفسانیتوں اور قوت و اقتدار کی پر حرارت خواہشوں سے وہ خود ہی چیر پھاڑ کر پارہ پارہ کر دیا گیا جن برائیوں کی ہم مذہب عیسوی کی نسبت شکایت کرتے ہیں کہ اس مذہب

کے نامکمل ہونے اور انسانی ضروریات کے واسطے کافی ہونے سے پیدا ہوئیں وہ اسلام میں
دنیوی قوت اور اقتدار کی حرص اور لوگوں کی انقلاب پسند طبائع اور اخلاقی قانون اور انتظام کی
عدم پیروی سے پیدا ہوئی ہیں† +

اگرچہ ہر ایک تفرقہ اور ہر ایک اختلاف اور مخالفت جائے افسوس ہے مگر اکثر اُن میں سے
فروعی مسائل میں اعتقادات سے پیدا ہوئی ہیں اور سوائے جہلا کے اُن کو کوئی ضرر دینے
والا نہیں بتا سکتا۔ سنیوں میں حنفی۔ مالکی۔ شافعی۔ حنبلی۔ اور اُن کے بہت سے چھوٹے
بڑے فرقے اور اسی طرح شیعوں کے چند در چند فرقے زیدیہ۔ اسمعیلیہ۔ اثنا عشریہ یا امامیہ۔
قیسانیہ۔ غالیہ۔ جن میں مذہبی اختلافات سے بڑھ کر تفرقہ ہیں اور اُن کے فرقے ایک دوسرے
کے ساتھ کم و بیش رضامند ہیں اور اپنے اختلافات کو مخالفتوں تک بہت کم کھینچتے ہیں لیکن
سُنی اور شیعہ وہ مہیب اور خوفناک فرقے ہیں جن کے درمیاں اختلاف نہیں ہے بلکہ دشمنی اور
مخالفت ہے مگر تعجب اور افسوس ہے کہ وہ دشمنی اور مخالفت جو کہ درحقیقت امور ملکی میں اختلاف
رائے ہونے سے جن کو مذہب سے کچھ تعلق نہ تھا پیدا ہوئی تھی مذہبی جامہ پہنا دیگئی ہے
اور نجات ابدی کا دارومدار اُس پر کر لیا ہے۔ اس مخالفت کو جو صدیوں تک ملکی اختلاف
رائے سے بڑھ کر کسی صورت میں کم ظاہر ہوئی تھی یہ مذہبی جامہ اُس وقت پہنایا گیا جبکہ
اُس کی ضرورت اور سودمندی کا وقت گذر چکا تھا اور اُس اختلاف کے اسباب ہی اُٹھ گئے
تھے۔ مگر شاید واقعات کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے تھا +

اس زمانہ میں ہم کو اپنی اس بدبختی پر صرف افسوس کرنے پر قانع نہیں ہونا چاہئے
بلکہ علمی روشنی اور دانشمندی کے وقتوں پر بھروسہ کرکے اس اختلاف اور مخالفت کے
اسباب کو اپنی آیندہ نسلوں کے سامنے پیش کرنے کے واسطے ظاہر کرنا چاہئے۔ تاکہ وہ اُس کو
اُس کی صحیح حالت میں دیکھ کر اُس کی اصلی وقعت سے زیادہ وقعت اُس کو نہ دیں اور اُن
تفرقوں اور دشمنیوں کو مٹا کر جن کی صرف وراثت میں پانے کے سبب سے وہ حفاظت
کرتے ہیں اسلام میں پھر اتفاق اور یک جہتی پیدا کریں اور اسلام کی مبارک نسلیں کہلائے

† سپرٹ آف اسلام مولفہ مولوی سید امیر علی صاحب صفحہ ۲۲۷ +

کسے مستحق ہوں۔ یہ کام ہمارے زمانہ کے علما اور خیر خواہانِ قوم کی مستقل تصانیف کا کام ہونا چاہئے
ہم صرف چند لفظوں میں اُس کی طرف اشارہ کرینگے +

سنی اور شیعہ جو آج ہم کو دو مختلف الہیئت کشتیوں میں سوار دکھائی دیتے ہیں اور جن کو کہ زمانہ کی مخالف ہواؤں نے ایک دوسرے سے اِس قدر دور پھینک دیا ہے اور اس دوری ہی کے پسند کرنے کو اُن کی عادت اور طبیعت بنا دیا ہے درحقیقت ایک ہی بزرگ جہاز لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے سوار تھے۔ اور ایک ہی ملاح اور ناخدا کے سایۂ رحمت اور حفاظت میں دُنیا کے اس پرطوفان سمندر کو عبور کر کے نجات پانے والے تھے۔ حوادث زمانہ نے اس جہاز کے درمیان ایک بال کے برابر سوراخ کر دیا جس نے اُسکے سواروں کو اُسی قدر فاصلہ پر دو حصوں میں ایک دوسرے سے ہٹا دیا وہ زمانہ دراز تک شگاف کے اندازے کے موافق ایک دوسرے سے ہٹے ہوئے مگر ایک ہی جہاز پر سوار رہے یہانتک کہ اُس مخالف اور مضر عنصر کے جہاز میں کثرت سے بھر جانے سے جہاز کے دو ٹکڑے ہو گئے اگر سچ پوچھو تو جہاز ڈوب گیا جس کے ساتھ لاکھوں اور کروڑوں اجل رسیدہ غرق ہو گئے دو ٹکڑوں پر جو بچ کے رہ گئے اُن کے نام سُنّی اور شیعہ ہوئے۔ دو دشمنوں کی طرح وہ ایک دوسرے سے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ اگر ایک دوسرے کی طرف کبھی بڑھتے بھی ہیں تو جنگ اور لڑائی کے لئے۔ اُن کو یاد ہی نہیں رہا کہ وہ تو درحقیقت ایک ہی جہاز کے سوار تھے جن کو زمانہ کے بد حوادث نے جُدا کر کے دشمن بنا دکھایا ہے +

کیا درحقیقت سُنّی اور شیعہ کے درمیان کوئی مذہبی اختلاف ہے؟ کیا ایک سے زیادہ خُدا کی کتابیں کسی کے پاس ہیں؟ کیا ایک کی کتاب دوسرے کی کتاب سے مختلف ہے؟ کیا ایک ہی نبی کی وہ امت نہیں ہیں؟ کیا ایک ہی ہادی اعظم کے نام سے وہ فخر کرنیوالے نہیں ہیں۔ کیا اسلام کی پاک تعلیم میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد الرسول اللہ کے سوائے کوئی اور شہادت بھی شارع اسلام نے تعلیم کی تھی؟ کیا انہیں دونوں شہادتوں کو وہ اپنی نجات کا باعث نہیں سمجھتے؟ کیا سرور کائنات صلعم کی تعلیم سے زیادہ کوئی تعلیم داخلِ اسلام ہو سکتی ہے۔ کیا خاتم النبیین کے بعد کسی اور کو نبی بنانا اور کسی اور تعلیم پر ایمان لانا اسلام

کہلا سکتا ہے؟ اگر شیعہ اور سُنی ایک ہی خدا پر ایمان رکھنے والے اور ایک ہی فخر انبیاؐ کی اُمت اور اُنہیں کے سکھلائے ہوئے اسلام کے نام لیوا ہیں تو اُن کے درمیان مذہبی اختلاف کوئی نہیں ہے فروعی اختلاف عقاید پر ہماری نجات کا مدار نہیں ہے۔

شیعہ اور سنی کی باہمی مخالفت اور دشمنی کی تاریخ اگرچہ بہت دُور پیچھے نہیں ہے مگر اُن کے اختلاف کے آغاز کو زیادہ سے زیادہ ہم کو حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام کے زمانہ خلافت تک لے جانا چاہئے۔ جبکہ اسلامی خلافت کے اتفاق اور یک جہتی میں تزلزل آیا اور شام میں امیر معاویہ نے ایک جُدا سلطنت قائم کرلی اور وہ آنے والے سینکڑوں برسوں کے جھگڑے اور فساد اور کشت و خون جن کی اس طرح پر بنیاد پڑگئی تھی۔ آخر کار اسلامی خلافت کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا باعث ہوئے حضرت علیؑ کے زمانۂ خلافت کے افسوسناک واقعات زندہ نہ رہے ہوتے اور اُن کی تکالیف اور مشکلات پر بہت کم نوحہ خوانی ہوتی اگر بنی فاطمہ خلافت کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہوتے۔ اور یزید اور اُس کے عمال کے بے رحم۔ بے ترس۔ اور ظالم ہاتھوں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی دردناک شہادت کا عالم آشوب واقعہ نہ ہوا ہوتا جو محبانِ اہل بیت اور آلِ رسولؐ کو قیامت تک خون کے آنسو رولائیگا۔ آیندہ تمام زمانہ میں بنی فاطمہ کی مسلسل ناکامیابیوں اور جور برداریوں نے اِن پر درد واقعات کے زندہ رکھنے اور اُن کے راویوں کے دردناک تذکروں کو مؤثر اور جگر خراش بنانے اور اُن کی تاثیروں کو بڑھانے میں مدد دی۔ اور خونی تلوار کے زخموں کا بدلا تیغ زبان سے لینا شروع کیا گیا جو ایک ہی چارہ تھا۔

اب ایک شخص جس کا دل اہل بیت کی ہمدردی اور محبت سے لبریز ہے اس پر غور کرتا ہے کہ یہ غم آلود واقعات کس طرح پر ہوئے اور ان کا الزام کس پر لگایا جائے۔ یزید اور اُس کے عاملوں کو ظلم اور بے رحمی کا مجرم اور ملعون ٹھیرانے میں اُس کو کچھ دقت نہیں پیش آتی۔ اس کے ظلم اور ستم آشکارا ہیں۔ کربلا کے جاں سوز واقعہ کے واسطے وہ کوئی عذر نہیں پیش کرسکتا۔ امیر معاویہ کی بغاوت اور خلافت سے سرکشی کے جرم کا بھی وہ بہت جلد فیصلہ کرلیتا ہے اور پھر اس بغاوت کے اسباب سوچتا ہے۔ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت پر کم زوری اور بنی اُمیہ کی

رعایت اور امیر معاویہ کو اپنی قوت اور اقتدار بڑھانے کا موقع دینے کا الزام لگاتا ہے لیکن یہاں
پہنچ کر بھی وہ بس نہیں کرتا اور اس کا جوش اس کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے
ناجائز ٹھیرانے اور ان پر غصب کا الزام لگانے تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر حضرت علیؓ
ابتدا ہی میں خلیفہ ہو گئے ہوتے تو واقعات کی یہ صورت جو ایسے اندوہناک نتائج پیدا
کرنے والی ہوئی پلٹ گئی ہوتی۔ ہم کو بھی اس کے ساتھ ہمدردی ہے مگر اس کی اس
غلط منطق پر حیرت اور تعجب بھی ہے۔ کسی ایک واقعہ کی تلاش میں اتنی بلند پروازی کرنا
اور ان بزرگوں پر الزام لگاتے جانا جن کے وقتوں میں ان واقعات کا کسی کو خواب و خیال
بھی نہ تھا ایک حیرت انگیز بات ہے اور ایسا ہی ہے جیسا کہ ہندوستان کی اسلامی سلطنت
کی بربادی کا افسوس کرتے ہوئے ہم بابر اور تیمور پر الزام لگائیں کہ جس سلطنت نے آخر
برباد ہونا تھا اس کی بنا انھوں نے کیوں ڈالی۔ وہ کون سی خلافت تھی جس کا کہ حضرت علیؓ
کو مستحق اور حضرت ابوبکرؓ کو غاصب ٹھیرایا جاتا ہے۔ کیا وہ عرب اور شام اور ایران اور مصر
کی سلطنتیں تھیں؟ یا کچھ اور تھا۔ تاریخی واقعات کو آنکھ کھول کر دیکھنا چاہیئے حضرت
ابوبکرؓ نے خوشی اور رضامندی اور درخواست اور خواہش سے خلافت حاصل کی یا اس نازک
موقعہ پر جب کہ خانہ جنگی شروع ہو جانے کے اسباب پیدا ہو گئے تھے مجبور ہو کر طوعاً و کرہاً اسکو
منظور کیا۔ اور جو خطرہ سامنے تھا اس کو دفع کرنے سے اسلام پر احسان کیا۔ اسلامی خلافت
میں اس وقت کچھ عیش عشرت کے سامان تھے جن کی ان کو حرص اور طمع تھی یا ایک
بہت بڑی ذمہ داری اور جواب دہی کا کام سمجھ کر کوئی اس کے منظور کرنے پر راضی نہیں
ہوتا تھا؟ وہ پھولوں کی سیج تھی یا کانٹوں کا بچھونا تھا۔ اب اس کی وسعت کو دیکھو۔ تمام
عرب میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ارتداد اور بغاوت پھیل گئی تھی ایک مدینہ
باقی تھا جس کو باغیوں نے محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اور ہر ایک کو اسلام اور اپنی جان کے بچانے
کی پڑ رہی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا چند روزہ زمانہ اس بغاوت اور فتنہ و فساد کے
فرو کرنے میں گذر گیا۔

ان کی وفات کے وقت صرف عرب مسلمانوں کا تھا مگر ان آتشیں عنصروں سے جو ہوا!

فرقے ہیں۔ جارودیہ۔ تبریہ۔ اور سلیمانیہ اور صالحیہ ہیں جن کو محمد نفس الزکیہ۔ اور سلیمان بن جریر وغیرہ کی رائوں اور استحقاق کے موافق ہونے کے سبب سے یہ نام دئیے گئے ہیں اور یہ آخری دو فرقہ پہلے دو خلفا کی خلافت کو درست سمجھتے ہیں +

اسی طرح دوسرے فرقوں کے آگے چند در چند فرقہ ہیں مگر بڑا دھوکا یہی ہے کہ امور ملکی میں مختلف الرائے ہوتے اور مختلف بزرگوں کو مستحق امامت اور اقتدار ملکی سمجھنے سے یہ سب فرقہ پیدا ہوئے ہیں اور جُدا جُدا مذہبی فرقہ بن گئے یا بنا لئے گئے ہیں حالانکہ مذہب کو جس کا خلاصہ اور نجات کو جس کا وسیلہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پر ایمان لانا ہے۔ ان زائد اعتقادوں سے کچھ واسطہ نہ تھا +

سنیوں کے فرقہ شیعوں کے فرقوں سے مختلف قسم کے ہیں شیعہ سب سے پہلے ایک ملکی اختلاف کے سبب سے علیحدہ ہوئے۔ اور آیندہ اسی قسم کے اختلافات کے سبب سے جو مختلف بزرگوں کے نام سے سلطنت حاصل کرنے کی ناکامیاب یا جزوی کامیاب کوششوں میں مصروف ہونے سے ہوئے اُن کے جُدا جُدا فرقے ہوتے گئے۔ اگرچہ مسایل فروعی میں اختلاف اجتہاد کے سبب سے بھی اُن میں مختلف فرقے ہیں مگر زیادہ ممتاز یہی فرقے ہیں جو امور ملکی میں ایک دوسرے سے مختلف الرائے ہیں۔ سنیوں کے فرقوں کی تفریق مسایل اجتہادی کے اختلاف پر مبنی ہے سلطنت اُن کو حاصل تھی۔ پس مختلف علما اور اماموں کے اجتہاد کا معتقد ہونے کے سبب سے اُن کے متعدد فرقے ہو گئے +

اب ہم ابتدائی خلافت کے استحقاق وغیرہ کی نسبت چند کلمات کہینگے۔ ہر ایک عقلمند اور دانا شخص کو سب سے پہلے سر سید احمد خان صاحب کے اس قول کو جس کو وہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں۔ کہ مذہب اہل سنت و جماعت اور شیعہ اثنا عشریہ میں جو مباحث فضیلت و خلافت خلفائے اربع کے ہیں اور مذہب خوارج میں جو عقاید شیخین و اہل بیت اور مذہب نواصب میں علی مرتضٰے اور اہلبیت کی نسبت ہیں اُن سے زیادہ بیہودہ و لغو مباحث و عقاید کوئی نہیں ہیں؛ تسلیم کر لینا چاہئیے۔ کہ استحقاق خلافت آنحضرت صلعم کا من حیث النبوۃ کسی کو بھی نہ تھا اس لئے کہ خلافت فی النبوۃ محالات سے ہے باقی رہ گئی خلافت فی القاء اصلاح امت فی

اصلاح تمدن اُس کا ہر کسی کو استحقاق تھا جس کی چل گئی وہی خلیفہ ہو گیا۔ خلافت بعد آنحضرت صلعم
کوئی امر منصوصی نہ تھا نہ کسی شخص کی خاص خلافت اسلام کا کوئی جزو یا حکم تھا۔ اس کے بعد
یہ بحث کرنی چاہیئے کہ خلافت کس کا حق تھا۔ مگر جس وقت ہم یہ بحث کرنے لگیں اُس وقت
پہلے ہم کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ خلافت کے استحقاق کا فیصلہ کرنے کے واسطے قوانین تمدن
میں جو مختلف اصول استخلاف کے ہیں اُن میں سے کون سے اصول کی بنا پر ہم یہ فیصلہ
کر رہے ہیں۔ انتخاب کی بنا پر یا وراثت کے اصول پر۔ وراثت کا اصول عموماً ہمارے
دلوں پر قبضہ کئے ہوئے ہے اور اسی کو مد نظر رکھ کر ہم فیصلہ کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں
وراثت کے حصول کے لحاظ سے تو آنحضرت صلعم کے بعد دنیوی خلافت کا حق نہ حضرت
ابوبکرؓ کو نہ حضرت عمرؓ کو نہ حضرت عثمانؓ کو نہ حضرت علیؓ کو سب سے پہلے حضرت امام حسنؑ اور اُن کے
بعد حضرت امام حسینؑ کا حق تھا۔ اُن کے بعد اُن کی اولاد کا۔ بلاشبہ عرب کے واسطے یہ سب سے
بہتر اصول ہوتا اگر اس کو اختیار کر لیا جاتا۔ مگر عرب میں اس وقت سیاست مدن کا جو طریقہ
تھا وہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ نہ پورا جمہوری تھا نہ شخصی نہ پورا انتخابی تھا نہ موروثی
اسلام نے تو اس کی نسبت کوئی حکم نہیں دیا تھا اور کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ قدیم
عرب اور خصوصاً حجاز میں جو طریقہ اسلام سے پہلے ایک مدت سے چلا آتا تھا اسلامی مساوات نے
اُس کی تائید کی۔ اور کسی قدر تبدیل صورت کے ساتھ وہی دخیل اور مروج رہا۔ پس
اب جو فیصلہ ہم کو استحقاق خلافت کا کرنا چاہیئے تو وہ اُسی ایک غیر معین سے اصول کی بنا پر کرنا چاہیئے
آنحضرت صلعم کو انتظام امور دنیا کے ساتھ کچھ تعلق نہ تھا۔ اُن کا پاک منصب اس سے بہت
بلند اور برتر تھا۔ عرب کے قدیم دستور کی وجہ سے اگر وہ مسلمانوں کے درمیان امور دنیا میں سرفراز
ہونے پر مجبور نہ ہوتے اور مسلمان ایسے امور میں اُن کو اپنا مرجع نہ بنا لیتے تو آنحضرت صلعم دنیوی
امور کے انتظام وغیرہ میں کچھ دخل نہ دیتے۔ امور دنیا سے آنحضرت نے آخر اس درجہ اپنی
بے تعلقی ظاہر فرمائی کہ امور دنیا کے انتظام کے واسطے اپنے اصحاب میں سے کسی کو اپنا
خلیفہ یا جانشین موسوم کرنے سے پرہیز فرمایا۔
حضرت ابوبکرؓ کے لئے نماز میں امامت کا حکم فرمایا جو مسلمانوں کے امور کا مذہبی حصہ تھا اور گو

اِس سے اُن کے نمونۂ دنیا میں خلیفہ ہونے کا پہلو نکلتا تھا مگر آنحضرت صلعم کا کوئی صریح فیصلہ اِس امر کی نسبت نہیں تھا جو در حقیقت دانستہ انہوں نے نہ فرمایا +

حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کی بنا جس واقعہ سے ہوئی اُس وقت کوئی خاص اصول انتخاب وغیرہ کا مرعی نہیں رکھا گیا۔ حضرت سید المرسلین صلعم کی وفات کو چند ساعتیں ہی گذری تھیں اور اصحاب رسول اللہ ابھی سرورِ کائنات کی تکفین و تدفین کا فکر کر رہے تھے کہ اُن کے پاس خبر آئی کہ انصار یعنی اصحاب مدینہ سقیفہ بنی ساعدہ میں اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ اپنے میں سے ایک شخص کو اور خلیفہ منتخب کریں۔ اسلام کا اتفاق اور یکجہتی معرض خطر میں پڑ گئی تھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر باوجود خطرے کے سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑے اور حضرت ابو عبیدہ راستہ میں اُن کے ساتھ ہو لئے انصار نے سعد بن عبادہ کو موسوم کر ہی لیا تھا۔ ابھی اُس کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہوئی تھی کہ یہ تینوں اصحاب مجمع انصار میں پہنچ گئے۔ اور بہت وقت کے بعد اُن کو اپنے ارادہ سے باز رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ انتخاب خلیفہ کی نسبت حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ یا حضرت ابو عبیدہؓ میں سے ایک کو منتخب کر لو۔ حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ نے کہا کہ نہیں حضرت ابوبکر اس لائق ہیں اُن کو منتخب کر لو۔ اگر حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ وہاں موجود ہوتے تو وہ بھی ایک دوسرے کی نسبت یہی کہتے اور خود اُس بوجھ کے اٹھانے پر راضی نہ ہوتے چہ جائے کہ درخواست اور خواہش کرتے۔ اُس وقت رفع تفرقہ اور اختلاف کے واسطے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔ اور انصار نے اُن کی مثال کی پیروی کی۔ اور بالآخر کار عام طور پر اُن کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی۔ حضرت ابوبکرؓ کا زمانۂ خلافت بغاوت اور فساد کے دفع کرنے میں گذر گیا جس میں تمام اصحاب رسول اللہ دل وجان سے شریک تھے۔ اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت ابوبکر کو حضرت عمرؓ نے سب سے زیادہ مدد دی۔ اُن کی قابلیت اور قوت کے سب قائل تھے۔ حضرت ابوبکر نے اپنی وفات کے وقت اُن کو اپنا جانشین موسوم کیا اور مسلمانوں سے بیعت کرائی۔ حضرت ابوبکرؓ کے اس انتخاب کی عمدگی حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت کی کامیابیوں سے ظاہر ہے جن میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ اور تمام اصحاب رسول اللہ شریک اور مشیر اور صلاح کار اور معاون اور معین تھے۔ حضرت عمرؓ

کو اپنی ناگہانی وفات کے باعث اپنی جانشینی کے متعلق کوئی قطعی اور قابل اطمینان فیصلہ کرنے کا
موقع نہیں ملا۔ انہوں نے اصحاب رسول اللہ میں سے چھ شخصوں حضرت عثمان حضرت علی
عبدالرحمن سعد۔ زبیر۔ اور طلحہ کو ایک شخص کو خلیفہ منتخب کرنے کے واسطے اس خیال سے مقرر کیا کہ
ان سب کے اتفاق اور تائید سے جو خلیفہ ہوگا۔ اس کی نسبت پھر کوئی جھگڑا اور اختلاف نہ ہوگا
حضرت علی ایک گونہ شخصی خلافت کے خواہشمند تھے وہ منتخب نہ ہوئے اور حضرت عثمان منتخب
ہوئے۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں ان کی طبیعت کی نرمی اور انتظام خلافت میں نرم اور کمزور ہاتھ
سے کام لینے سے سیاست مدن اور انتظام سلطنت کے تمام اصول درہم برہم ہوگئے۔ اور آخر
حضرت عثمان مسلمانوں کے بے رحم ہاتھوں سے ذبح کئے گئے۔ اور ان کی خلافت کا خاتمہ ہوگیا
حضرت علی ان کے جانشین ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے قتل کا ان کے قاتلوں سے بدلہ لینے
کے واسطے بغاوت ہوئی۔ اور امیر معاویہ نے حضرت علی کی خلافت کو تسلیم کرنے سے بظاہر
اسی وجہ سے انکار کیا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلہ لیا جائے۔ حضرت علیؓ اس پر قادر
نہیں تھے۔ اعراب کوفہ کو اپنا مخالف بنا لینا جن میں حضرت عثمان کے قاتل بھی تھے۔ حضرت
علیؓ نے اس وقت تک جب تک کہ ان کی خلافت کو پورا استحکام حاصل نہ ہو جائے مناسب
نہیں سمجھا اور بدلہ نہ لیا گیا۔ امیر معاویہ کو شام میں اپنی خلافت قایم کر لینے کا یہ عذر ہو گیا اور وہ جدا
ہوگیا۔ باہم صلح اور صفائی ہونے کی کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور ہتھیار اٹھانے تک
نوبت پہنچی۔ اگرچہ جمل کی لڑائی میں پہلے مسلمان مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھا چکے تھے۔ مگر
اتنی بڑی خونخوار لڑائی جس میں صفین پر چالیس ہزار مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے یہ
پہلی ہی تھی۔ حضرت علی کو فتح حاصل ہوگئی تھی اگر عمرو بن العاص کی خطرناک حکمت اپنا کام نہ کرگئی
ہوتی۔ طرفین سے ایک ایک شخص حضرت علی اور امیر معاویہ کے درمیان فیصلہ کرنے کے واسطے
منصف مقرر کیا گیا۔ ابو موسے حضرت علی کی طرف سے اور عمرو بن العاص معاویہ کی طرف سے
عمرو بن العاص نے ابو موسے کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر اس سے کہلا دیا کہ حضرت علی اور امیر
معاویہ دونو خلافت سے معزول کر دئے جائیں اور خود اس نے ابو موسے کی توقع کے خلاف امیر معاویہ
کو خلیفہ پکار دیا۔ ایسی حکمت و تدبیر سے حضرت علی اپنے حق سے معزول نہیں کئے جا سکتے تھے

وہ کوفہ میں جس کو اُنہوں نے مدینہ چھوڑ کر دارالخلافت بنالیا تھا خلیفہ رہے شام اگرچہ ایک مختار اور جدا گانہ صوبہ بن گیا تھا۔ مگر حضرت علی شام کو فتح کرنے کے واسطے پھر تلوار سے کام لینا چاہتے تھے لیکن کوفہ کے اعراب نے جن کی بے ضبط اور سرکش طبائع کو حضرت علی کی ابتدائی مصلحت اور نرمی نے جو اُنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ نہ لینے بلکہ اُن کے قاتلوں کے سرگروہ مالک بن اشتر کو اپنی فوج کا سردار بنادینے سے ظاہر کی تھی اور بھی گستاخ کردیا تھا اور انہوں نے اُن کا ساتھ دینے میں پس وپیش کی۔ اور حضرت علی اپنے اس ارادہ کو چھوڑ دینے پر مجبور ہوگئے نہ پچھلے دنوں میں اُن کو مصر کی اُن کی خلافت سے علیحدگی کا رنج برداشت کرنا پڑا اور آخر اُن کی پاک زندگی کا ایک خارج کی زہر آلودہ خنجر نے خاتمہ کردیا جس نے اپنی گہری سازش سے امیر معاویہ اور عمرو بن العاص امیر مصر کو بھی اُسی روز دو مقرر کئے ہوئے شخصوں سے قتل کرانا چاہا تھا۔ مگر امیر معاویہ اپنے قاتل سے زخمی ہو کر اور عمرو بن العاص صاف بچ گئے تھے حضرت امام حسنؑ نے امت رسول اللہ سے اِس فتنہ اور فساد کے دور کرنے کے واسطے تمام خلافت امیر معاویہ کے سپرد کی اور خود گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی۔ اور اس کے بعد بہت مدت تک اِس دارِ فانی میں زندہ نہ رہے۔ امیر معاویہ نے دنیاداری اور دنیا پرستی کا ثبوت آخر اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کرنے اور اُس کے ہاتھوں پر بیعت کرانے سے دیا جس کے نام پر سے حضرت امام حسینؑ کی المناک شہادت اور آل رسول اللہ پر ظلم ہونے کے پر درد واقعہ کا داغ قیامت تک نہ اُٹھیگا +

یہ وہ تاریخی واقعات ہیں جو چند الفاظ میں ہم نے بیان کردیئے ہیں اور جو مسلمانوں میں ایک ایسی خوفناک مخالفت اور تفرقہ پیدا کرنے کے باعث ہوئے ہیں اُن کے درمیان ود صدہا واقعات ہیں جن میں بہت کچھ گفت گو کی گنجائش ہے۔ مگر حاشا جو ہم اُس کی طرف متوجہ ہوں۔ درحقیقت خلفاء اربع کی نسبت افضل اور مفضول کی بحث کرنے سے زیادہ لغو اور بیہودہ کوئی مباحثہ نہیں ہے۔ اور درحقیقت کوئی ضرورت اور کوئی فائدہ اس سے نہیں ہے سرسید کے اِس قول سے بہتر کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ نہ متقدم خلیفہ ہونے میں کوئی وجہ فضیلت تھی۔ نہ متوخر خلیفہ ہونے میں کوئی وجہ منقصت۔ یہ تمام واقعات اِسی طرح پر ہوئے تھے جیسا

تقرب الی اللہ یا تقرب رسول اللہ یا خدمات اسلام میں افضل ہے نے سے اُن کو دنیوی خلافت کا مستحق ٹھیرانا گویا اُن پر دین فروشی کا الزام لگانا ہے جس سے بڑھ کر کوئی نالائقی نہیں ہے رسول اللہ صلعم کے ساتھ جو اُن کے رشتے اور قرابتیں تھیں وہ بھی ایک حیثیت کی نہیں تھیں رشتہ میں کوئی خسر تھا اور کوئی داماد تھا۔ اِن مختلف حیثیتوں سے کسی کی افضلیت نہیں ثابت کی جا سکتی۔ اِس کے علاوہ شیعہ علما نے بعض خاص شرائط اور قواعد استحقاق خلافت کے واسطے مقرر کئے ہیں۔ مگر وہ شرائط اور قواعد اُس وقت مقرر کئے گئے ہیں جبکہ اسلامی خلافت دنیا سے گذر چکی تھی۔ اور اس نئے قانون کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ تعجب ہے کہ ایک شخص صدیوں پہلے کے گذرے ہوئے واقعات کی اصلاح کے واسطے اب قواعد اور قانون بنائے اور عرب کے اُس زمانہ کے سیاست مدن کی غلطیاں خلفاء کی افضلیت ثابت کرنے کے واسطے۔ ہم بھی مان لیتے ہیں کہ بیشک استحقاق خلافت کے واسطے ایسی شرائط اور قواعد ہونے چاہئے تھے مگر اس سے فائدہ؟

اِن سب سے بڑھ کر ہم ایک اور حیرت انگیز امر دیکھتے ہیں جو صرف حیرت انگیز اور تعجب خیز ہی نہیں ہے بلکہ اِس لائق ہے کہ ایک مسلمان اس کو دیکھ اور سُن کر رو دے اور فریاد کرے اور سر پیٹے کہ دنیا کے جھگڑوں نے اُن پاک بزرگوں کی بزرگی پر بھی بدنما دھبہ لگائے بغیر نہیں چھوڑا۔ شیعہ علما نے (ہم اُن کو علما اُن کے ادب کے سبب سے کہتے ہیں ورنہ وہ لوگ پرلے درجے کے جہلا تھے جنھوں نے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اور فساد پیدا کرنے کے واسطے ایسے کام کئے ہیں) ایک سلسلہ احادیث اور روایات کا پیدا کیا ہے جس میں اُنھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ خلفا اور اصحاب کبار رسول اللہ صلعم کے دلوں میں دشمنی اور کینہ اور بغض اور عداوت اور ایک دوسرے سے نفرت اور نفاق تھا یہانتک کہ اُن کا اسلام ہی نفاق تھا جناب رسول اللہ کے ساتھ بھی وہ منافقانہ برتاؤ کرتے تھے۔ اور اُن کے آزار کے درپے تھے اور درپردہ دشمن بنے تھے۔ اور اسی بنا پر انھوں نے بزرگان دین کی نسبت کافر اور مرتد اور منافق کے الفاظ استعمال کرنے کی جرأت کی ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کے روبرو جو ایک ذرہ کے برابر بھی عقل رکھتا ہے ایسی نالائق باتوں کے جواب دینے کی کوشش کرنا بجائے خود حماقت

ہے۔ اب ایسے سادہ لوح لوگوں کا زمانہ گذر گیا ہے جن پر اس قسم کی لغو اور بیہودہ روایتوں اور
تدبیروں کا جادو چل جاتا تھا وہ اُن کو سچ مان لیتے تھے یا اُن سے متاثر ہوتے تھے ایک
واقعہ ہم بہ طور مثال بیان کرتے ہیں۔ صحابِ کبار رسول اللہ صلعم کے درمیان جو برادری اور
محبت اور اخلاق اور اتحاد تھا اس کے رو سے یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی کہ ان کے درمیان
رشتہ اور قرابتیں ہوں۔ چنانچہ حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علی کی بیٹی حضرت
ام کلثوم سے جو حضرت فاطمہؓ کے بطن سے تھیں نکاح کیا تھا جو لوگ اُن بزرگانِ دین کے
درمیان دشمنی اور عداوت کا ہونا بیان کرتے ہیں۔ اور اصحابِ کبار کو معاذ اللہ منہا کافر و منافق
اور مرتد کہتے ہیں اُنہوں نے اس واقعہ سے انکار کرنے کی عجیب و غریب کوششیں کی ہیں۔
بعض نے اس نکاح کے ہونے سے سرے سے انکار کیا ہے۔ کوئی ام کلثوم کے بنت مرتضوی
ہونے ہی کا منکر ہے کسی نے نکاح پر غصب کا اطلاق کیا ہے۔ کوئی بعد نکاح ہونے کے
ہم بستری ہونے سے منکر ہے۔ اور بعض یہ عجیب بات کہتے ہیں۔ کہ ایک جنیہ بہ شکل حضرت
ام کلثوم حضرت عمر کے پاس آئی تھی۔ اور بعض اس سے بھی زیادہ عجیب بات کہتے ہیں۔ کہ
ابتدا ہی میں جب حضرت علی نکاح کر دینے کو مجبور کئے گئے تو ایک جنیہ سے جو ام کلثوم کی شکل
بنکر آئی تھی نکاح کرا دیا۔ بعض اس کو حضرت علی کا انتہا درجہ کے صبر اور تحمل کا نتیجہ سمجھتے ہیں بعض اس کو
تقیہ بیان کرتے ہیں مگر اس سیدھے سادے صحیح واقعہ کے سامنے یہ سب کہانیاں لغو اور بیہودہ ہیں۔
اس قسم کی غلط اور جھوٹی روایتوں کے پھیلانے اور ایجاد کرنے سے مطلب یہ تھا
کہ اُن کے سننے والوں کو اصحابِ کبار کے بُرا سمجھنے اور اُن کے حق میں ناشائستہ
الفاظ استعمال کرنے کی جُرأت ہو اور ان کی اصلیت ہم ایک واقعہ سے بہ طور مثال کے سمجھ سکتے
ہیں سر سید احمد خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک میرے نہایت دوست شیعہ مذہب تھے
اُن کے ہاں ایک چھوٹا بچہ تھا جس کو ایک بکری کا بچہ پال دیا تھا اور وہ خوب اُس سے
ہل گیا تھا۔ ایک دن اُس بکری کے بچہ کو ذبح کر ڈالا۔ اور وہ چھوٹا بچہ خوب رویا۔ اُس کے
باپ نے اُس سے کہا کہ عمر یہ کام کر گیا ہے۔ وہ بچہ عمر کو بُرا بھلا کہتا تھا۔ یہ کام صرف اس لئے
کیا تھا کہ بچپن ہی سے اُس کے دل میں عمر کی عداوت اور اُن کے نام سے نفرت پیدا ہو

یہی اصلیت ان روائیتوں اور کہانیوں کی ہے۔ جن میں اصحاب کے درمیان باہمی دشمنی اور عداوت ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ اور جن پر مذہب کا مدار ہو گیا ہے۔ اور جن سے مذہب بنالی گئی ہیں جیسے کہ شیعوں میں جھوٹی اور غلط روائیتیں اور حدیثیں بنائی گئی ہیں۔ اسی طرح سُنیوں میں بھی جھوٹی اور وضعی حدیثیں وضع کی گئی ہیں جن میں اول حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی کے خلیفہ ہونے کا بیان آنحضرت صلعم سے منسوب کیا گیا ہے بلا شبہ یہ حدیثیں اس وقت وضع کی گئی ہیں جب کہ ان کے موضوع اس دنیا سے رحلت فرما گئے تھے۔ مگر دونو فرقوں کی وضعی حدیثوں میں اتنا فرق ہے۔ کہ شیعوں کی حدیثیں اور روائیتیں فتنہ اور فساد پیدا کرنیوالی تھیں۔ اور سُنیوں کی شر اور فساد مٹانے کی غرض سے دروغ مصلحت آمیز کی مانند تھیں۔ مگر اہل بصیرت کے نزدیک نہ پہلے قسم کی روائیتوں کی اب کچھ وقعت ہو گی۔ اور نہ دوسری قسم کی احادیث کی کوئی ضرورت اصحاب رسول اللہ باہم شیر و شکر کی طرح تھے۔ اور ایک حدیث سے جو نہایت سچی ہے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے دن حضرت عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں اصحاب کے ساتھ متفکر بیٹھا ہوا تھا حضرت عمر ہمارے پاس سے گذرے اور سلام کہا۔ میں فکر میں ڈوبا ہوا تھا میں نے سلام نہ سنا اور جواب نہ دیا۔ حضرت عمر نے اس کی شکایت ابوبکر کے پاس کی وہ یہ سُن کر اُن کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے اور دونو میرے پاس آئے اور سلام علیک کہ کر حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ تم نے اپنے بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا پہلے تو میں نے کہا کہ انھوں نے سلام نہیں کیا مگر آخر اپنے فکر میں مستغرق ہونے کے عذر سے معافی چاہی۔ یہ حال تھا اُن بزرگان دین کا کہ اس قسم کی ذرا سی بات کو گوارا نہیں کرتے تھے چہ جائیکہ اُن میں بغض اور عداوتیں ہوں +

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں حضرت علی اُن کے دست و بازو اور معین اور مشیر اور صلاح کار تھے۔ رتبہ میں وہ ایک دوسرے کے مساوی اور مساویانہ برتاؤ کرتے تھے حضرت عمر اپنے زمانہ خلافت میں ایک دن کسی مسئلہ میں کچھ دریافت کرنے کے لئے حضرت علی کے مکان پر گئے۔ اور آدمی بھی ساتھ تھے جب وہاں پہنچے تو حضرت علی نے کہا یا امیر المومنین مرحبا اور اتنی

ہیں جو یقین کے لائق ہوں اور اگر بالفرض واقعات بھی ہوں تو وہ کیفیت اور حالات جن پر باہم صحابہ کے مشاجرات واقع ہوئے ہرگز ہماری آنکھ کے سامنے نہیں ہیں۔ پس جو لوگ صحابہ کے مطاعن پر بحث کرتے ہیں وہ بلا کافی شہادت اور بلا موجودگی روئیداد کے اپنا فیصلہ قایم کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے انسان سے غلطی اور خطا کا واقع ہونا خصوصاً ایک ایسی بڑی سلطنت کے انتظام میں جو صحابہ کے ہاتھ میں تھی ایک ایسا امر ہے جو ناگزیر ہے۔ صحابہ معصوم نہ تھے۔ اگر بالفرض اُن سے غلطیاں واقع ہوئی ہیں تو کیا آفت ہوئی اور کیوں بُری سمجھی جائیں۔ اگر انہیں روایتوں پر جو موجود ہیں نکتہ چینی کا مدار ہو تو اس نکتہ چینی سے نہ حضرت علی مرتضےٰ بچتے ہیں نہ خلفاء ثلاثہ۔ اور ہم تو باوجود تسلیم کر لینے اُن نکتہ چینیوں کے جو خوارج و نواصب اور شیعہ اُن بزرگوں کی نسبت پیش کرتے ہیں اُن میں سے کسی بزرگ کو بُرا اور بد خیال نہیں کرتے۔ وہ تمام واقعات ایسے ہی ہیں۔ جو دُنیا میں ہمیشہ پیش آتے ہیں وہ ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں اُن سے نہ اُن بزرگوں کی بزرگی میں کچھ نقصان لازم آتا ہے۔ اور نہ مذہب اسلام کو اُن سے کچھ تعلق ہے۔ درحقیقت اُن علما کی رائے نہایت قابل قدر ہے جو ان مباحث کی اجازت نہیں دیتے۔ اور ان کی نسبت خاموشی اختیار کرنا بہتر سمجھتے ہیں۔ اگر مخالفت اور نکتہ چینی کو اصول بنا کر کسی کی طرف دیکھا جاوے تو کوئی بھی دُنیا میں نہیں بچ سکتا خود فخر انبیاء کی ذات پاک مخالفین کی نکتہ چینی سے نہیں بچی۔ اور جس حال میں کہ خلفا کے حالات کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ پس اُن کے حالات سے بحث کرنا اور اسلام میں تفرقہ ڈالنا نہایت نقصان پہنچنے والا امر ہے۔ بقول سر سید احمد خان صاحب کے کہ جو امور مذہب اسلام سے علاقہ رکھ سکتے تھے وہ آنحضرت صلعم کے بعد ختم ہو گئے۔ اور جو واقعات اُن کے بعد ہوئے اُن کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے نہ وہ مذہب اسلام کے جزو ہیں۔ نہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد الرسول اللہ کے بعد اشہد ان ابا بکر الصدیق اول خلیفہ رسول اللہ کہنا ہمارا جزو ایمان ہے اور نہ اشہد ان علیا ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فاصلہ ماننا ہم کو ضرور ہے بلکہ اسلام کے لئے پہلے ہی دو تشہد کافی ہیں ؛

سُنی اور شیعہ کے اختلاف کے تاریخی حالات کو جو محض ملکی امور اور واقعات پر مبنی تھا

اور رفتہ رفتہ مخالفت اور دشمنی کی صورت پکڑ گیا اور اس بات کو کہ مسلمانوں کو اس سے کس قدر نقصان پہنچا ہے بہت اختصار کے ساتھ بیان کرینگے۔ زیادہ تفصیل سے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے +

اسلام نے تو کوئی اس قسم کا اختلاف اور تفرقہ پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس کا کام تو دنیا کے تمام تفرقوں کو مٹانا تھا اور اس نے اپنی وسعت کے اندر مٹا دیئے تھے۔ پہلے دو خلفا کے زمانہ خلافت میں بھی اس قسم کے کسی تفرقہ کو تعلق نہیں ہے حضرت عثمان کی خلافت میں ان آنیوالے واقعات کی بنیاد رکھی گئی کہ امیر معاویہ کو اس قدر اقتدار اور قوت حاصل ہوگئی کہ حضرت عثمان رض کے قتل کا بدلہ لینے کے عذر سے خلافت سے بغاوت کریں۔ اس میں بھی کچھ شبہ نہیں ہے کہ حضرت عثمان رض کے قتل کا واقعہ اور اس کا بدلہ نہ لئے جانے سے ایسے اشتعال کے اسباب پیدا کر دیئے تھے جن کی آڑ میں امیر معاویہ کو اپنی دوگونہ غرض پورا کرنے کا موقع مل گیا۔ ورنہ امیر معاویہ کی اکیلی خواہشیں اہل عرب کے ہاتھوں پر پوری ہونی ناممکن تھیں عمرو بن العاص کی حیلہ ساز طبیعت نے امیر معاویہ کی اغراض کی ایسی مدد کی کہ کوئی بڑی سے بڑی فوج بھی نہیں کر سکتی تھی۔ حضرت علی کے زمانہ خلافت کو بڑی مجبوری سے مسلمانوں کے درمیان خونریزی اور شام کی اور مصر کی خلافت سے علیحدگی کو دیکھنا پڑا۔ مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو دار الخلافہ بنانے کا نتیجہ اچھا نہ پیدا ہوا۔ کوفہ کی اقوام اعراب نے بجائے اس کے کہ حضرت علی کی خلافت کو اپنے درمیان دیکھنے پر فخر و ناز کرتے بہت بے اعتنائی اور نافرمانی بلکہ مخالفت ظاہر کی۔ اُن کی بے اعتنائی کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جب ایک نسل گذر جانے کے بعد حضرت علی کی تعظیم اور تکریم اور امامت وغیرہ کے عجیب و غریب خیالات کا جوش پیدا ہوا تو حضرت علی کے مدفن اور مقبرہ کا بھی کوئی نشان نہ بتا سکا +

بنی امیہ کی خلافت کے ساتھ دنیا طلبی اور قوت و اقتدار اور غلبہ کی خواہش اور ہوس کا زمانہ شروع ہوا۔ امیر معاویہ کو حضرت امام حسن کو خلافت سے محروم کر کے تمام مفتوحہ ممالک پر اپنا تسلط بٹھا لینے کا موقع ملگیا اپنے بیٹے یزید کو بظاہر رفع شر کے بہانہ سے صرف اپنا جانشین ہی نہ مقرر کیا بلکہ کہا جاتا ہے۔ کہ اس کو وصیت کی کہ تین شخصوں کی طرف سے جو مدعی خلافت ہیں ہوشیار رہے

عبداللہ بن عمر، اور عبداللہ بن زبیر، اور حضرت امام حسین کی طرف اُس کا اشارہ تھا۔ عبداللہ بن عمر کی طرف سے تو امیر معاویہ کا شبہ درست نہیں تھا۔ وہ دنیا کی کوئی خواہش نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ یزید نے جب بیعت چاہی تو عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس نے فوراً بیعت کر لی۔ عبداللہ بن زبیر، اور امام حسین نے بیعت نہ کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا وہ عالم آشوب واقعہ ہوا جس نے گو بہ ظاہر ایک سخت خلافت کو ایسے ظلم اور بیرحمی سے راستہ سے اُٹھا کر یزید کی حکومت کو بے کھٹکا کر دیا مگر درحقیقت بنی امیہ کی خلافت کی بیخ کنی کے واسطے اُن کی بنیادوں میں بارود بھر دیا۔ کوئی فوج اور کوئی تلوار بنی امیہ کی بربادی کے واسطے اتنا کام نہیں کر سکتی تھی جتنا کہ شہدائے کربلا کے المناک واقعہ نے کیا۔ اہل بیت کے استحقاق کی طرف اُس وقت تک جو ایک بے اعتنائی اور بے پروائی کا اظہار کیا گیا تھا وہ اُن کی حمایت اور اُن کا بدلہ لینے کے جوش سے مبدل ہو گیا۔ عبداللہ بن زبیر نے جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے۔ کہ اُس نے اپنے دعوے خلافت کو بلامزاحمت پیش کرنے اور حضرت امام حسینؑ کے دعووں کی روک اُٹھا دینے کے واسطے دانستہ حضرت امام حسینؑ کو کوفہ جانے کی رائے دی تھی۔ اب شہدائے کربلا کا بدلہ لینے کے واسطے علم اُٹھایا۔ اس کا نتیجہ مکہ اور مدینہ میں خرابی۔ خونریزی۔ کعبہ کی تباہی اور انصار کی بربادی اور جبر برداری کے سوا فی الحال کچھ نہ پیدا ہوا۔ ابن زبیر کی مکہ اور مدینہ میں گو خلافت تسلیم ہو گئی۔ مگر انجام اُس کا بھی اچھا نہ ہوا۔ مختار نے عبدالملک کی خلافت میں شہداء کربلا کا بدلا لیا۔ اور اگر آئندہ دنیا طلبی اور دنیا پرستی کی اغراض کے واسطے شہداء کربلا کا بدلہ ایک بہانہ نہ بنا لیا جاتا تو یہ بدلہ کافی سمجھ لیا جاتا۔ اب دنیا کے واسطے تمام جھگڑے اور لڑائیاں تھیں۔ دین اور دینی مسئلے اور شیعان علی کا یہ نیا نام اختیار کرنا اور امامت کے نئے مسئلہ کو پیدا اور شائع کرنا یہ ایک آڑ تھی جس کے پیچھے دنیا اور دنیوی اقتدار کے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ ان اندرونی جھگڑوں اور لڑائیوں سے اسلامی سلطنت کو یہ ایک اصلی نقصان پہنچا تھا کہ عرب کی فتوحات جو ایک بے روک سیلاب کی طرح دنیا میں پھیل رہی تھیں بالکل بند ہو گئیں مسلمانوں کی قوت اپنی قوت سے ہی ٹوٹ رہی تھی۔ لیکن ولید بن عبدالملک کی خلافت نے

وہ پچھلے اچھے دن پھر یاد دلا دیئے۔ اور ملک گیری اور فتوحات میں وہ نام پایا کہ مورخین جو اُس کے زمانہ کو ابتدائے خلافت سے انتہا تک عدیم النظیر کہتے ہیں۔ مگر جو آگ گھر میں لگ چکی تھی اور جس کی چنگاریاں دبی ہوئی تھیں۔ آیندہ خلیفوں کے وقتوں میں وہ نئی نئی صورتوں میں بھڑکتی رہیں اور آخر بنی اُمیہ کی بدنام خلافت کا خاتمہ کر دیا۔

بنی عباس نے گو خلافت شہداء کربلا اور اہل بیت اور بنی فاطمہ کا بدلہ لینے کے نام سے حاصل کی۔ مگر بہت جلد اُنھوں نے ثابت کر دیا کہ یہ سب دُنیا اور دنیوی اقتدار کے حاصل کرنے کے واسطے ایک آڑ تھی اور کچھ نہ تھا۔ بنی اُمیہ سے بدلہ لیا گیا۔ اُن کے گذرے ہوئے آباؤ اجداد کے مظالم کے بدلے اُن کو ذبح کر کے اُن کی لاشوں پر فرش کر کے دسترخوان بچھایا گیا۔ تلوار بدلہ لینے والوں کو ٹھنڈا نہ کر سکی۔ اور لاشوں کو آگ کے سپرد کیا گیا۔ مشرقی دنیا کی زمین کے اوپر ایک متنفس بھی اُس بدنام نام سے پکارے جانے کے لائق نہ چھوڑا گیا۔ مگر کیا بنی فاطمہ کا بدلہ لیا جا رہا تھا۔ اُس وقت گو یہی خیال کیا جاتا۔ مگر بنی فاطمہ کے ساتھ جو سلوک ہوا اُس نے بہت جلد بتا دیا کہ اِس سب کا مطلب خلافت اور بادشاہی کے میدان کو صاف کرنے کے واسطے روکنے والی اور بدنما جھاڑیاں اور درخت آیندہ بڑھ جانے کے خوف سے کاٹے جا رہے تھے بنی فاطمہ پر بنی عباس کے ظلم اور تشدد کی تاریخ بنی اُمیہ کی تاریخ سے بہت لمبی ہے اور سُنی اور شیعہ کے درمیان دشمنی اور مخالفت پیدا ہونے کے بڑے واقعات اِسی زمانہ میں ہیں۔

اب ہم کو شہدائے کربلا کے پاک ناموں اور اُن کے بدلہ لینے کے بہانوں کے ذکر کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اگرچہ بنی فاطمہ کی آیندہ کوششوں میں جو خلافت کے واسطے کی جاتی تھیں۔ اُن کا بڑا معاون یہی بہانہ تھا۔ لیکن در اصل بنی عباس اور بنی فاطمہ میں خلافت کے واسطے لڑائیاں اور جنگ شروع ہوئے۔ بنی عباس نے خلافت حاصل کرتے ہی بنی اُمیہ کی طرف سے اِن کا نام نشان دُنیا کے صفحہ سے مٹا کر جب اطمینان حاصل کر لیا تو اب اُن کو بنی فاطمہ کی فکر ہوئی۔ جن کے نام کو اُنھوں نے اپنی کامیابی کا وسیلہ بنایا تھا۔ لیکن اب ایسی رُکاوٹوں کو وہ اُٹھا دینا چاہتے تھے۔ ابو مسلم اُس زمانہ کا بے نظیر سپہ سالار تھا جس نے دولت عباسیہ کی بُنیاد رکھی اور عدم سے نکال کر اُس عظیم الشان سلطنت کا مالک بنا دیا اور زمین سے اُٹھا کر اُس آسمان مرتبہ تخت پر بٹھا دیا اور اِس

کوشش میں اپنے ہاتھوں کو لاکھوں مسلمانوں کے خون میں رنگ لینے میں تامل نہ کیا اُس کا اقتدار اور قوت سب سے پہلا کانٹا تھا جو عباسیہ کے پہلے خلیفوں کی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا۔ ابو جعفر منصور نے آخر اُس اپنے وفادار اور محسن اور بے گناہ اور بے خطا نامور سپہ سالار کو ذبح کرا ہی دیا۔ بنی فاطمہ باقی تھے عبد اللہ کو مع اُن کے کنبہ کے قید میں ڈال دیا۔ اور اس پر بھی اکتفا نہ کر کے ایک یا دوسرے بہانہ سے اُن کو مار ڈالا۔ محمد اور ابراہیم اگر بھاگ نہ گئے ہوتے تو وہ بھی اِس قسمت میں شریک ہوتے۔ بنی فاطمہ کی خلافت کے واسطے کمزور کوششیں کرنے اور بنی عباس کے اُن پر سختیاں اور جور و جفا کرنے کے واقعات تاریخی جھگڑے ہیں۔ سبز اور سیاہ رنگ کے نشان اور جھنڈے دونو فریقوں اور فوجوں کو تمیز کرتے تھے۔ بنی فاطمہ میں سے جن بزرگوں نے دنیاوی تعلقات اور جھگڑوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی وہ دامن امن میں رہے۔ لیکن جنہوں نے اپنے نسبی فخروں کے عوض میں دنیا مول لینی چاہی اور سلطنت میں خلل انداز ہوئے۔ انہوں نے اپنی قسمتوں کو دوسروں کے واسطے باعث عبرت بنانے کے سوا اور کچھ نہ حاصل کیا۔ خلافت کے امن میں خلل ڈالنے کا جرم ان کی خاندان کی اُن کو سزا دینے کا کافی عذر تھا۔ اور قوت اور اقتدار اُنہیں کا تھا جن کے ہاتھ میں تھا۔ خلیفہ مامون الرشید کے زمانۂ خلافت نے بنی فاطمہ کے حق میں ایک مفید پلٹا کھایا مگر اُن کی بدقسمتی نے حضرت امام علی رضا کو خلافت کا وارث بننے کے واسطے زندہ نہ رہنے دیا اور زمانہ بہت جلد اُن کے خلاف پھر گیا۔ خلیفہ متوکل باللہ نے بنی فاطمہ کی مخالفت کو انتہا درجہ تک پہنچا دیا۔ حضرت امام حسینؑ کی قبر پر اُس نے ہل پھروا کر اُس زمین پر کھیتی بوا دی اور زائرین کربلا کو سخت دھمکیوں سے منع کر دیا۔ ایک عالم کو اس جرم میں کہ اُس نے خلیفہ کے دو بیٹوں کو امام حسنؑ اور امام حسینؑ پر ترجیح دینی پسند نہیں کی تھی پاؤں میں روندوا دیا۔

غرض یہی جھگڑے اور لڑائیاں سُنی اور شیعہ میں مخالفت اور دشمنی بڑھاتی گئیں اور اُن کی عجیب عجیب صورتیں پیدا کرتی گئیں۔ انہیں ملکی جھگڑوں سے در اصل سُنی اور شیعہ کے نام سے دو مذہبی فرقہ پیدا ہو گئے۔ معز الدولہ ڈیلمی نے چوتھی صدی ہجری میں خلیفہ مطیع اللہ کے زمانہ میں یوم عاشورہ کا رواج دیکر ایک عمدہ کام کے ساتھ اس تفریق کے اور پختہ کرنے کا

ایک سبب پیدا کر دیا۔ گو شیعوں میں نئے نئے مذہبی مسائل اور مذہبی تفرقہ عجیب و غریب قسم کے پیدا ہو گئے۔ مگر وہ اس اصلی اختلاف سے جُدا سمجھنے چاہییں۔ یہ اصلی اختلاف تو خلافت کی بابت تھا۔ بنی فاطمہ جس قدر کوششیں کرتے رہے سب ناکامیاب ہو گئے۔ اور اس ضعف نے تلوار کی کمی کو زبان سے پورا کرنا چاہا۔ اور شکستیں اُن کے جوشوں کو بڑھاتی اور نئی نئی صورتوں میں ظاہر کرتی رہیں جو مذہبی رنگ پکڑتی گئیں۔ بنی فاطمہ ہی اگر دنیوی اقتدار اور دُنیا کی ہوس چھوڑ دیتے تو ممکن تھا کہ ان دشمنیوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ مگر اُن سے بھی یہ نہ ہو سکا اور خلافت کو ایک دم چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ایشیا میں گو اُن کو کوئی دیرپا کامیابی نہ حاصل ہوئی ہو۔ مگر مصر میں اُن کی ایک خلافت آخر قائم ہو ہی گئی جو سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس کے وقت تک جس نے پھر مصر میں عباسیہ خلافت قائم کر دی تھی قائم رہی مصر کی یہ عباسیہ خلافت مملوکیوں کے زمانہ تک برائے نام مصر میں رہی۔ اور سلطان سلیم کے زمانہ میں ترکان عثمانی کی طرف منتقل ہو گئی +

خلفاء اربعہ کے سوا اول سے آخر تک جس قدر جھگڑے اور لڑائیاں اور کشت و خون ہوئے سب کی تہ میں ایک ہی وجہ دُنیا کی طلب اور دُنیا کی ہوس تھی اور کچھ نہ تھا۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم کے تعلقات قبل الاسلام کو بلا ضرورت زندہ کیا جاتا ہے بنی ہاشم ہی نے بنی ہاشم سے کونسا اچھا سلوک کیا جو بنی اُمیہ کے سلوکوں کو اتنی دور پیچھے لے جایا جائے۔ دُنیا کے واسطے جو کچھ بنی اُمیہ نے کیا وہی کچھ بنی عباس نے کیا اور وہی بنی فاطمہ نے کیا۔ تاریخ گواہ ہے جس سے جو ہو سکا کسی نے کمی نہیں چھوڑی۔ مسلمانوں کا خون سب کی خلافتوں پر ایک ہی جیسا دعوےٰ کر سکتا ہے جس قدر کشت و خون مسلمانوں کا ان جھگڑوں اور لڑائیوں میں جو رفتہ رفتہ مذہب بن گئی تھیں ہوا۔ وہ شمار کے حد و حساب اور اندازے سے باہر ہے۔ اور آج ایک رونے والے کو اس پر صبر کر لینا بھی مشکل ہے۔ اگرچہ رونا اور فریاد کرنا ہی ایک چارہ ہے۔ اسی دشمنی نے اسلامی خلافت کا نام دُنیا سے رخصت کر دیا۔ عباسیہ کی وہ شان و شوکت پھر نہ آنے کے واسطے اسی عداوت کی نذر ہو گئی۔ اسی سُنی اور شیعہ کے جھگڑے نے ہلاکو کے خونخوار اور خونریز ہتھیاروں کو مسلمانوں کے گھر میں بلایا۔ اور اسلامی سلطنت کی شان و شوکت علم و فضل اور صدیوں کی جمع کی ہوئی

بزرگیوں کو اُس غارتگر ہاتھوں سے فنا کروا دیا اور عالموں اور فاضلوں اور ادیبوں ہزارہا باکمال لوگوں کو جو انتخاب روزگار اور دُنیا کا فخر تھے جاہل درندوں کے ہاتھوں سے ذبح کرا ڈالا۔ وہ یہی تباہی اور بربادی اور زوال اور مدینۃ الاسلام کی ویرانی کا واقعہ تھا جس کو دیکھ کر شیراز کا علامہ خون کے آنسو رونا ہوا ہمارے رولانے کے لئے یہ اشعار کہتا ہوگیا ہے

آسماں را حق بود گر خون ببارد بر زمیں	بر زوالِ مُلکِ مستعصم امیر المومنیں
اے محمد گر قیامت برآری سر زخاک	سر برآور ایں قیامت درمیان خلق بیں
دیدہ بردار ایکہ دیدی شوکت بیت الحرام	قیصران روم بر سر خاک و خاقاں بر زمیں
خونِ فرزندانِ عمِ مصطفےٰ شد ریختہ	ہم براں خاکے کہ سلطاناں نہادندے جبیں
نازنینان حرم را خونِ خلقِ نازنیں	ز آستاں بگذشت و مارا خونِ دل از آستیں
زینہار از دور گیتی و انقلابِ روزگار	در خیالِ کس نگشتے کانچناں گردد چنیں

الخ

سعدی اس ہیبتناک تباہی اور ویرانی پر جس نے صدیوں کے اسلامی آثار اور بزرگیوں کو ایک دم میں مٹا دیا تھا اور بغداد کی بزرگیوں اور زمانہ کے فخر کے اسباب کو آگ اور تلوار کے حوالہ کر دیا تھا کیونکر صبر کرسکتا تھا۔ اُس کا عربی مرثیہ دلوں کو نہیں پتھروں کو پاش پاش کر دینے والا ہے

عربی مرثیہ کے چند اشعار

نسیمُ صَبَا بغدادَ بعدَ خرابِہا تمنیتُ لو کانت تمرُّ علیٰ قبری	کاش ایسا ہوتا کہ بغداد کی تباہی کے بعد اُس کی ہوا کا جھونکا میری قبر پر گذرتا۔
تجرّبتُ طبیباً حسَّ نبضی مُداوِیاً اِلَیکَ فما شکوایَ من مرضٍ یَبری	میں نے طبیب کو جبکہ اُس نے علاج کے لئے میری نبض کو چھوا جھڑک دیا کہ جا اپنا کام کر مجھ کو ایسے مرض کی شکایت نہیں جو اچھا ہوسکے۔
ولا تسألن عمّا جریٰ یوم حصرہم وذالک ممّا لیس یدخل فی الحصر	نہ پوچھو جو حال بنی عباس کی قید کے دن گذرا یہ وہ حال ہے جو قید بیان میں نہیں آسکتا۔
اُدیرت کؤوسُ الموتِ حتّیٰ کانّہ	شراب مرگ کے جام گردش میں لائے گئے یہاں تک کہ

رؤس الاسارى تحركن من السكر

بكت جدر المستنصرية ندبة
على العلماء الراسخين ذوي الحجر
نوائب دهر ليتني مت قبلها
ولم ار عدوان السفيه على الحبر
وقفت بعبادان ارقب دجلة
كمثل دم قان تسيل الى البحر
وفائض دمعي في مصيبة واسط
يزيد على مد البحيرة والجزر
وهب ان دار الملك ترجع عامرا
ويغسل وجه العارفين عن العفر
فاين بنو العباس مفتخر الورى
ذوو الخلق المرضي والغرر الزهر
غدا سمرا بين الانام حديثهم
وذا سمر يدمي المسامع كالسمر
اتذكر في على المنابر خطبة
ومستعصم بالله لم يك في الذكر
ضفادع حول الماء تلعب فرحة
اصبر على هذا ويونس في القعر
وليت صماخي صم قبل استماعه
بهتك استار المحارم في الاسر
كأن صباح الاسر يوم قيامة

قیدی کشتوں کے سر تڑپتے ہوئے ایسے معلوم ہوتے
تھے گویا نشے میں جھوم رہے ہیں۔
علمائے راسخین پر جو کہ اصحاب عقل و دانش تھے مدرسہ
مستنصریہ کی دیواریں زار زار رو رہی ہیں۔
یہ زمانہ کے سخت حادثے ہیں کاش میں ان سے پہلے
مرگیا ہوتا۔ اور جاہلوں کا ظلم دانشمندوں پر نہ دیکھتا۔
میں نے شہر عبادان میں ٹھیر کر دجلہ کے پانی کو دیکھا کہ
مکدر خون کی مانند سمندر کی طرف بہتا تھا۔
میرے آنسو جو شہر واسط کی مصیبت میں جاری ہیں خلیج
فارس کے مدوجزر کو اور بڑھا دیتے ہیں۔
یہ نہ سمجھو کہ اب دار الخلافہ پھر آباد ہوگا اور علما کے چہرے
غبار ذلت سے پاک کئے جائینگے۔
کہاں ہیں بنی عباس جن سے عالم کو فخر تھا جن کے
اخلاق برگزیدہ اور پیشانیاں نورانی تھیں۔
اُن کا ذکر اب دنیا میں افسانہ ہوگیا اور یہ وہ افسانہ ہے جو
کانوں کو برچھیوں کی نوک کی طرح خون آلودہ کرتا ہے۔
کیا منبروں پر خطبہ پڑھا جائیگا اور مستعصم باللہ کا اُس
میں ذکر نہ ہوگا۔
کیا اس پر صبر ہوسکتا ہے کہ مینڈک پانی کے ادھر ادھر
خوشی سے کھیلتے پھریں اور یونس پانی کی تہ میں ہو۔
کاش ایسا ہوتا کہ قید میں محلوں کے لٹنے پردہ ہونیکی
خبر سننے سے پہلے میرے کان بہرے ہوجاتے۔
قید کی صبح گویا قیامت کا دن تھا کہ اجنبی سر پر خاک ڈالے

علیٰ امم شعث تساق الی الحشر	میدان حشر کی طرف ہکائی جاتی تھیں
وقت تصرخ یا للرفتہ فالصرو	بہت سی فریاد کرتے تھے کہ دہائی ہے مروت کی کوئی مدد کرو۔ مگر باز کے پنجے میں چڑیا کی فریاد کو کون پہنچتا ہے
ومن یصرخ العصفور بین ید صقر	
یساقون سوق المغرقی کبد الفلا	جو لوگ زجر اور جھڑکی سننے کے عادی نہ تھے اُن کے حرم محترم صحرا میں بکریوں کی طرح ہکائے جاتے تھے۔
عزائز قوم لا یعودون بالزجر	
جلبن سبایا سافرات وجوھھا	جو لڑکیاں پردہ میں چادروں سے چہرے باہر نہ نکالتی تھیں اُن کو کھلے منہ اسیر کر کے لے گئے۔
کواعب لا تبرزن من خلل الخدر	
رعی اللہ انسانا یتقظ بعدھم	خدا حمایت کرے اس شخص کی جو دولت بنی عباس کے بعد خواب غفلت سے بیدار ہو گیا کیوں کہ زید کی مصیبت عمرو کے لئے تازیانہ ہے
الا ان مصاب الزید مزجرۃ العمرو	

اس آخری بڑی تباہی اور ویرانی کا سبب صرف سُنّی اور شیعہ کی دشمنی اور مخالفت تھی اس کی تفصیل کے معلوم کرنے کے واسطے تاریخ کو کھولنا چاہیئے۔ اگرچہ بنی عباس کی خلافت کا انجام ویسا ہی ہوا جیسا کہ پانچ صدیاں پہلے اُن کے ہاتھوں سے بنی اُمیہ کا ہوا تھا مگر وہ آیندہ مسلمانوں کے واسطے اُس سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے واسطے کافی سے زیادہ تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اُس سے عبرت نہ حاصل کی اور سلطان سلیم اور شاہ اسمٰعیل صفوی کے زمانہ میں وہ چنگاریاں ایک دفعہ پھر بھڑکیں اور مسلمانوں کی ہزارہا جانیں صرف اس تفرقہ اور مخالفت کی نذر ہو گئیں۔ ہندوستان میں بھی یہ آگ مسلمانوں کے گھروں کو جلائے بغیر نہ رہی۔ مگر چھوٹے بڑے تمام واقعات کا بیان کرنا کچھ ضروری نہیں ہے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے واسطے یہی واقعات کافی ہیں۔ سعدی اگر اپنے زمانہ میں ایسی مصیبت اور تباہی دیکھ کر زندگی سے بیزار تھا اور موت طلب کرتا تھا تو ہمارے زمانہ میں مسلمانوں کے سامنے رونے اور فریاد کرنے اور مرجانے کے واسطے اُس سے بھی زیادہ حوادث موجود ہیں۔ یورپ اور افریقہ اور ایشیا اور ہندوستان میں اسلامی سلطنتوں کی تباہی

اور اپنے بُرے انجام سے بھی اگر ہم سبق نہیں حاصل کرسکتے تو ہماری ان زندگیوں سے درحقیقت
موت ہزار درجہ بہتر ہے +

اے اسلام کی نسلو! تمہاری تاریخ سے بڑھ کر تمہارے واسطے کوئی معلّم نہیں ہوسکتا
اپنی تاریخ اور اپنے حال سے عبرت حاصل کرو۔ دُنیا کی خلافت اور سلطنت کے جھگڑوں نے
جو تفرقے تمہارے درمیان پیدا کئے ہیں۔ کم سے کم اب تو ان کو درمیان سے اٹھادو۔ نہ وہ خلافت
رہی نہ وہ سلطنتیں رہیں۔ نہ وہ دعوے اور نہ وہ دعوے دار رہے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ تفرقے
اور مخالفتیں باقی ہیں۔ ذرا غور کرو کہ کوئی عقلمند ہمارے اس حال پر سوائے ہنسنے یا افسوس
کرنے کے کیا کریگا۔ ہم اپنے ان تفرقوں سے دوگونہ نقصان اُٹھا چکے ہیں۔ خدا کی مرضی یہی
تھی۔ اگر یہ دشمنیاں ہم کو اپنے ہی گھر میں مصروف نہ رکھتیں تو یہ دُنیا اسلامی سلطنت کے سوا
کوئی دوسرا نام سُننے کے لائق باقی نہ رہتی۔ مگر ایسے خوابوں کا وقت گذر گیا ہے۔ ہم اپنی
امن بخش موجودہ سلطنت کے تحت میں اپنی زندگی کے اعلےٰ اغراض پورے کرکے اپنے بہت سے
نقصانوں کی تلافی کرلینے کے لائق ہیں +

آؤ اتفاق کریں محبت اور اخوت کے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑ کر اپنے اسلام کا ثبوت دیں
اور زمانہ جو کچھ ہم سے چاہتا ہے وہ کریں اور اسلام کی مبارک نسلیں کہلانے کے مستحق ہوں +

بزرگان دین کے حق میں بُرے اور ناشائستہ الفاظ کا استعمال کرنا اُن کو کوئی نقصان
نہیں پہنچاتا۔ تمام تر نقصان ہمیں کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ انسان کے دل میں اس سے بدی
اور بدطینتی اور بداخلاقی پیدا ہوتی ہے جو اسلام کے مقصد اعلےٰ کے برخلاف ہے۔ اور
اس کی بُرائی کا بجائے خود یہی ایک ثبوت ہے۔ بلاشبہ آل رسول اللہ صلعم کی محبت اور
اور ہمدردی کا کام ہے۔ اور دل کو پاک اور مضبوط کرتا ہے مگر بزرگان دین کے حق میں بُرے
اور ناشائستہ الفاظ استعمال کرنے سے وہ تمام نیکی برباد ہوجاتی ہے۔ اور بُرائی حاصل ہوتی
ہے انہیں بزرگان دین کے اخلاق اور اطوار کو ہمیں اپنا شعار بنانا چاہئے۔ اور آج وہ
زمانہ آگیا ہے کہ دھوکا دینے والے پردے درمیان سے اُٹھ جائیں ہم اپنی غلطیوں پر نادم
ہوں اور بزرگان دین کے نام کی جو عزت اور تعظیم و تکریم ہم کو کرنی واجب ہے وہ کریں +

مجھ کو دیباچہ کے آخر میں اپنی استعداد اور مقدور سے بڑھ کر ایک ایسا بزرگ کام جیسا کہ
حضرت عمر کے حالات کا لکھنا ہے اختیار کرنے کی نسبت چند الفاظ کہنے ہونگے۔ اصل یہ ہے
کہ میں نے کوئی خواہش اور ارادہ نہیں کیا اور کسی طرح ایسا ارادہ کرنا واجب نہیں تھا جبکہ
ہمارے اس زمانہ کے اسلامی مورخ مولوی محمد شبلی صاحب نعمانی اس کے کرنے کا وعدہ اور
اعلان کر چکے تھے۔ مگر بعض واقعات نے مجھے اس کام کی طرف کھینچا۔ کئی برس سے ایک
قلمی مسودہ حضرت عمر کے حالات پر ترتیب دینے اور شائع کرنے کے واسطے فرمائشاً میرے پاس
تھا۔ اس کی صحت کے خیال نے مجھے اس مضمون پر زیادہ حالات پڑھنے کی طرف مائل
کیا۔ اور اس وقت وہ مسودہ مجھ کو حضرت عمر کے بزرگ اور عظیم الشان حالات کے روبرو ہیچ سا
معلوم ہؤا۔ اور ان کے دلچسپ حالات اور اس عظیم نفع کے خیال سے جو ہر ایک مسلمان ایک
بادشاہ سے لے کر عامی تک حضرت عمر کے حالات کے مطالعہ سے حاصل کر سکتا ہے میں اپنے
چند روزہ مطالعہ کے نتیجہ کو جمع کرنے اور شائع کر دینے کی طرف مائل ہؤا کیونکہ میں یقین
کرتا ہوں۔ کہ ہماری اردو زبان میں جس کو چھ کروڑ مسلمان ہندوستان میں بولتے ہیں
ایک ہی مضمون پر ایک سے زیادہ کتابیں موجود ہونے میں کوئی نقصان نہیں ہے +

لیکن میری کتاب سے یہ امید کرنا غلطی ہوگی کہ جناب مولوی محمد شبلی صاحب کی کتاب
الفاروق کی ضرورت کو اس نے رفع کر دیا ہو۔ یہ کتاب زیادہ تر سہل الحصول ماخذوں سے
تالیف کی گئی ہے۔ اور عالمانہ تحقیقات اور تدقیقات کی صرف مولوی صاحب کے علم و فضل
سے ہی توقع کی جا سکتی ہے۔ اور مجھ کو امید ہے کہ یہ کتاب بوجہ اُن اعلےٰ امیدوں کے جو
مولوی صاحب کی کتاب سے ہیں اس کے اشتیاق کو زیادہ کرنے کا باعث ہوگی +

اگرچہ میں نے یہ بات کہی ہے کہ میری کتاب سہل الحصول ماخذوں سے تالیف
کی گئی ہے۔ لیکن بایں ہمہ میں نے ضعیف روایات اور غیر معتبر تاریخوں کو وہی وقعت دی
ہے جس کی کہ وہ لائق تھیں۔ اور میں نے اُن کی طرف مطلق کچھ التفات نہیں کیا +

سب سے زیادہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کی قابل قدر اور بیش بہا کتاب ازالۃ الخفاء عن
خلافۃ الخلفاء اور سر ولیم میور صاحب کی انگریزی تاریخوں کا جو انہوں نے خلافت پر لکھی ہیں

مشکور ہوں۔ مولوی محمد شبلی صاحب کی کتاب الفاروق جو اطمینان اس مضمون کی طرف سے دلا چکی ہے۔ اور دلاتی ہے۔ اس نے مجھے اس سے زیادہ محنت اور تجسس اور تلاش کرنے سے جس قدر کہ میں نے اپنی استعداد کے موافق کی ہے بے پروا کر دیا ہے۔ ورنہ ممکن تھا کہ میں اپنی ناچیز محنت اور سعی اور اس کے نتائج کو بڑھاتا۔ گو ہر ایک شخص کو جو حضرت عمرؓ کے حالات جمع کرنا اور لکھنا چاہیگا۔ آخرکار شاہ ولی اللہ صاحب کی طرح یہی شعر پڑھ دینا پڑیگا:۔

وعلی تفنن واصفیہ بوصفہ
یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف

یعنی

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

ایسے حالات اور مباحثوں اور مذہبی مسائل اور متنازعہ اور تکرار کی باتوں کو جن کا ذکر میں اپنے سب سے بڑے مقصد کے لحاظ سے نامناسب سمجھتا تھا میں نے ترک کر دیا ہے میں اپنے ناظرین سے یہ امید کرنے کے بعد دیباچہ کو ختم کرتا ہوں کہ وہ میری استعداد کا خیال کر کے جو بہت تھوڑی ہے۔ اور اس بات کو معلوم کر کے کہ ان پانچ چھ مہینوں میں جس عرصہ میں میں نے اس کتاب کے متعلق تمام کام کئے اور کرائے ہیں بہت کم وقت اطمینان اور فراغت کا مجھے ملا ہے۔ میری غلطیوں کے ساتھ سختی سے سلوک نہ کرینگے:۔

خاکسار سراج الدین احمد

نام و نسب۔ ولادت۔ بچپن۔ سن رشد۔ عرب جاہلیت

عمرؓ نام۔ ابوحفص کنیت۔ فاروق خطاب۔ امیر المومنین لقب۔ القرشی العدوی نسب۔ شجرۂ نسب کے بارے میں مورخین میں کسی قدر اختلاف ہے۔ تاریخ الخلفا سیوطی میں شجرہ نسب عمر ابن خطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن رباح بن قرط بن زراج بن عدی بن کعب بن لوی ہے اور طبری میں عمر ابن خطاب ابن نفیل بن عبدالعزی بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن عدی بن کعب بن لوی ہے۔ بہرصورت حضرت عمرؓ کا شجرۂ نسب آٹھویں پشت میں یعنی کعب بن لوی پر آنحضرت صلعم سے مل جاتا ہے۔ پس آپ اشراف قریش میں سے تھے۔ والد آپ کے مشہور اور عمدہ متکلم اور اپنی قوم اور قبیلہ کے امیر اور سردار+ تھے۔ آپ کی ماں ختمہ بنت ہشام ابن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم تھی +

حضرت عمرؓ کے نام کے بارے میں ایک دلچسپ روایت استیعاب میں ہے کہ ایک دن آپ مسجد سے نکلے۔ جارود آپ کا غلام ساتھ تھا۔ سامنے سے ایک عورت (خولہ بنت حکیم) آگئی۔ جس کو آپ نے سلام علیک کہا اُس نے جواب دے کر کہا کہ اے عمرؓ کچھ اور کہوں میں تجھے پہچانتی ہوں۔ تیرا نام عکاظ کے بازار میں عمیرہ تھا۔ اور تھوڑے دنوں بعد تجھے عمر کہنے لگے اور اب بہت عرصہ نہیں ہوا کہ تو امیر المومنین کہلانے لگا++۔ اِس نام کی تبدیلی کی بہ ظاہر کوئی وجہ

+ لیف اوف محمد مولفہ سرولیم میور۔

++ ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا مولفہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی +

نہیں معلوم ہوتی۔ ممکن ہے کہ بچپن میں یا ایام جاہلیت میں لوگ آپ کو عمیر کے نام سے
پکارتے ہوں گو نام آپ کا عمرؓ ہی ہو۔

نووی کے قول کے مطابق حضرت عمرؓ عام فیل سے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی
ولادت کا سال ہے تیرہ برس بعد پیدا ہوئے۔ اور ذہبی کی روایت کے حساب سے آپ
عام فیل سے انیس برس بعد پیدا ہوئے۔ یہ اختلاف چھ برس کا آپ کی نسبت آخر تک پایا جاتا
ہے جیسے کہ طبری لکھتا ہے کہ بعضوں نے اُن کی عمر ستاون سال کی، اور بعضوں نے تریسٹھ سال
کی لکھی ہے۔ مگر ذہبی کی روایت زیادہ قابل اعتبار ہے۔

اگر ہر ایک شخص کو جو اِسی قسم کا کام اختیار کرے جیسا کہ میرے ہاتھ میں ہے زمانہ
جاہلیت کے حالات نہ ملنے کے ساتھ مجبوراً رضامند ہونا پڑے تو مجھ کو تو اپنی بے بضاعتی کی
وجہ سے سب سے پہلے اپنی عاجزی کا اعتراف کرنا چاہئے۔ افسوس ہے کہ حضرت عمرؓ کے بچپن
کے زمانہ کے حالات بھی ایسی ہی تاریکی میں ہیں۔ اور مشکل سے آج کوئی وسیلہ اُن کے تلاش
اور معلوم کرنے کا دستیاب ہو سکتا ہے۔ عرب کی عجیب وغریب شاعری اگر اُن حالات کے
زندہ رکھنے کا جو آج دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اور اُن کے تاریخی اور سوشل حالات اُس سے
اخذ کئے گئے ہیں ایک ذریعہ نہ بنتی تو طریقہ تحریر کے موجود نہ ہونے اور حالات کو قلمبند
نہ کرنے کی عادت نے اُن کی قدیم تاریخ کے علم کا خاتمہ ہی کر دیا تھا۔ اگرچہ غیر اقوام کی
تحریروں اور قدیم کتب مذہبی سے بھی عرب کے پرانے حالات جمع کرنے میں مدد ملتی
ہے مگر سب سے بڑا منبع اُن کی وہ شاعری ہی ہے جس کے وہ اِس قدر دل دادہ تھے۔

مگر حضرت عمرؓ کے بچپن اور عموماً زمانہ جاہلیت کے حالات نہ لکھنے اور نہ بیان کرنے
کی نسبت تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان مورخوں اور راویوں نے دانستہ چشم پوشی کی ہے۔
اُن کے زمانہ جاہلیت کے حالات لکھنا یعنی جب تک کہ وہ اسلام نہیں لائے تھے اُنکی
شان کے خلاف اور بے ادبی سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مسلمان
مورخوں نے اُن کے زمانہ جاہلیت کے ساتھ ایک غیر ضروری رعایت کرنے کی کوشش کی

* تاریخ الخلفا سیوطی۔ ** طبری فارسی نسخہ مطبوعہ لکھنؤ۔

ہے۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ دانستہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کفر کے حالات نہیں لکھے گئے
بہرحال ایسی ناکامی کے ساتھ رضامند ہونا سب سے آخری چارہ ہے۔

اگر پھل سے ایک درخت کی اور پیڑ سے پودے کی حالت کا ہم کچھ اندازہ کرسکتے ہیں تو ایک سادہ اور سنجیدہ مزاج شخص کے زمانہ بچپن کے حالات سے کسی غیر معمولی دلچسپی اور تبدیلی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ حضرت عمرؓ کے بچپن کے زمانے کا بڑا حصہ جاہلیت کے ایک سادہ زندگی بسر کرنے والے کنبہ کے اس قسم کے کاموں میں مصروف رہنے میں گذرا ہے جس کی ایک مثال وہ خود ایک دفعہ ضجنان کے جنگل میں سے گذرتے ہوئے جو مکہ کے قریب ہے بیان کرتے ہیں۔ کہ "میں اس جنگل میں خطاب (اپنے باپ) کے اونٹ چرایا کرتا تھا اُن کا مزاج بہت سخت تھا۔ اُس کی طبیعت کے خلاف اگر میں کوئی کام کرتا تھا تو میرے پیچھے پڑجاتا تھا اور اگر میں قصور کرتا تھا تو مجھے مارتا تھا"[1]۔
اس سے حضرت عمرؓ کے باپ کی طبیعت کا ایک خاصہ بھی معلوم ہوتا ہے اور حضرت عمرؓ کی طفولیت کا زمانہ جس قسم کے کاموں میں گذرا اُس کی بھی ایک مثال ہے۔

سن رشد بھی حضرت عمرؓ کا جاہلیت کے انہیں گم شدہ حالات میں پوشیدہ ہے مورخین اُن کے اس تمام زمانے کے حالات کو جو اسلام لانے سے پہلے کے ہیں ایک جملہ میں ختم کردیتے ہیں۔ کہ "حضرت عمر قبل از اسلام قریش میں ایک بڑا رتبہ اور وجاہت رکھتے تھے اشراف قریش میں سے تھے۔ اور جاہلیت میں سفارت کا کام کرتے تھے قریش میں جب کوئی باہمی لڑائی یا کسی دوسرے قبیلہ کے ساتھ جنگ ہوتا تھا تو اُن کو سفیر کرکے بھیجتے تھے۔ گاہ گاہ ثالث مقرر ہوتے تھے۔ اگر کسی کی تذلیل اور توہین اور خفت کرنے اور عیوب اور برائیاں بیان کرنے یا اپنے آبا و اجداد کی بزرگیاں اور اپنے حسب و نسب کی فخریہ بڑائیاں بیان کرنے کی ضرورت ہوتی تو ایسے موقع پر قریش کی طرف سے حضرت عمرؓ منتخب کئے جاتے تھے"[2]۔ ان پچھلے الفاظ کے مطلب کی شاید کچھ تشریح کرنے کی ضرورت ہو۔ یہ جاہلیت کی ایک خاص رسم کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ منافرت اور مفاخرت یعنی دوسرے قبیلوں کی بزدلی اور عیوب اور اپنی بہادری

[1] [2] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء و تاریخ الخلفا سیوطی

اور اوصاف اور حسب نسب کی بڑائیاں بیان کرنا جاہلیت کی ایک عام رسم تھی شاعروں کو
اپنی طباعی اور ذہانت اور جودتِ طبع ظاہر کرنے کا ایک بڑا موقع ہوتا تھا وہ برجستہ اور
برمحل اشعار تصنیف کرکے پڑھتے تھے۔ بعض اوقات وہ ان منافرت اور مفاخرت
کے معرکوں میں حد سے گزر جاتے تھے۔ مثلاً بنی عبد مناف اور بنی قصی اور بنی سہم
کے درمیان یہانتک نوبت پہنچی کہ اپنی فضیلت اور کثرت کے فخر کو ثابت کرنے کیواسطے
قبریں کھود کر اپنے مقتولین کا شمار کیا جس پر سورۂ "الھکم التکاثر حتی زرتم المقابر"
نازل ہوئی ہے۔ زیادہ تر رواج اشعار میں منافرت اور مفاخرت کہنے کا تھا مثلاً حارث بن
ہمام ابن زبابہ کو کہتا ہے کہ

ترجمہ	اشعار
اے زبابہ کے بیٹے اگر تو مجھ سے ملے۔	ایا ابن زیابة ان تلقنی
تو میں تجھ سے اونٹوں میں جو اپنے مالکوں سے دور ہوں نہیں ملونگا یعنی میں شتر چرانے والا نہیں ہوں اور گھوڑوں اور سواروں میں ملونگا۔	لا تلقنی فی النعم العازب
اور تو مجھ کو ایسے وقت میں ملیگا۔	وتلقنی یشتد بی اجرد
کہ گھوڑا مثل اپنے سوار کے بلند و فراخ سینہ مجھے تیز لئے جاتا ہو۔	مستقدم البرکة کالراکب

ابن زبابہ اس کا جواب دیتا ہے

ترجمہ	اشعار
مطلب شعر کا یہ ہے کہ زبابہ کو اس بات کا بڑا افسوس	یا لهف زیابة للحارث
ہے کہ حارث صبح کو لوٹ کر سلامت چلا گیا۔	الصابح فالغانم فالآئب
بخدا اگر میں اس سے تنہا ملتا۔	واللہ لو لاقیته خالیا
تو بیشک ہم دونو کی تلواریں غالب کے ساتھ جاتیں یعنی اس کی تلوار چھین لیتا۔	لآب سیفانا مع الغالب
میں زبابہ کا بیٹا ہوں اگر تو مجھ کو لڑائی کے واسطے	انا ابن زیابة ان تدعنی

آتاك و الظن على الكاذب

بلاؤنگا تو میں تیرے پاس آؤنگا اور تردد کا انجام جھوٹے کے حق میں برا ہوتا ہے۔

ایک دوسرا شاعر مفاخرت کے طور پر کہتا ہے کہ

رويدا بني شيبان بعض وعيدكم
اے بنی شیبان اپنی دھمکیاں کسی قدر کم کرو۔

تلاقوا غدا خيلي على سفوان
کیوں اب سفوان پر کل تم سے میرے گھوڑوں کی مٹھبھیڑ ہوگی

عليها الكماة الغر من آل مازن
ان گھوڑوں پر مشہور نامی بہادر لوگ آل مازن کے

ليوث طعان عند كل طعان
سوار ہونگے جو ہر قسم کی نیزہ بازی میں مثل شیروں کے حملہ آور ہیں۔

تلاقوهم فتعرفوا كيف صبرهم
ان سے ملو گے تو جانو گے کہ یہ لوگ حوادث

على ما جنت فيهم يد الحدثان
اور مصائب دہر پر کیسا صبر کر سکتے ہیں۔

مقاديم وصالون في الروع خطوهم
وہ لوگ لڑائی میں سب سے آگے رہنے والے ہیں اور

بكل رقيق الشفرتين يماني
خوف کی جگہ میں اپنے قدم ہر دو دھاری یمانی تلوار سے ملا دینے والے ہیں۔

اذا استنجدوا لم يسألوا من دعاهم
لاية حرب ام باي مكان
جب ان سے کوئی مدد مانگتا ہے تو مدد خواہ سے نہیں پوچھتے کہ کس لڑائی کے لئے مدد مانگتا ہے اور ہم کو کہاں لے جاویگا یعنی نہایت بے دھڑک ہیں۔

غرض اس طرح کی منافرت اور مفاخرت کا عرب میں اس وقت عام رواج تھا۔ اور حضرت عمر قریش کی طرف سے اس کام کے واسطے منتخب کئے جاتے تھے لیکن ہم اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ مشکل سے نکال سکتے ہیں۔ کہ حضرت عمر شاعر تھے یا خواندہ اور تعلیم پائے ہوئے تھے۔ کیونکہ منافرت اور مفاخرت مقفے اور مسجع اور معمولی نثر میں بھی کی جاتی تھی اور بڑے بڑے مشہور شاعر بھی ناخواندہ اور ان پڑھ تھے۔ مثلاً طرفہ جو جاہلیت کا ایک مشہور اور ممتاز شاعر ہے ناخواندہ تھا مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کام کو انجام دینے کیواسطے حضرت عمر کی لیاقت اور دلیری اور وقار کے لوگ قائل تھے۔ اور اسی طرح سفیر ہمیشہ بنتے

واسطے جو خاص اوصاف درکار ہیں وہ بھی حضرت عمرؓ میں موجود تھے۔ حضرت عمرؓ لکھ پڑھ سکتے تھے یہ امر بخوبی ثابت ہے۔ اور شعر بھی کہتے تھے +

حضرت عمرؓ کے حالات جاہلیت کی نسبت اب سوا اس کے کچھ کہنے کو نہیں رہا کہ ہم ایک نظر اس سادہ مزاج۔ سادہ معاش۔ خودپسند اور خودسر قوم پر ڈالیں جس میں اُنہوں نے ستائیس برس کی عمر تک پرورش پائی تھی۔ اور جن کے عادات اور خیالات کے حصہ دار ہونے میں وہ کسی سے کم نہیں تھے۔ اور جو کہ عنقریب خداوند تعالےٰ کی سب سے بڑی نعمت سے بہرہ یاب ہونے والے تھے +

یہ وہ عجوبہ روزگار قوم تھی جو ہمیشہ آزاد اور اپنی آزادی پر فخر و ناز کرنے والی رہی ہے کسی غیر قوم کی اطاعت کا جوا اُس نے اپنے کندھوں پر نہیں اُٹھایا اور کوئی غیر قوم اُن پر فرمانروا نہیں ہوئی تھی۔ کوئی خاص قوم یا خاص شہر گو کسی تاتاری ظالم (جبابرہ سدیہ) یا رومی حاکم کے سامنے چندروزہ عارضی طور پر جھک گیا ہو ورنہ عرب کی کل قوموں نے بڑے بڑے صاحب جلال اور باشان و شکوہ بادشاہوں کے غاشیہ اطاعت کو کندھے پر نہ آنے دیا۔ ہزاروں برس آزاد رہے۔ فراعنہ مصر اور شاہان شام کی سعی اس کی فتح میں بے حاصل رہی۔ کیخسرو ایرانی اور اسکندر یونانی سے بچا رہا۔ روم کی سلطنت کا علم ساری دُنیا میں بلند ہوا مگر یہ سرزمین محفوظ رہی۔ ٹارمس۔ پومپی۔ ٹریجن وغیرہ کی فوجیں سر پٹک کر بیٹھ رہیں۔ مگر ملک عرب کو زیر نہ کر سکیں +

بدو عرب کی معاشرت ایک چرواہے کے طریقہ معاشرت سے کچھ زیادہ نہ تھی خیمہ اور چراگاہ صرف یہی دو چیزیں اُس کو اپنے اور اپنے دُنبوں اور بکریوں کے رہنے کے واسطے درکار تھیں۔ البتہ شہروں اور قصبوں میں رہنے والے کسی قدر مہذب زندگانی کے فوائد سے متمتع ہوتے تھے اُن کا وقت کاشتکاری میں کھجوروں اور درختوں کے بونے میں جن کے پھلوں سے اوقات بسری ہو اور مختلف انواع کی دستکاری اور مختلف اشیاء کی تجارت اور سوداگری میں صرف ہوتا تھا +

مہمان نوازی۔ ہمسایہ کی خبرگیری اور پناہ گیر کی حفاظت قیدیوں کا چھوڑانا محتاج اور بےکس کی مدد کرنا جس کی طرف کھڑے ہوگئے اُس کا ساتھ دینا۔ وعدوں کا پورا کرنا۔ ان عادات کی بہت تعریف کی جاتی تھی۔ اور افضل اور قابل ستائش سمجھے جاتے تھے اور ان پر فخر بھی کرتے تھے۔ مگر خاص فخر کی چیزیں حسب نسب کی بڑائی۔ جنگجوئی۔ بہادری۔ اپنے قبیلہ کے مقتول کا انتقام لینا۔ گھوڑے کی سواری میں مشاق اور ہوشیار ہونا۔ اور اس قسم کی چیزیں تھیں۔ مثلاً ایک شاعر (سموئل) کے فخریہ شعروں میں سے چند یہ ہیں:۔

تعیرنا انا قلیل عدیدنا — وہ طعن کرتا ہے کہ ہماری تعداد تھوڑی ہے۔
فقلت لها ان الکرام قلیل — میں نے اُس کو جواب دیا کہ ہاں اہل کرم تھوڑے ہوتے ہیں
وما ضرنا انا قلیل وجارنا — اور ہم کو اس نے ضرر نہیں دیا کہ ہم تھوڑے ہیں جبکہ ہمارا
عزیز وجار الاکثرین ذلیل — ہمسایہ صاحب عزت ہے حالانکہ ہمسایہ اکثروں کا ذلیل ہوتا ہے
لنا جبل یحتله من نجیره — ہمارا ایک پہاڑ ہے اس میں وہی داخل ہوتا ہے جس کو ہم پناہ
منیف یرد الطرف وهو کلیل — دیتے ہیں۔ بہت استوار ہے نظر کو خیرہ کرکے ہٹا دیتا ہے
وانا لقوم ما نری القتل سبة — اور ہم بیشک ایسی قوم ہیں کہ ہم قتل کو گالی نہیں سمجھتے
اذا ما راته عامر وسلول — جب اس کو عامر اور سلول نے عار سمجھا۔
یقرب حب الموت آجالنا لنا — ہمارا موت کو محبوب رکھنا ہماری عمریں نزدیک کردیتا ہے
وتکرهه آجالهم فتطول — اور اُن کی عمریں اس موت کو مکروہ جانتی ہیں اور دراز ہوتی ہیں
وما مات منا سید حتف انفه — اور ہم میں سے کوئی سرداریوں ہی (یعنی بے قتل ہوئے)
ولا طل منا حیث کان قتیل — نہیں مرا اور نہ ہم میں سے کوئی مقتول کہیں ہو باطل ہوگیا ہے (یعنی ہم اس کا انتقام لیتے ہیں)۔
تسیل علی حد الظباة نفوسنا — ہماری روحیں یا خون تلوار کی دھاروں پر رواں ہوتی ہیں
ولیست علی غیر الظباة تسیل — اور تلواروں کے سوا اور پر رواں نہیں ہوتیں۔
صفونا فلم نکدر واخلص سرنا — ہم نسب میں صاف ہیں پس ہم میں کچھ کدورت نہیں ہے

نسالہا سال باہم لڑتے رہنے کے واسطے کافی تھی مثلاً حرب بسوس جو بنی بکر اور بنی تغلب کے درمیان ہوئی اس کا سبب یہ تھا کہ کلیب ایک بڑا مشہور امیر عرب تھا اُس نے حکم دے رکھا تھا کہ میری چراگاہ میں کوئی اونٹ چرنے نہ پائے۔ ایک شخص قوم جرم کا حساس کی پھوپھی بساس نامی کے پاس اُترا تھا اُن کے ناقہ کا نام سراب تھا وہ چرتی ہوئی کلیب کی چراگاہ میں چلی گئی۔ کلیب نے اس پر تیر چلائے اور پھر اُس کے تھن کاٹ لئے۔ یہ اونٹنی لہولہان بڑبڑاتی ہوئی اپنے مالک کے پاس آئی۔ بسوس کو دیکھ کر بہت رنج ہوا کہ اُس کے مہمان کو تکلیف پہنچی جساس نے جو اپنی پھوپھی کو غمگین پایا۔ اور ماجرا سُنا تو تمام قوم کو جمع کر کے کلیب کو جا گھیرا اور احاطہ میں پھرتے ہوئے پا کر حساس نے اس کو ایک ایسا نیزہ مارا کہ وہ مر گیا۔ یہ جنگ کی آگ پچاس برس تک بھڑکی رہی جس کے شراروں میں ستر ہزار جانیں خاکستر ہو گئیں +

اسی طرح جنگ داحس کی کیفیت یہ ہے کہ عرب کے ایک امیر قیس کے پاس دو گھوڑے داحس اور غبراء نامی تھے۔ حذیفہ بن بدر کے گھوڑوں کے ساتھ دوڑ ہوئی دو سو چھڑوں کی شرط بدی گئی۔ مگر دوڑ کے نتیجہ پر باہم تکرار ہو گیا اور لڑائی چھڑ گئی چالیس برس تک خونریزی کا ہنگامہ برپا رہا قبیلہ کے قبیلہ کٹ گئے۔ اور ہزارہا جانیں اُس ناچیز سے جھگڑے کی نذر ہو گئیں +

اونٹ اور گھوڑا اُن کے دو وفادار اور خدمتگار تھے۔ اور وہ بھی اُن کے پورے قدردان اور عاشق زار تھے۔ اونٹ کا دودھ۔ دہی۔ گوشت۔ پشم۔ چمڑا۔ مینگنیاں پیشاب۔ ہر چیز اُن کے کام آتی تھی۔ پس یہ ریگستان کا جہاز صرف ریگستانی دشوار گذار راستوں ہی کام نہیں دیتا تھا بلکہ اُن کے اسباب معیشت کا ایک بہت بڑا جزو تھا +

گھوڑے کی نسبت علم حیوانات کے عالم یہ رائے دیتے ہیں کہ وہ عرب کی پیدائش ہے وہیں کی آب و ہوا اس شریف اور نجیب جانور کے لئے موزوں ہے گو اُس کے قد و قامت کو وہ چنداں بلند نہیں کرتی۔ مگر تیزی اور پھرتی و چالاکی اور شتاب روی وہ پیدا کرتی ہے کہ جس کا دنیا میں جواب نہیں شریف و نجیب گھوڑوں کی نسل کا باقی رکھنا عرب کا

ایمان تھا۔ اور جگہ انسان اپنی شرافت کو ایسا یاد نہیں رکھتا جیسا عرب اِن گھوڑوں کی نسل کی نجابت کو یاد رکھتا تھا۔ نر کو فروخت کر دے مگر مادہ کو جان کے برابر رکھتا اور جدا نہیں کرتا تھا۔ جب کوئی نجیب گھوڑی بچھیرا دیتی تو اُس کی خوشی ایک بڑی شادی کی تقریب سے کم نہ ہوتی۔ اولاد کی مانند اُن سے محبت کرتے اور اولاد ہی کی طرح اُس کی تعلیم و تربیت کرتے تھے اور اس سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اُن کی تیزی اور دوڑ ہزاروں جانیں بچا دیتی تھی۔ عرب اسی کے بھروسے پر اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتا تھا اور وہ اُس کے اعتبار کو دھوکا نہیں دیتا تھا اور ہوا کی طرح لے کر اُڑ جاتا تھا۔ اگر سوار پیچھے گر جاتا تو وہ اُس کی مصیبت کا دوست اُس کے سنبھل کر پھر سوار ہونے تک اُس کے پاس کھڑا رہتا۔

شعر و شاعری نے حیرت انگیز ترقی کی تھی۔ عرب شعر اور شاعری کا دلدادہ تھا۔ کسی قوم میں اگر کوئی ہونہار شاعر پیدا ہوتا تھا تو مرد اور عورتیں سب مل کر خوشی کرتے اور شادیانے بجاتے تھے۔ اپنے لائق شاعروں پر بھی فخر کیا جاتا تھا۔ عکاظ کے بازار کے مشاعرے اور معلقے مشہور ہیں۔ اپنے اشعار میں وہ شجاعت۔ دل کی اُمنگیں۔ خونریزی۔ شرافت نسب۔ رفاقت۔ یا وفا۔ سخاوت۔ فرحت مقام۔ دریا کی روانی۔ جنگلوں کی۔ پہاڑوں کی وحشتناکی۔ جنگلوں کی سرسبزی۔ حیوانات کی خوبی۔ اونٹ گھوڑوں کی تعریف۔ عشق۔ معشوق کی تعریف۔ ہجر کی آہ۔ وصل کی مسرت اور اس قسم کے مضامین ادا کرتے تھے۔ فصاحت۔ بلاغت۔ لطافت۔ ظرافت بھی فضیلت کے دائرے کی تکمیل کے لئے ضروری تھی۔ ایک فصیح متکلم اور مقرر کو خطیب کا خطاب ملتا تھا۔

بعض خوبیوں کے ساتھ عرب جاہلیت میں نہایت بداخلاقی اور فحش پھیلا ہوا تھا۔ قصاید کے شروع میں جو تشبیب کے اشعار ہوتے تھے اُن میں دولتمند امیروں کی لڑکیوں اور عورتوں اور بہنوں کا نام لے کر بیان کرتے تھے۔ اور ہر طرح کے عیبوں کو علانیہ اُن کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ ہر شاعر کے اختیار میں ایک جن رہتا ہے اور جس قدر بڑا شاعر ہوتا ہے اسی قدر زبردست جن اُس کے زیر حکم ہوتا ہے۔

بدکاری اور زناکاری سے نادم نہیں ہوتے تھے اور ہر طرح کی غیر مہذب نظم میں ازراہ بے تہذیبی اُس کو مشتہر کرتے اور اس پر فخر کرتے تھے +

سب لوگ شراب اور نہایت قوی نشی عرقوں کے پینے سے بدرجہ غایت اُنس رکھتے تھے۔ اور بدہوشی کی حالت میں تمام لوگوں سے خراب اور معیوب باتیں سرزد ہوتی تھیں +

قماربازی سب لوگوں کو بلا استثنا ایک ہر دلعزیز کھیل تھا۔ اور کوئی خاص مقام قماربازی کا مشہور ہوتا تھا۔ تو لوگ دور دراز مسافت طے کر کے وہاں جوا کھیلنے کو جایا کرتے تھے

سود خواری بھی عام طور سے نہایت درجہ مروج تھی +

لونڈیوں کو جو قینات کہلاتی تھیں گانا بجانا اور ناچنا سکھایا جاتا تھا۔ اور وہ حرامکاری کرنے کی مجاز تھیں۔ اس حرام کاری کی آمدنی اُن کے آقا اپنے تصرف میں لاتے تھے

رہزنی اور غارتگری اور قتل روزمرہ کی باتیں تھیں۔ انسانوں کا خون بلاخوف و تاسف ہر روز ہوا کرتا تھا۔ لڑائی میں جو عورتیں قید ہوتی تھیں اُن کو فتحمند لونڈیاں بنا لیتے تھے +

ٹوٹکوں اور شگون لینے میں اُن کا نہایت مضبوط اعتقاد تھا۔ جب کوئی مصیبت اُن پر نازل ہوتی تھی۔ تو پتھر کی چھوٹی کنکریوں پر کچھ پڑھ پڑھ کر پھونکتے تھے اور اُن کو دفع مصیبت کی غرض سے پھینکتے تھے۔ جانوروں کے اُڑنے اور بولنے سے نیک اور بدشگون لیا کرتے تھے +

خون کے انتقام میں دیت لینا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ اگر کسی آدمی کے خون کا عوض دشمن سے نہ لیا جائے تو ایک چھوٹا پردار کیڑا مقتول کے سر میں سے نکل کر آسمان میں چیختا پھرتا ہے۔ اس عجیب کیڑے کو "ہامہ" اور "صدیٰ" کہتے تھے +

ہر شخص کے مرنے کے بعد دستور تھا کہ اُس کے اونٹ کو اُس کی قبر سے باندھ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ بھوک اور پیاس کے مارے وہ مر جاتا تھا۔ اور اس اونٹ کو "بلیہ" کہتے تھے۔ کسی کے مرنے پر برس روز تک سوگ کرتے اور اُس کو رویا کرتے تھے +

لڑائی میں عورتیں مردوں کے ہمراہ ہوتی تھیں۔ اور ہر طرح اُن کی مدد کرتی تھیں +

گوشت کھانے کی ممانعت تھی اور صرف مرد ہی اُس کا گوشت کھا سکتے تھے۔ اگر کسی بکری کے مادہ بچہ ہوتا تھا تو مالک اُس کو اپنے لئے رہنے دیتا تھا۔ اور اگر نر پیدا ہوتا تھا۔ تو بتوں پر بطور نذر کے چڑھایا جاتا تھا۔ اور اگر دو بچے ایک نر اور ایک مادہ پیدا ہوتے تھے تو مالک دونو کو اپنے لئے رکھتا تھا اور وہ "وصیلہ" کہلاتے تھے۔ جو اونٹ دس بچوں کا باپ ہو چکتا تھا وہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اور جہاں وہ چاہتا تھا پھرا کرتا تھا اور وہ بنام "حامی" موسوم ہوتا تھا۔

قسم لینے کا نہایت سنجیدہ قاعدہ یہ تھا کہ آگ جلا کر اُس میں نمک اور گندھک بس کر ڈالتے تھے۔ یہ آگ "ہولہ" کہلاتی تھی اور اُس کے جلانے والا "مہول" کہلاتا۔ قسم کے مستحکم کرنے کا یہ بھی طریقہ تھا۔ کہ میزاب خانہ کعبہ کے نیچے چابک کمان اور جوتی رکھ دیتے تھے اور اس طرح کرنے سے قسم پختہ ہو جاتی تھی۔ اقرار اور وعدہ کے مستحکم کرنے کو اپنے بزرگوں اور بتوں کی قسم کھاتے تھے۔

ہر شخص گو وہ اجنبی ہو دوسرے شخص کے گھر میں بلا طلب اجازت چلے آنے کا مجاز تھا۔ کسی رشتہ دار کے گھر کھانا کھانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

خانہ کعبہ میں سات تیر رکھے ہوئے تھے۔ اور ہر تیر پر ایک علامت بنی ہوئی تھی بعضوں پر کام کرنے کے حکم دینے کی اور بعضوں پر اُس سے منع کرنے کی علامت تھی۔ ہر شخص پیشتر اس سے کہ کوئی کام کرے اُن تیروں سے استخارہ کرتا تھا۔ اور اُسی کے بموجب کام کرتا تھا۔ ان تیروں کو "ازلام" کہتے تھے۔

تمام عرب جاہلیت کا شیوہ بت پرستی تھا۔ مختلف قبائل کے مختلف بت تھے جن کے نام اور شکلیں جُدا جُدا تھیں۔ مثلاً ھبل ایک بہت بڑا بت آدمی کی شکل کا جو شام سے لایا گیا تھا۔ اور مینہ برسانے والا یقین کیا جاتا تھا خانہ کعبہ کے اوپر رکھا ہوا تھا۔ وہ قبیلۂ بنی کلب کا بت تھا۔ سواع جو عورت کی شکل کا بت قبیلہ بنی مذحج کا تھا۔ یغوث قبیلۂ بنی مراد کا شیر کی شکل کا بت تھا۔ علیٰ ہذا القیاس یعوق۔ نسر۔ عزے۔ لات۔ منات۔ دوسلیہ (نوجوان عورتوں کا بت جو اُس کا طواف کرتی تھیں) اساف۔ نائلہ۔ عبب مختلف

بت تھے۔ کعبہ میں حضرت ابراہیمؑ کی مورت بنی ہوئی تھی جس کے ہاتھ میں استخارہ کے تیر تھے۔ حضرت مریمؑ کی بھی ایک مورت تھی جس کی گود میں حضرت عیسےٰ تھے۔ ان بت پرست باشندوں کے درمیان ایک فرقہ صابئی مذہب کا تھا جو ثوابت اور سیاروں کی پرستش کرتا تھا+

عورتیں نہایت خراب اور ذلیل حالت میں تھیں۔ مردوں کو جس قدر چاہیں عورتیں کرنے کا اختیار تھا۔ طلاق دے کر پھر عورت کو اپنی زوجیت میں لے آنے کا اختیار تھا۔ سب سے خراب رسم لڑکیوں کو مار ڈالنا یا اُن کو زندہ دفن کر دینے کی تھی۔ لڑکے اپنی سوتیلی ماؤں کے ساتھ ازدواج کرانے کے مجاز تھے۔ مگر باپ اپنے بیٹے یا متبنے کی زوجہ کے ساتھ شادی کرنے کا مجاز نہ تھا۔ شوہر کے مرنے کے بعد اُس کا سوتیلا بیٹا نہ ہوتا تو کوئی قریب کا رشتہ دار بیوہ کے سر پر ایک چادر ڈال دیا کرتا تھا۔ اور وہ شخص جو اِس طرح چادر ڈالتا تھا اُس سے شادی کرنے پر مجبور ہوتا تھا+

عورتیں بے حجاب عام مجمعوں میں آتی تھیں۔ اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو کھلا رکھنے اور عوام الناس کو دکھلانے میں کوئی بےحیائی اور بےشرمی کی بات خیال نہیں کرتی تھیں۔ عورتیں مصنوعی بال سر پر لگایا کرتی تھیں اور اپنے جسم کو نیل سے گودا کرتی تھیں+

دیووں اور خبیث ارواحوں۔ خیالی اور وہمی اور فرضی صورتوں اور نیک دیدہ جنات کو مانتے تھے۔ اور اُن کی مختلف شکلیں مقرر کر رکھی تھیں[+] +

غرض جاہلیت کے یہ خیالات یہ عادات اور اطوار اور عقائد اور رسوم تھے جن میں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی ابتدائی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ بسر کیا تھا انہیں حالات کو ہماری زبان کے یگانہ شاعر نے ست سے مؤثر الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:-

کہیں آگ پجتی تھی واں بے محابا بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا	کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا بتوں کا عمل سو بسو جابجا تھا
کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی	طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

+ یہ حالات خطبات احمدیہ مصنفہ سر سید احمد خان صاحب اور بعض دوسری معتبر کتابوں سے لکھے گئے ہیں۔ مولف

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا
کہ اس گھر سے ابلیگا چشمہ ہدیٰ کا
وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا
جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

قبیلہ قبیلہ کا بت اک جدا تھا
کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عزیٰ پہ وہ نائلہ پہ فدا تھا
اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے
سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے
تو صدہا قبیلہ بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی
صدی جس میں آدھی انہوں نے گنوائی
قبیلوں کی کر دی تھی جس نے صفائی
تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی
نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک ان کی جہالت کا تھا وہ

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے کا جھگڑا
لب آب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا
کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یوں ہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں
یوں ہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جُوا اُن کی دن رات کی دل لگی تھی
شراب اُن کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی
غرض ہر طرح اُن کی حالت بُری تھی
بہت اس طرح اُن کو گذری تھیں صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت
بڑھا جانبِ بوقبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت
چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اِک لگن دل میں سب کے لگا دی
اِک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نامِ حق سے

دوسرا باب

اسلام کی ابتدائی حالت حضرت عمرؓ کا اسلام لانا ہجرت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے پہلے تین برسوں میں عرب سے بت پرستی چھوڑانے کی کوششیں پوشیدہ طور پر کیں۔ مگر آخر کار آپ نے علانیہ تلقین کرنا شروع کیا اور بت پرستی کی مذمت کرنی شروع کی۔ قریش اور قبائل عرب اس سے آگ کی طرح غصہ سے بھڑک اٹھے اور آنحضرتؐ کو اس سے روکنے اور باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن جب ایک نہ ماننے کے لائق بات کو آنحضرتؐ نے نہ مانا تو قریش نے آنحضرتؐ کو کعبہ سے جہاں آپ موعظت فرمایا کرتے تھے نکال دیا۔ آنحضرتؐ جس قدر اعلاء کلمۃ الحق اور بتوں کے عیوب کے اظہار میں اصرار فرماتے تھے اسی قدر قریش آپ سے زیادہ دشمنی اور مخالفت کرنے پر آمادہ ہوتے جاتے تھے۔ ان کے اس بڑھتے ہوئے طیش اور غصہ نے آخر کار آنحضرت صلعم اور ان مسلمان مردوں اور عورتوں کو جو اسلام لائے تھے ایذا پہنچانے کا ایک سلسلہ قائم کر دیا آنحضرتؐ کی نسبت منہ در منہ دشنام دہی کرنا اور تذلیل کرنا یہ تو ایک عام بات تھی جو روزمرہ ہوتی تھی معززین قریش کمینہ لوگوں کو اور اپنے غلاموں کو اشارہ کرتے تھے۔ اور وہ اس طرح سے آنحضرتؐ کو ایذا پہنچاتے تھے۔ ایک دفعہ ان کمینہ لوگوں اور قریش کے غلاموں نے آنحضرت صلعم کو گھیر لیا اور گالیاں دینی اور سخت و سست الفاظ کہہ کر غل مچانی شروع کی۔ بہت سے آدمی جمع ہو گئے۔ اور ایسی دھکا پیل ہوئی کہ آنحضرت صلعم کو ایک احاطہ میں پناہ لینی پڑی۔†† ابولہب ہمیشہ آنحضرت صلعم کے دروازے پر نجاست اور نجس اور بدبودار چیزیں ڈلوا دیتا تھا ام جمیل ابولہب کی بیوی (حمالۃ الحطب) اس راستہ پر جہاں سے آنحضرت صلعم کی آمد و رفت ہوتی تھی اور جہاں آپ عبادت اور مراقبہ کرنے کو تشریف لے جاتے تھے

† تاریخ اسلام مصنفہ مولوی سید امیر علی صاحب جسٹس + ازابن ہشام تفسیر القرآن جلد چہارم مصنفہ سر سید احمد خان
†† از تاریخ ابن الاثیر جلد دوم تفسیر القرآن جلد چہارم +

کانٹے بچھا دیتی تھی[1]۔ راہ چلنے کی حالت میں آنحضرت صلعم کے سر مبارک پر لوگ مٹی کوڑا کرکٹ ڈال دیتے تھے[2]۔ قریش نے باہم پختہ عہد کر لیا تھا کہ کوئی شخص آنحضرت صلعم کے پاس نہ جائے۔ اُن کے پاس نہ بیٹھے اور اُن کی بات نہ سُنے۔ ایک دفعہ عقبہ جا کر آنحضرت کے پاس بیٹھا اور کچھ کلام سُنا اس کی خبر اُبی کو پہنچی جو اُس کا بڑا دوست تھا۔ وہ اُس کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ تو آنحضرت کے پاس جا کر بیٹھا تھا۔ اور اُن کی باتیں سُنی تھیں تیری صورت مجھ کو دیکھنی اور تجھ سے بات کرنی حرام ہے۔ اور میں اپنی قسم کو زیادہ سخت کرونگا اگر تو اب گیا اور اُن کے پاس بیٹھا۔ کیا تجھ سے یہ نہ ہوسکا کہ اُن کی مُنہ پر تھوک دیتا چنانچہ اُس خدا کے دشمن نے ایسا ہی کیا[3]۔ آنحضرت صلعم جہاں جاتے تھے وہاں وہ بھی پہنچتے تھے۔ اور جب آپ اور آپ کے اصحاب نماز میں مصروف ہوتے تھے اُس وقت پتھر مارتے تھے۔ اور جب آپ کھانا کھاتے تھے اُس وقت غلاظت پھینکتے تھے اور کعبہ کے قریب آپ کو نماز پڑھنے نہیں دیتے تھے[4]۔

جو لوگ مسلمان ہوگئے تھے اُن پر بھی نہایت ظلم ہوتا تھا اور سخت ایذا پہنچائی جاتی تھی جہاں بیکس مسلمانوں کو دیکھتے تھے پکڑ لیتے تھے قید کرتے تھے مارتے تھے بھوکا پیاسا رکھتے تھے جلتی ریت میں ڈالتے تھے آگ سے جلا کر ایذا پہنچاتے تھے[5]۔ حضرت بلال کو عین دوپہر میں سورج کی تپش کے وقت امیہ بن خلف کبھی مُنہ کے بل اور کبھی پیٹ کے بل جلتی ریت پر ڈال دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں تیرے ساتھ اسی طرح کئے جاؤنگا تا آنکہ کہ تو مرجائے یا محمد صلعم کے ساتھ کفر کرے[6]۔ ایک دفعہ اُنہوں نے عمار بن یاسر کو اور اُن کے باپ اور ماں کو جو مسلمان ہوگئے تھے پکڑ لیا اور دھوپ میں جلتی ریت پر ڈال دیا اتفاقاً آنحضرت صلعم اُس طرف سے گذرے اور اُن سے کہا کہ اے یاسر کے خاندان کے لوگو صبر کرو تمہاری جگہ جنت میں ہے۔ حضرت یاسر اسی سختی میں مرگئے اور اُن کی بیوی سمیہ کو ابوجہل نے

[1] از ابن ہشام تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام مصنفہ مولوی سید امیر علی صاحب رضوی صفحہ ۴۴ و تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۵
[2] از ابن ہشام تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۵
[3] از ابن ہشام صفحہ ۲۳۱ و تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۴
[4] تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام صفحہ ۴۵
[5] تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۶
[6] از تاریخ ابن اثیر
[7] تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۶ - از تاریخ ابن اثیر

اُس مظلومہ کی شرمگاہ میں ہتھیار مار کر مار ڈالا اور اُس کے بعد حضرت عمار کو سخت ایذا پہنچائی کبھی دھوپ میں ڈالتا تھا کبھی آگ سے گرم کیا ہوا پتھر اُن کے سینہ پر رکھواتا تھا کبھی اُن کو پانی میں ڈال کر ڈبواتا تھا۔ آخر کار اُن سے کہا کہ ہم تجھے کبھی نہیں چھوڑینگے جب تک کہ تو محمد کو دشنام نہ دے اور لات کی تعریف نہ کرے[۱]۔ جناب ابن ارث کو کافروں نے پکڑ لیا اور نہایت سخت ایذا پہنچائی۔ اُس کو ننگا کر کے مُنہ کے بل گرم جلتی ریت پر لٹاتے تھے اور پھر پتھر کے کنکروں کو آگ سے گرم کر کے اُس پر لٹاتے تھے۔ اور اُس کا سر مروڑ کے اُلٹا پھیر دیتے تھے[۲]۔ فکیہہ کو امیہ بن خلف نے ایذائیں پہنچا پہنچا کر آخر گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ زنیرہ مسلمان عورت کو ابو جہل نے اندھا کر دیا غرض تمام مسلمانوں کو طرح طرح کے عذاب اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی جاتی تھیں۔ اور یہ سلسلہ ایذا رسانی کا جاری تھا۔ پس جو حال کہ ابتدا میں اسلام کا تھا اور جس مصیبت میں مسلمان گرفتار تھے وہ اس قسم کے واقعات سے ظاہر ہے +

جیسا کہ ہم نے کہا ہے مسلمان مورخوں نے حضرت عمر کے ایام جاہلیت کے حالات کو صرف چھوڑ ہی نہیں دیا بلکہ غیر ضروری رعایت ان سے کرنا چاہی ہے۔ اس قسم کی روائتیں موجود ہیں کہ حضرت عمر نے اسلام لانے سے پہلے کبھی مسلمانوں کو یا آنحضرت کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچائی[۳] مگر ابن اثیر کی ایک روایت سے صحیح حال معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک دن حضرت عمر نے اپنے مسلمان ہونے سے پہلے لبینہ ایک مسلمان عورت کو پکڑ لیا۔ اور اُس کو ایذا پہنچائی اور مارنا شروع کیا۔ جب تھک جاتے تھے تو چھوڑ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے تجھے چھوڑا نہیں ہے میں تھک گیا ہوں اس لئے ٹھہر گیا ہوں اُس نے جواب دیا کہ اسی طرح خدا تیرے ساتھ بھی کریگا اگر تو مسلمان نہ ہوا[۴]۔ یہی مخالفت حضرت عمر کی اپنی بہن فاطمہ کے اسلام لانے کی خبر سن کر اور طیش کھا کر اُس کے گھر جانے اور اُن کو مارنے سے[۵] جو مشہور واقعہ ہے ظاہر ہے۔ ہوشمند مورخین کو بھی اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ

[۱] ایم تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴ [۲] تاریخ ابن اثیر [۳] مدارج النبوۃ از مواہب لدنیہ [۵] تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴ [۴] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷ +

نہیں تھی کہ حضرت عمر اسلام لانے سے پہلے "مسلمانوں کو ایذا اور عذاب پہنچانے میں متہم اور مشہور تھے اسلام کے وہ سخت مخالف اور پیغمبر[۵۱] کے غایت درجہ دشمن اور رقیب تھے"۔ انگریزی مورخین سب اِس قول پر متفق ہیں۔ کہ حضرت عمر پہلے اِس نئے دین کے نہایت مخالف اور دشمن[۵۲] تھے۔ اور اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں کے ساتھ سختی اور تشدد کرنے میں بدنام تھے

غرض جیسا کہ حضرت عمر کی سخت اور درشت طبیعت سے جبکہ وہ لوگ اپنی دلیری اور شجاعت اور تہوریت اور لڑاکا پن ثابت کرنے کے واسطے اسی قسم کے موقعوں کے متلاشی رہتے تھے توقع کرنی چاہئے۔ وہ جاہلیت میں اسلام کے بے طرح مخالف تھے بعض روایات خود حضرت عمر کا یہ قول بھی ملا ہے کہ میں رسول اللہ کے زمانہ میں اُن پر اشد الناس[۵۳] تھا حضرت عمر جس طرح کہ عزت اور وجاہت اور رعب میں ابو جہل سے کم نہ تھے۔ اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں سے سختی کرنے میں بھی اُس سے کم نہ تھے۔ کیونکہ جناب رسول اللہ دونوں میں سے ایک کے مسلمان ہو جانے کی خدا سے دعا کیا کرتے تھے جیسا کہ ابن مسعود کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے خدا سے دعا مانگی کہ خدایا عمر ابن ہشام (ابوجہل) یا عمر ابن الخطاب سے اسلام کو عزت (یا مدد) دے۔ حضرت عائشہ اور ابن عمر کی روایت میں آنحضرت کا صرف حضرت عمرؓ کے لئے دعا مانگنا بیان ہوا ہے۔ جس سے یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ آنحضرت کو حضرت عمر کی طبیعت سے ہدایت قبول کرنے کی زیادہ توقع تھی حضرت عمر کی بہن اور بہنوئی پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ اور اُن کے بھائی اور ابوالبکیر چار شخص جو خطاب کے خاندان سے رشتہ میں ملتے تھے سب سے اول اسلام لانے والوں میں تھے

حضرت عمر کے اسلام لانے کی نسبت جو روائتیں ہیں گو وہ جزئیات تک صحیح نہ ہوں مگر ہر ایک سے بجائے خود حضرت عمر کا اسلام کا مخالف اور معاند ہونا ثابت ہے۔ اِس باب میں مختلف روائتیں ہیں۔ اور اگرچہ اُن میں سے صرف وہی ایک روایت جو مشہور اور مسلم ہے قابل اعتبار ہو اور دوسری روایتوں کو حضرت عمر کے اسلام لانے کے واقعہ کی نسبت

---

[۵۱] سپرٹ اوف اسلام مصنفہ مولوی سید امیر علی صاحب رضوی صفحہ ۱۱۱ [۵۲] کتاب اسلام مصنفہ شارٹ صفحہ ۳۶ [illegible] لائف اوف محمد مصنفہ سر ولیم میور [۵۳] تاریخ الخلفا سیوطی صفحہ ۷۶

صحیح نہ سمجھا جائے لیکن اُن میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں اغلب ہے کہ وہ صحیح ہوں اور حضرت عمر کی طبیعت پر اثر ڈالنے اور قبول اسلام کے واسطے تیار کرنے کا باعث ہوئی ہیں خود حضرت عمر سے حدیث بیان کی گئی ہے کہ میں رسول اللہ کو مسجد جانے سے روکنے کے واسطے نکلا مگر وہ پیش دستی کر کے مجھ سے پہلے مسجد میں پہنچ گئے۔ میں اُن کے پیچھے کھڑا ہو گیا اُنھوں نے سورۃ الحاقہ شروع کر دی میں تالیف قرآن سے تعجب کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اللہ کی قسم جیسا قریش کہتے ہیں یہ شاعر ہے تب انھوں نے یہ آیت "انہ لقول رسول کریم وما ھو بقول شاعر قلیلا ما تومنون" پڑھی اس سے میرے دل میں اسلام نے گھر کر لیا[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر کے اسلام لانے کی ابتدا یہ تھی کہ ایک رات وہ اپنی بہن مخاض کو مار کر گھر سے نکلکر کعبہ میں چلے گئے وہاں حضرت صلعم کو دیکھا کہ ایک چادر اوڑھے ہوئے آئے۔ اور حجر اسود کے پاس گئے اور کچھ عرصہ تک نماز میں مشغول رہکر وہاں سے لوٹ جانے لگے۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ جو کچھ اُس وقت میں نے سُنا اس سے پہلے کبھی نہیں سُنا تھا۔ جناب رسول اللہ جب باہر نکلے تو میں اُن کے پیچھے ہو لیا۔ آنحضرت نے کہا کون ہے میں نے کہا کہ عمر۔ تو فرمانے لگے کہ اے عمر تو مجھے نہ دن کو چھوڑتا ہے نہ رات کو۔ میں ڈر گیا کہ مجھے بددعا نہ دیں اور کلمہ شہادت پڑھا[2]

بخاری کی ایک اور روایت سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت کی طبیعت پر ایمان لانے سے پہلے کچھ نہ کچھ اثر اسلام کی طرف سے موجود تھا حضرت عمر خود ایک واقعہ اپنے خواب کا بیان کرتے ہیں۔ کہ قبل نبوت ایک دن میں حطیم (یا بیتیم) کے پاس سوتا تھا۔ دیکھتا ہوں (خواب میں) کہ ایک شخص ایک بچھڑا لایا اور اُس کو ذبح کیا۔ اور پھر کسی نے چیخ کر ایسی سخت آواز سے کہ پہلے میں نے کبھی نہیں سُنی تھی جلیح کا نام لے کر کہا کہ اے جلیح یہ شخص جو لا الہ الا اللہ کہتا ہے نیک مرد اور خوش کلام ہے۔ لوگ ادھر جھپٹے میں نے کہا کہ جب تک اس کا حال معلوم نہ ہو پیچھا نہ چھوڑونگا۔ دوبارہ اُس نے اسی طرح آواز دی

[1] تاریخ الخلفا سیوطی [2] تاریخ الخلفا سیوطی

کی خبر لو کہ وہ بھی صابی ہو گئے ہیں۔ اور تیرا دین چھوڑ دیا ہے[۵۱]۔ ایک اور روایت حضرت عمر ہی سے ہے کہ ایک دن میں گھر سے نکلا تو ایک مخزومی مجھے راستہ میں ملا میں نے اسے کہا کہ تو اپنے باپ دادا کے دین سے برگشتہ ہو کر دین محمدؐ کا پیرو بنا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا ہے تو جن پر تیرا زیادہ حق ہے انھوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے یعنی تیری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں +

اسی قسم کی ایک اور روایت ہے کہ ایک دن دوپہر کو میں مکہ میں راستہ پر چلا جا رہا تھا۔ تو ایک شخص نے مجھے ہٹکا اور کہا کہ اے عمر بڑے تعجب کی بات ہے کہ تو فخر کرتا ہے کہ میں ایسا ہوں اور ایسا ہوں اور تیری بہن مسلمان ہو گئی ہے +

بعض روایات میں صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمر نے اپنی بہن فاطمہ اور اس کے خاوند سعید بن زید کے مسلمان ہو جانے کی خبر سنی[۵۲] اور غصہ کھا کر اس کے گھر گئے۔ اور بعض نے صرف اسی قدر لکھا ہے کہ حضرت عمر ایک دن اپنی بہن کے گھر کی طرف[۵۳] آئے۔ دروازہ بند پایا اور قرآن مجید کے پڑھنے کی آواز سنی۔ دروازہ کھلوایا اور کہا لاؤ جو کچھ تم پڑھتے تھے انھوں نے انکار کیا (بعض روایتوں میں ایک صحابی حضرت خباب کا موجود ہونا اور ڈر سے چھپ جانا لکھا ہے) حضرت عمر نے اپنی بہن اور بہنوئی کو اس قدر مارا کہ خون بہنے لگا۔ آخر ان کی بہن نے کہا کہ جو کچھ تیرے دل میں آئے تو کر ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور دین محمد اختیار کر چکے ہیں۔ حضرت عمر کا دل بھی ان کو دیکھ کر پسیجا اور سورہ طٰہٰ ان سے لے کر پڑھی یا ان سے ایک روایت میں آیت سبح للّٰہ ما فی السمٰوات والارض وھو العزیز الحکیم الخ پڑھی مگر معتبر یہی ہے کہ حضرت عمر نے سورہ طٰہٰ کی یہ آیت ان سے سنی +

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ طٰہٰ۔ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ الا تذکرۃ لمن یخشیٰ

ممن خلق الارض والسمٰوات العلیٰ۔ الرحمٰن علی العرش استویٰ لہ ما فی السمٰوات وما

فی الارض وما بینہما وما تحت الثریٰ وان تجہر بالقول فانہ یعلم السر واخفیٰ اللّٰہ لا الٰہ

---

[۵۱] تاریخ الخلفا سیوطی وغیرہ [۵۲] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا مناہج النبوت ترجمہ مدارج النبوت میں حضرت عمرؓ کے بہنوئی کا نام سعید بن زید بن عمر بن نفیل لکھا ہے اور طبری فارسی نسخہ میں حضرت عمر کی اس بہن کا نام حفصہ اور بہنوئی کا نام طلحہ لکھا ہے مگر فاطمہ اور سعید ہی درست ہیں۔ [۵۳] طبری فارسی نسخہ +

هوالاسماء الحسنیٰ۔ اس آیت کا سننا تھا کہ قرآن کی فصاحت اور بلاغت پر غش ہو کر حضرت عمر کے دل کو یقین ہو گیا کہ یہ بیشک سچا کلام خدا کا ہے۔ اور اس پر ایمان لے آئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حضور میں حاضر ہونے کا قصد کیا تاکہ مشرف باسلام ہوں اور اس فیض رحمت الٰہی سے بہرہ یاب ہونے کا اقرار کریں۔ آنحضرت اس وقت ارقم کے گھر میں جو مکہ کے اسفل میں تھا تشریف رکھتے تھے[1] اور قریش کی شہر سے محفوظ رہنے کے واسطے چند روز سے وہیں تھے۔ حضرت عمر نے وہاں پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اصحاب رسول اللہ میں جو اس وقت وہاں موجود تھے اور حضرت عمر کے اس ارادہ سے واقف نہ تھے تہلکہ پڑ گیا مگر حضرت حمزہ نے جو خود بھی دلیری اور شجاعت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ حضرت عمر کا ارادہ معلوم ہونے پر اصحاب رسول اللہ بے انتہا مسرور ہوئے اور صدائے تکبیر بلند ہوئی۔ آنحضرت نے حضرت عمر کو گلے سے لگایا اور آغوش رحمت میں دبایا اور حضرت عمر نے اشهدان لا اله الا الله واشهد ان محمد الرسول الله پکار کر کہا۔ آنحضرت نے حضرت عمر کے سینہ پر تین دفعہ ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اے خدا ان کے سینہ میں جو آلودگی ہے اُس کو اسلام سے بدل دے[2]۔ اسی اثنا میں جب نماز کا وقت ہوا اور آنحضرت نماز کے واسطے اُٹھے تو حضرت عمر نے کہا کہ یا حضرت بتوں کی عبادت تو کفار خانہ کعبہ میں جو خانۂ خدا ہے علانیہ کریں اور آپ خدا کی عبادت چھپ کر۔ یہ گوارا نہیں ہے۔ خانہ کعبہ کو چلئے اور وہاں آشکارا نماز ادا کیجئے۔ پس آنحضرت صلعم اصحاب کرام کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف عازم ہوئے۔ کفار حضرت عمر کو خلاف توقع اس حال میں دیکھ کر حیران ہوئے حضرت عمر نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور لڑ بھڑ کر کفار کو خانہ کعبہ کی نواحی سے دور کیا۔ آنحضرت صلعم نے مع اصحاب کے کعبہ کا طواف کیا اور ظاہرا خدا کی عبادت کی[3]۔ اس وقت یہ آیہ کریمہ یاایها النبی حسبك الله ومن اتبعك من المؤمنين نازل ہوئی +

[1] طبری فارسی نسخہ میں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت اُس وقت حضرت خدیجہ کے گھر میں تھے اور حضرت عمر اپنی بہن کے ساتھ وہاں گئے اور بعض روایات کے بموجب خباب صحابی کو ساتھ لے کر ارقم کے گھر گئے۔ بہرحال ارقم کے گھر میں حضرت عمر کا جانا اور پیغمبر صلعم کا ہونا معتبر ہے۔ مولف [2] ازالة الخفا عن خلافة الخلفا [3] مناہج النبوة۔ روضة الاحباب طبری فارسی نسخہ ازالة الخفا عن خلافة الخلفا۔ تاریخ الخلفا سیوطی +

حضرت عمر چھٹے سال نبوت کے ماہ ذوالحج میں جبکہ اُن کی عمر چھبیس (اور ایک روایت میں ستائیس) برس کی تھی چالیس مرد اور گیارہ یا پندرہ عورتوں کے بعد اور حضرت حمزہ عم رسول اللہ کے مسلمان ہونے سے تین دن بعد اسلام لائے +

ہمارے ایک مشہور[1] اور فاضل عالم حضرت عمر کے اسلام لانے کے واقعہ کو مختصر عبارت میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کہ "اس وقت میں نئے دین کو ایک قیمتی معاون حضرت عمر کی ذات میں حاصل ہؤا جن کی دانشمندی اور قابلیت نے اُن کو اسلام کی آیندہ جمہوری سلطنت کا ایک عضو اور جزو ضروری بنا دیا۔ دین محمدی کی جو خدمات وہ بجا لائے ہیں اُنہوں نے اُن کے نام کو تاریخ کے صفحوں پر کندہ کر دیا ہے وہ عدی بن کعب کے خاندان کے معزز اور ممتاز ممبر اور خطاب کے بیٹے اور اس سے پہلے اسلام کے سخت مخالف اور پیغمبر صلعم کی معاندت کے سبب سے مشہور تھے اُن کا اسلام لانا قرآن مجید کی ایک سورۃ کے اُن کے دل پر جادو کا سا اثر پیدا کرنے کا نتیجہ بیان ہوا ہے جو اُنہوں نے اپنی بہن کے گھر میں سنا جہاں وہ غضب اور طیش میں آکر قتل کرنے کے ارادے سے گئے تھے۔ اُن الفاظ سے متاثر ہو کر جو اُنہوں نے سُنے ہاتھ میں ننگی تلوار لئے ہوئے جس سے وہ پیغمبر کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے وہ سیدھے پیغمبر صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے جس سے اصحاب رسول اللہ کی جماعت میں ایک تہلکہ برپا ہو گیا۔ حضرت عمر نے اپنے آقا کے ہاتھ چومے اور سچے دین میں داخل ہونے کی درخواست کی مسلمانوں نے حضرت عمر کے رحمت الٰہی میں شریک ہونے پر دل سے خداوند کریم کا شکر کیا۔ مسلمان ہونے کے بعد وہ اسلام کا ایک رُکن ہو گئے۔ اب اسلام کو گلی کوچوں میں اپنا سر چھپانے اور پوشیدہ رہنے اور چھپ کر خدا کی عبادت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی اور ان نئے اسلام قبول کرنے والوں نے اُن کو علانیہ طور پر عبادت کرنے کی جرأت دلائی۔ حضرت عمر کے اسلام لانے کی خبر سُن کر قریش پر بجلی گر گئی اور معاملہ کے نازک ہو جانے کو جان گئے" +

سر ولیم میور[2] حضرت عمر کے اسلام لانے کے واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے چھٹے سال نبوت کے اختتام پر اسلام قبول کیا۔ ان کی بہن فاطمہ اور اُس کا خاوند سعید بن زید

[1] مولوی سید امیر علی صاحب ضمنی مصنف کتاب سپرٹ آف اسلام و سیرۃ محمدی صفحہ ۱۱۲ [2] لیف آف محمد مصنفہ سر ولیم میور صفحہ ۹۵

پہلے اسلام لاچکے تھے مگر قریش کے خوف سے اپنے دین کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔ ایک دن
جب حضرت عمر بعض مسلمانوں کو دھمکا رہے تھے ایک دوست نے اُن سے کہا کہ پہلے اپنے
گھر کی خبر لو اور اُن کی بہن اور بہنوئی کے نیا دین قبول کرنے کی طرف اشارہ کیا۔ اِس سے
اُن کا غصہ بھڑک اُٹھا اور سیدھا اپنی بہن کے گھر کو روانہ ہوئے وہ اُس وقت خباب سے
قرآن کی بیسویں سورۃ سن رہی تھی جو ایک تحریری نسخہ سے پڑھ رہا تھا۔ یہ مخالف حضرت عمر
نزدیک ہوئے اور پڑھنے کی نیچی آواز کو سنا۔ اُن کے پاؤں کی آہٹ پا کر خباب ایک
کوٹھڑی میں چھپ گئے۔ حضرت عمر نے داخل ہوتے ہی غصہ سے کہا کہ یہ کیا آواز تھی
جو میں نے سنی ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ کچھ نہیں۔ حضرت عمر نے قسم کھا کر کہا کہ نہیں
میں نے سن لیا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کے دین سے برگشتہ ہوگئے ہو اُس کے بہنوئی نے
کہا کہ کیا تمہارے دین کے سوا کسی دوسرے دین میں سچائی نہیں ہوسکتی ؟ اِس سوال سے
حضرت عمر کا شبہ مبدل بہ یقین ہوگیا اور غصہ کھا کر سعید پر جھپٹے۔ اور اُس کو لاتوں سے مارا
اُن کی بہن چھوڑانے کے واسطے دوڑیں۔ اسی کشاکش میں اُن کا چہرہ زخمی ہوگیا اور
خون بہنے لگا۔ اور جوش میں آکر اُس نے کہ دیا کہ بیشک ہم نے دین اسلام قبول کیا ہے
اور خدائے واحد اور اُس کے نبی پر ایمان لائے ہیں۔ جو تیرے دل میں آئے تو ہمارے
ساتھ کرلے۔ حضرت عمر نے جب اُس کا چہرہ خون سے بھرا ہوا دیکھا اُن کا دل نرم ہوگیا
اور کہا کہ جو کچھ تم پڑھ رہے تھے وہ مجھے دکھاؤ مگر اُن کی بہن نے کہا کہ لا یمسہ
الا المطہرون جب تک تم پاک نہ ہوگے تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔ حضرت عمر اُٹھے اور غسل
کیا اور کاغذ لے کر پڑھنے لگے (کیونکہ وہ پڑھ سکتے تھے) جب تھوڑا سا پڑھ لیا تو کہنے لگے
کہ یہ کلام کیسا عمدہ اور بزرگ ہے۔ یہ سن کر خباب بھی اندر سے نکل آئے اور کہنے لگے
کہ اے عمر مجھے یقین ہے کہ خدا نے اپنے نبی کی دعا قبول فرما کر تجھے اپنے واسطے منتخب
کرلیا ہے کل ہی آنحضرت نے خدا سے دعا مانگی تھی کہ خدایا اسلام ابو جہل یا عمر سے
سے مضبوط کر۔ حضرت عمر نے کہا کہ مجھے آنحضرت کے پاس لے چلو کہ میں اپنے قبول اسلام کا
اُن پر اظہار کروں۔ اُن کو ارقم کے گھر میں لے گئے۔ حضرت عمر نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

حضرت حمزہؓ اور دوسرے اصحاب نے دروازے کے شگاف سے دیکھا کہ عمرؓ ہیں اور چونک کر پیچھے ہٹ گئے لیکن آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اسے اندر آنے دو اور خود آگے بڑھ کر اس سے ملے اور اس کے دامن اور تلوار کی مٹھی کو پکڑ کر فرمانے لگے کہ تو مسلمانوں کے ستانے سے کب باز آوےگا جب خدا تجھ پر غضب نازل کریگا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں کلمہ "اشہد انک رسول اللہ" کہا۔ آنحضرت نہایت خوش ہوئے اور بآواز بلند "اللہ اکبر" زبان مبارک سے فرمایا۔

ایک انگریز مصنف[٥٤] لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا آنحضرت کے ہاتھ پر یک بیک اسلام لانا ایسا ہی تھا جیسا کہ پال (پولوس رسول) کا حضرت مسیح کے ہاتھ پر۔ ایک شیعہ عالم نے اپنی کتاب حملہ حیدری[٥٥] میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے تمام واقعات کو عمدہ منظوم عبارت میں بیان کیا ہے:۔

عمرؓ بعد ازاں از پس چند گاہ — در آمد بدین رسول الٰہ
چناں بد کہ بوجہل ازاں سرزنش — بکیفیتے شد عداوت منش
کہ جز قتل پیغمبر ذوالجلال — نبودش دگر ہیچ فکر و خیال
یکے روز مے گفت با اشقیا — کہ آرد کسے گر سر مصطفےٰ
ہزار از اشتر از خود بہ بخشم ترا او — دو کوہاں سیہ دیدہ و سرخ مو
ز دیبائے مصری و بردیمن — دگر سیم و زر بخشش چند من
عمر چوں شنید آن سخن گفتنش — بجنبید عرق طمع در تنش
بہ او گفت سوگند اگر مے خوری — کہ از گفتۂ خویشتن نگذری
من امروز خدمت رسانم بجا — بیارم بہ پیشت سر مصطفےٰ
گرفت از ابوجہل اول قسم — پس آنگہ زدہ در رہ کین قدم
بآن کار چوں رفت بیروں عمر — یکے گفت با او ندارے خبر
کہ ہمشیرہ ات نیز با جفت خویش — گرفت ست دین محمدؐ بہ پیش
برآشفت اباحفص زین گفت و گو — بگفتا بریزم کنوں خون او

[٥٤] از پمفلٹ مصنفہ انجمن آتھرس صفحہ ۴ ۔ [٥٥] آیات بینات مصنفہ مولوی سید مہدی علی صاحب۔

قسم گر خوری کو نیاید زیان — بیاریم ہیشت کہ خواند ازاں
چو بگرفت سوگند ازو خواہرش — بیاورد استاد خود را برش
جد از اہل اسلام نامش خباب — بیاید بہ نزدیک عمر بے حجاب
بزو خواند آیات پروردگار — ابا حفص اسلام کرد اختیار
چو آیات معجز بیاں را شنید — ہمش قولِ کاہن بخاطر رسید
باسلام شدہ رغبتش بیشتر — کہ آں ہم نشد راست چوں ایں خبر
وزاں پس بگشتند باہم رواں — بہ نزدِ خدائے رسولِ جہاں
بدولت سراہائے پیمبر شدند — چو در بستہ بد حلقہ بر در زدند
یکے آمد و دید از ہشت در — کہ استادہ با تیغ بر در عمر
بہ نزد نبی رفت و احوال گفت — بماندند اصحاب اندر شگفت
چنیں گفت پس عم خیر البشر — کہ غم نیست بروے کشائید در
گر از راہِ صدق آمدہ مرحبا — وگر باشد اورا بخاطر دغا
بہ تیغے کہ دارد حمائل عمر — تنش را سبکسار سازم ز سر
چو در باز کردند بر روئے او — در آمد عمر با لبِ عذر گو
گرفتش بہ بر سرورِ انبیا — نشاندش بجائے کہ بودش سزا
بگفتند اصحاب ہم تہنیت — وزاں پیش تر یافت دیں تقویت
پس اصحابِ دیں راشد ایں مدعا — کہ از خدمتِ سرورِ انبیا
بہ سوئے حرم آشکارا روند — نمازِ جماعت بجا آورند
رسید ایں سخن چوں بعرض رسولؐ — ز خیر البشر یافت عزِّ قبول
رواں شد بتائید دیانِ دیں — چو سوئے حرم سید المرسلین
بہ پہلو رواں حمزہؓ نامدار — بہ پیشش علیؓ صاحب ذوالفقار
ہمی رفت در پیش حیدرؓ عمرؓ — حمائل ہماں تیغ کیں بر کمر
بگرد آمدہ جمع یاراں تمام — برفتند زینساں بہ بیت الحرام

چو دیدند کفار زاں گونہ حال / نمودند باہم بسے قیل و قال
یکے رفت زاں ہا بہ نزدِ عمرؓ / بدو گفت ایں چیست اے بدگہر
نہ زانساں تو رفتی کہ باز آمدی / بہ کیں رفتی و با نیاز آمدی
عمر کرد اسلام خود آشکار / پس انگہ بہ او گفت اے نابکار
ہر آں کز شما جنبد از جائے خویش / بہ بیند سر خویش بر پائے خویش
چو کفار دریافتند از سخن / کہ در دل چہ دارند آں انجمن
نہادند پا در رہِ امتناع / نمودند با اہلِ ملت نزاع
چو دیدند آں صحبت اصحاب دیں / ہمہ دست بردند بر تیغ کیں
ازاں حال کفار پس پا شدند / دلیرانِ دیں مسجد آرا شدند
بہ پیش اندر آمد رسول خدا / نمودند یاراں بہ او اقتدا
نبی گفت تکبیر چوں در حرم / فتادند اصنام بر روئے ہم
ز تائید ایزد بہ مسجد نماز / ادا کرد و آمد سوئے خانہ باز

حضرت عمرؓ گو قوی اور ذی رعب آدمی تھے اور ایک ایسی بے دھڑک اور بیخوف طبیعت پائی تھی کہ کسی خوف و خطرے کا خیال اُن کے پاس نہیں آسکتا تھا۔ مگر یہ ناممکن تھا کہ اسلام لانے کے بعد کفار کی جاہلانہ اور متعصبانہ چھیڑ چھاڑ سے بچے رہتے ایک عام برانگیختگی اور جوش غضب کے روبرو ایک شخص کی قوت اور رعب کہاں تک ٹھیر سکتے ہیں ضرور تھا کہ کفار کی طرف سے مسلمانوں کی قلیل جماعت کے شریک حال ہو کر خطرہ اور اندیشہ میں رہیں اور اُن کے ہاتھ سے کم و بیش ایذا اٹھائیں۔ مگر صبر اور تحمل جو اس خدا کی جماعت کا شیوہ تھا اسی کو اختیار کرنے کے سوائے چارہ نہیں تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جب اسلام لائے تو جمیل بن معمر الجمحی کے کان میں یہ خبر ڈالی گئی جو خبر کے مشتہر کرنے میں ایک عام اشتہار کا کام دینے میں مشہور تھا حضرت عمرؓ نے خود جمیل کو اپنے اسلام لانے کے سانحہ سے مطلع کیا وہ اس خبر کو سنتے ہی اُٹھ بھاگا۔ حضرت اُس کے پیچھے ہو لئے اور عبداللہؓ بن عمر کہتے ہیں کہ میں بھی اپنے باپ کے پیچھے ہو لیا مسجد کے دروازے پر

جہاں قریش کعبہ کے گرد اپنی نشستگاہوں میں بیٹھے ہوئے تھے جا کھڑا ہوا اور بآواز بلند پکار پکار کر کہنے لگا کہ عمرؓ صابی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ جھوٹ کہتا ہے میں نے تو دین اسلام قبول کیا ہے۔ قریش جمع ہو کر آ گئے اور باہم لڑائی شروع ہو گئی۔ دو پہر تک لڑائی ہوتی رہی حتےٰ کہ حضرت عمرؓ تھک گئے اور قریش کو کہتے تھے کہ خدا کی قسم اگر ہم تین سو مسلمان ہوتے تو مکہ تمہارا ہوتا یا تم کو ہمارے لئے چھوڑ دینا پڑتا۔ اسی تکرار میں تھے کہ قریش ایک بوڑھا آدمی (عاص بن وائل) آیا اور قریب کھڑا ہو کر پوچھنے لگا کہ کیا ماجرا ہے۔ قریش نے کہا کہ عمر صابی ہو گیا۔ اس نے کہا کہ ایک شخص نے اپنے پر ایک امر کو اختیار کیا ہے تم کو اس سے کیا مطلب ہے کیا تم امید رکھتے ہو کہ بنی عدی اپنا آدمی تمہارے حوالہ کر دینگے اسے چھوڑ دو۔ چنانچہ قریش علیحدہ ہو گئے[1] ایک دوسری روایت اسی مضمون کی ابن عمرؓ سے بیان کی گئی ہے جو اس گذشتہ واقعہ سے زیادہ قرین صحت و قیاس معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی خبر جب مشہور ہوئی۔ تو لوگ اُن کے گھر کے گرد آ کر جمع ہو گئے اور غل کرنے لگے کہ عمر صابی ہو گیا۔ میں کوٹھے پر کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور یہ ماجرا سن کر کہنے لگا کہ اگر وہ صابی ہو گیا ہے تو کیا ہوا میں اس کو پناہ دیتا ہوں لوگ یہ سن کر منتشر ہو گئے اور وہ مرد بزرگ عاص بن وائل تھا[2] اس قسم کی اور روائتیں بھی موجود ہیں کہ ابوجہل نے حضرت عمرؓ پر تشدد کئے اور اُن سے لڑائیاں لڑا کیا مگر وہ اُس کے بس میں نہ آئے اور آخر زبون ہوا۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ میں ہمیشہ لوگوں سے لڑا کرتا وہ مجھ کو مارتے تھے اور میں اُن کو مارتا تھا۔ یہانتک کہ خدا نے اسلام کو قوی کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے قریش سے لڑ جھگڑ کر بیت اللہ میں نماز پڑھنے میں کامیاب ہونے کے واقعہ کو اکثر اہل سیر بیان کرتے ہیں[3]

غرض حضرت عمر کے اسلام لانے سے آنحضرت صلعم کی ایک بڑی خواہش پوری ہوئی اور اسلام اور مسلمانوں کو نہایت قوت اور تقویت حاصل ہو گئی اور اس حسن اتفاق سے

---

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء [2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء [3] مدارج النبوت ترجمہ مدارج النبوت

کہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر قریباً ایک ہی وقت میں اسلام لائے یہ قوت اور شوکت دوبالا ہو گئی
قریش اور کفار کی کمریں ٹوٹ گئیں اور دل بیٹھ گئے۔ حضرت ابن عباس کے اس قول
کی صحت کی تصدیق کی جاتی ہے۔ کہ جب حضرت عمر تشریف لائے تو مشرکین نے کہا کہ آج
کے دن ہماری قوم نصفا نصف ہو گئی[۱]۔ ابن مسعود کا قول ہے کہ جب سے حضرت عمر اسلام لائے
ہم صاحب عزت ہو گئے ابن اسحاق کا قول ہے کہ حضرت عمر جب اسلام لائے وہ نہایت قوی اور لیے بیخوف اور با
سیاست ذی رعب شخص تھے کہ کوئی آدمی انکی کسی چیز کیطرف انکی غیبت میں بھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔
اور ساتھ ہی حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے اصحاب رسول اللہ کو بہت سہولت اور
آرام اور اطمینان نصیب ہوا[۲]۔ عبد اللہ ابن مسعود کا قول ہے کہ حضرت عمر خطاب کے اسلام
لانے سے پہلے ہم کو یہ یارا نہیں تھا کہ کعبہ کے پاس نماز پڑھیں جب وہ اسلام لائے
قریش کے ساتھ لڑے یہانتک کہ ہم اُن کے ساتھ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے میں کامیاب
ہوئے"۔ انہیں کا قول ہے کہ حضرت عمر کا اسلام لانا اسلام کی فتح تھی[۲]۔ اس کے بعد مسلمانی
ظاہر ہوئی اور آنحضرت صلعم اپنے اصحاب کے ساتھ آشکارا نماز ادا کرتے تھے اور مشرکان
قریش غم و غصہ کھاتے تھے[۳] اسلام کو اب گلی کوچوں میں چھپنے اور پوشیدہ رہنے اور خفیہ
طور پر خدائے واحد کی عبادت کرنے اور خوف زدہ پھرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی تھی۔
حضرت عمر کے اسلام قبول کرنے سے گویا قریش پر بجلی گر گئی اور جان گئے کہ اب
صورت معاملہ کی نازک ہو گئی ہے[۴]۔ ایک انگریز مورخ[۵] حضرت حمزہ کے اسلام قبول کرنے کے
واقعہ کو بیان کر کے لکھتا ہے۔ کہ "اسی زمانہ سنہ ۶۱۶ء میں ایک اور شخص عمر ابن الخطاب نے
اسلام قبول کیا جس کے عظیم قد و قامت اور ہیبت اور بے انتہا جسمانی قوت اور بہادرانہ
اور شجاعانہ دلیری نے اس کو حضرت حمزہ کا ایک موزوں ساتھی اور جوڑ بنا دیا"۔ اس کے بعد
حضرت عمر کے اسلام لانے کے واقعہ کو بیان کر کے لکھتا ہے کہ "اس قسم کے لوگوں کے اسلام
قبول کرنے سے محمد صلعم کی حالت کو نہایت تقویت حاصل ہوئی۔ کوئی شخص پیغمبر کے نزدیک

[۱] تاریخ الخلفا سیوطی۔ [۲] یہ سب روائتیں ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا بقیۃ رواۃ وغیرہ موجود ہیں۔
[۳] تاریخ طبری فارسی نسخہ صفحہ ۲۳۰ [۴] سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۲ [۵] سٹاربرٹ مصنف کتاب اسلام اینڈ اٹس فونڈر

جائے اور اُن کو ایذا پہنچانے کی جرات نہیں کرسکتا تھا عمر اور حمزہ ان دونو خوفناک دلیران جنگ اور مردان میدان کی نگاہوں سے لوگ خوف کھاتے تھے جو اپنے دشمنوں کی طرف ایسے شیروں کی طرح دیکھتے تھے جن سے کہ اُن کے بچے چھین لئے گئے ہوں نیز اب مسلمان چھپ کر اپنے گھروں میں عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی جانچی ہوئی طاقت اور مقابلہ کرنیوالی صورت کے ساتھ کعبہ میں جمع ہوتے تھے اور عبادت کرتے تھے قریش پر خوف اور بے چینی طاری ہو گئی تھی"۔ سر ولیم میور حضرت عمر کے اسلام لانے کے واقعہ کا ذکر کرکے لکھتا ہے "قبول اسلام کے وقت اگرچہ حضرت عمر کا سن صرف چھبیس برس کا تھا مگر ان کی شمولیت کا اسلام پر اتنا بڑا اثر اور ایسا فوری اثر ہوا کہ گویا مکہ میں علانیہ اور بلا خوف اسلام کے ظاہر ہونے کی وہی تاریخ ہے محمد صلعم ارقم کے گھر سے نکل آئے مسلمان علانیہ طور پر عبادت کرنے لگے اور ان کے دل بڑھ گئے درانحالیکہ قریش پر خوف اور بے چینی طاری ہو گئی"۔

القصہ ہر ایک مورخ خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر اس بات کا قائل ہے کہ حضرت عمر کے اسلام قبول کرنے نے اسلام اور مسلمانوں کی شوکت اور ہمت کو بڑھا دیا اور مصیبت اور تکلیف کو گھٹا دیا۔ درحقیقت اس بات سے جس کی طرف سر ولیم میور نے اشارہ کیا ہے حضرت عمر کی بے انتہا عزت اور رعب اور دباؤ اور شان و شوکت معلوم ہوتی ہے کہ صرف چھبیس برس کی عمر میں اُن کی ایک ذات اس قدر وزن اور قیمت رکھتی تھی کہ قریش نے اُن کے علیحدہ ہونے کو اپنی قوم اور قوت کا آدھا ہو جانا تسلیم کیا۔ اور مسلمانوں کو جو اس جہالت اور کفر کے گلستان میں چند چمکتے ہوئے مگر بے پناہ ذروں کی مانند تھے قریش اور کفار کی ایذا ہی سے مخلصی ملگئی۔ حضرت عمر کا یہ رعب اور ہیبت اور عزت جس قدر اُن کی ذاتی شجاعت اور بے دھڑک بہادری کے سبب سے تھی اُسی قدر اُن کی آبائی بزرگی اور نسبی فضیلت اور قوم اور قبیلہ کی قوت اور شوکت کے سبب سے بھی تھی۔

حضرت عمر کو فاروق کا خطاب دیا گیا اور اُس شاہنشاہ دو جہان سرور کائنات افضل الانبیاء خدا کے برگزیدہ رسول صلعم نے یہ خطاب عنایت کیا۔ پس اس کی زندگی آفتاب سے بھی زیادہ ظاہر

ملہ لیف آف محمد صفحہ ۹۷۔

ہے۔ اکثر مورخین کا بیان ہے کہ یہ خطاب حضرت عمرؓ کو اُس وقت جب کہ وہ اسلام لائے اور اسلام
مکہ میں ظاہر ہوا اور علانیہ خدائے واحد کی عبادت کی گئی اور اُن کے اسلام لانے سے گویا حق اور باطل
میں تمیز اور تفریق ہو گئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا تھا۔ ابن عباس روایت کرتے ہیں
کہ انہوں نے ایک دن حضرت عمرؓ سے فاروقؓ نام پانے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے
اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کر کے یہ کہا کہ اُس وقت میں نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ کیا
ہم حق پر نہیں ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں حق پر ہیں۔ تو میں نے کہا کہ پھر حق کو کیوں چھپایا
جائے تو ہم ارقم کے گھر سے دو صفیں باندھے ہوئے نکلے ایک میں میں تھا اور ایک میں حمزہ
تھے یہانتک کہ مسجد میں پہنچ گئے۔ قریش نے جب میری اور حمزہؓ کی طرف دیکھا تو بہت رنج ہوا
اور آنحضرت نے اُس دن سے میرا نام فاروق رکھا۔ کیونکہ اسلام ظاہر ہوا اور حق اور باطل میں
تفریق ہو گئی[1]۔ مگر بہت سے مورخوں نے اِس خطاب کے حاصل کرنے اور حضرت عمرؓ کو یہ نام دیئے
جانے کو ایک اور زمانہ اور ایک اور واقعہ سے منسوب کیا ہے جو یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک یہودی
اور ایک مسلمان کے درمیان تنازعہ ہو گیا۔ ایک نے کہا کہ کعب ابن اشرف یہودی کو منصف مقرر
کریں اور دوسرے نے آنحضرت صلعم کو منصف بنایا۔ آخر جناب رسول اللہ سے فیصلہ کرانے پر
دونوں راضی ہوئے اور مقدمہ انفصال کے واسطے آنحضرت کے سامنے لے گئے۔ آنحضرت نے
یہودی کے حق میں فیصلہ کیا۔ مگر وہ مسلمان راضی نہ ہوا اور کہنے لگا کہ دوبارہ حضرت عمرؓ کے پاس
مقدمہ لے چلیں۔ جب دونو حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو تنازعہ کی کیفیت بیان کر کے یہودی نے
حضرت عمر سے یہ بھی بیان کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اِس مقدمہ کا فیصلہ دے چکے ہیں
مگر اُس کے مخالف نے اسے منظور نہیں کیا۔ مسلمان شخص نے یہودی کے اِس بیان کی تصدیق
کی جس کو سن کر حضرت عمرؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ تھوڑی دیر ٹھیرو میں اس کا فیصلہ
کئے دیتا ہوں۔ وہ آکر اپنی تلوار لے گئے اور ایک ہاتھ سے مسلمان کا سر اُس کے تن سے
جدا کر دیا اور بآواز بلند کہا کہ اُس شخص کی یہ سزا ہے جو خدا اور اُس کے رسول کے فیصلہ سے انحراف
کرے۔ اِس فعل سے حضرت عمرؓ کو فاروقؓ کا نام دیا گیا۔ اُس منافق مسلمان کے سر کو تن سے

[1] تاریخ الخلفا سیوطی۔

جدا کرنے اور حق اور باطل میں تمیز کرنے دونوں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے[1]۔

اگر سچ پوچھو تو اُس نسبت کے خیال سے جو حضرت عمرؓ کے حالات حضرت رسالتمآب صلعم اور بعد ازاں اُن کے زمانۂ خلافت سے حاصل ہو سکنے اور بیان کئے جانے کی ہے حضرت عمرؓ کا اسلام لانا گویا ان کا پیدا ہونا اور عدم کفر سے وجود اسلام میں آنا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظل رحمت میں بسر کرنا اور تربیت پانا گویا اُن کی طفولیت کا زمانہ ہے اگرچہ ہونہار اولاد کی طرح ہم اُن کو آنحضرت صلعم کے ساتھ ایک شریک اور مشیر کی مانند پاتے ہیں۔ اِس صورت میں اُن کی خلافت کے زمانہ کو اُن کے عہد شباب اور پیری سے موسوم کرنا چاہئے۔

حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے جس قدر اسلام اور مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی اُسی قدر کفار اور قریش زیادہ برافروختہ اور برانگیختہ ہو گئے[2]۔ ایک اور وجہ قریش کی برانگیختگی اور غصہ سے بھڑک اُٹھنے کی یہ ہوئی کہ جو مسلمان قریش کے ظلم سے بچنے کے واسطے ہجرت اولے کر کے حبشہ کو چلے گئے تھے اور نجاشی عیسائی بادشاہ حبشہ کے پاس جا کر پناہ لی تھی قریش نے نجاشی کے پاس اپنے سفیر بھیج کر اُن پناہ گیر مسلمانوں کو واپس طلب کیا تھا۔ مگر نجاشی بادشاہ نے انکار کیا اور سفیروں کو بے نیل مرام لوٹا دیا[3]۔ قریش مسلمانوں کو ایذا دینے اور ستانے میں اور زیادہ سختی اور تندی سے کوشش کرنے لگے جس پر آنحضرت نے مہاجرین حبشہ کو آرام و آسائش میں پا کر دوسری دفعہ اور مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی اور بعض کے نزدیک حضرت عمرؓ نے بھی اِس جماعت کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی ہے[4]۔ اگر یہ صحیح ہو تو حضرت عمرؓ کی طبیعت کے لحاظ سے اِس بات کا تسلیم کرنا مشکل ہوگا کہ انہوں نے اپنی جان کے خوف یا اپنی ذات کے آرام کے لئے ہجرت کی ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی دوسرا سبب مثلاً مہاجرین کی حفاظت وغیرہ اس کی وجہ ہو جیسا کہ اُن کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے حبشہ سے مکہ معظمہ میں

---

[1] جلال الدین بیضاوی ہسٹری آوف سیریسنس مصنفہ اوکلی۔ و قرآن انگریزی مترجمہ سیل حاشیہ صفحہ ۶۱ [2] ازالۃ الخفا روایت ابن مسعود
[3] ازالۃ الخفا روایت ابن مسعود و مناہج النبوۃ وغیرہ [4] تفسیر القرآن از سر سید احمد خان صاحب جلد چہارم صفحہ ۵۲

واپس آجانے کی روایت[۱] سے قیاس کیا جاسکتا ہے بہرحال آنحضرت اور مسلمانوں پر جو مکہ
میں تھے کچھ زیادہ دن اطمینان اور آرام کے نہ گذرنے پائے کیونکہ حضرت عمر اور حضرت حمزہ
کے اسلام لانے سے جو آسودگی مسلمانوں کے حال میں پیدا ہوئی تھی اور جس قدر تقویت
اُن کی جماعت کو پہنچی تھی اسی قدر حضرت خدیجہ اور ابوطالب عم رسول اللہ کے انتقال سے
جن کے رعب داب سے کسی قدر آنحضرت کو امن تھا ضعف پہنچ گیا[۲] آنحضرت نے طائف
میں جاکر بنی ثقیف کو خدا کے کلام کی طرف راغب کرنے میں کامیاب نہ ہوئے اور اہل مدینہ
کے حالات نے اچھی امیدیں دلائیں تو آنحضرت نے اصحاب کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے
کی اجازت اور ہدایت فرمائی۔ پہلی ہجرت حبشہ کی طرف سنہ ۵ نبوی میں ہوئی تھی دوسری
سنہ ۶ نبوی میں۔ یہ تیسری ہجرت مدینہ کی طرف سنہ ۱۰ نبوی میں ہوئی جس میں حضرت عمر
اور حضرت عثمان اور حضرت حمزہ اور اکثر اصحاب آنحضرت صلعم مکہ سے مدینے کو چلے گئے[۳]
آنحضرت صلعم کے پاس مکہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت علی کے سوا خاص اصحاب میں سے
کوئی نہ رہا جنہوں نے کہ آخر سنہ ۱۳ نبوی مطابق سنہ ۶۲۲ء میں آنحضرت کے ساتھ ہجرت کی +

حضرت عمر کے ہجرت کرنے کو بعض مؤرخین[۴] نے ایک واقعہ سے مخصوص کیا ہے کہ کسی
نے سوائے حضرت عمر کے علانیہ ہجرت نہیں کی جب وہ مکہ سے چلنے کے واسطے تیار اور آمادہ
ہوئے تو اپنی تلوار گلے میں لٹکا کر اور کمان کندھے پر رکھ کر ہاتھ میں تیر لئے ہوئے کعبہ میں
آئے جہاں کہ اکابر قریش جمع ہوئے بیٹھے تھے اور سات دفعہ طواف کیا اور دو رکعت نماز
ادا کی اور کہا کہ اُن کا بُرا ہو جو پتھروں کو اپنا خدا سمجھیں اور پھر کہا کہ جو شخص چاہتا ہو کہ
اُس کی جورو بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں وہ میرے پیچھے آئے اور ویرانہ میں مجھ سے ملے مگر
کسی کو اُن کے پیچھے جانے کی جرأت نہ ہوئی۔ گو اس قسم کی روایات کی صحت میں بحث
کی جاسکتی ہے مگر ہمارے پاس جیسے کہ اُن سے انکار کرنے کے واسطے قرائن موجود ہوں
ویسے ہی اُن کی صحت پر یقین کرنے کے واسطے قیاسات موجود ہوتے ہیں +

[۱] تفسیر القرآن سر سید احمد خان صاحب جلد چہارم صفحہ ۵۲ [۲] سپرٹ آف اسلام مولفہ مولوی سید امیر علی صاحب [۳] تفسیر القرآن
از سر سید احمد خان صاحب جلد چہارم و مناہج النبوۃ وغیرہ [۴] تاریخ الخلفا سیوطی و مدارج النبوۃ و مناہج النبوۃ صفحہ ۱۱

ایک اَور روایت جس کی صحت اور درستی میں اور اِس امر میں کہ حضرت عمرہی کی نسبت ہو کچھ شبہ ہوتا ہے مگر سر ولیم میور نے اس کو حضرت عمرہی کے نام سے نقل کیا ہے اُس کا درج کرنا بے جا نہ ہوگا وہ اِس امر کے بیان میں کہ بہت سے مسلمانوں کو جبر اور فریب سے ہجرت کرنے سے روکا گیا مفصلاً بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت عمر نے عیاش اور ہشام کے ساتھ مکہ سے باہر ایک مقام پر مل کر اور اکٹھے مدینہ کی طرف روانہ ہونے کی تجویز ٹھیرائی تھی۔ ہشام کو اُس کے کنبہ نے اس سے باز رکھا اور کچھ عرصہ تک بت پرستی کرنے پر مجبور کیا۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ پس میں اور عیاش تنہا چلے گئے اور قبہ تک سفر کیا جہاں سے ہم رفاع کے مہمان نواز گھر میں جا ٹھیرے۔ لیکن ابو جہل پیچھے ہی پیچھے مدینہ پہنچا اور عیاش کو آکر کہا کہ تیری ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تیرا مُنہ نہ دیکھیگی سایہ میں نہ بیٹھیگی اور بالوں میں تیل اور کنگھی نہ لگائیگی۔ تب میں نے عیاش کو کہا کہ تجھ کو دین سے برگشتہ کرنے کے واسطے یہ ایک چال ہے۔ تیری ماں اپنی قسم کو جلد توڑ ڈالیگی خبردار مدینہ کے پاس سے مت جائیو لیکن اس نے نہ مانا اور کہا کہ میں دین سے نہیں پھر سکتا۔ اپنی ماں کی قسم تڑوا کر اور اپنا اسباب لے کر جلد چلا آؤنگا تب میں نے اُس کو ایک تیز رفتار اونٹ دیا اور کہا کہ اگر فریب کا شبہ معلوم ہو تو اُس کی تیزی سے اپنے آپ کو بچا ئیو۔ لیکن جب وہ راستہ میں ایک جگہ اُترا تو اُس کے ہمراہیوں نے اُسے پکڑ کر رسیوں سے جکڑ لیا اور اِسی طرح مکہ لے گئے اور روک لیا۔ عیاش اُس وقت تک مکہ میں بت پرستی کرتا رہا۔ جب تک کہ مدینہ میں یہ آیہ شریف نازل ہوئی قل یعباد الذین اسرفو علی انفسہم لا تقنطو من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم اور حضرت عمر نے اُسی کو لکھ کر عیاش کے پاس بھیجا جس سے وہ دلیری کرکے مکہ سے مدینہ کی طرف چلا آیا"+

سب سے پہلے مدینہ میں مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم مسلمانوں میں سے پہنچے ہیں۔ جو لوگوں کو دین سکھلاتے تھے۔ اُن کے بعد حضرت عمر صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ اور ایک روایت میں بیس اصحاب کے ساتھ پہنچے۔ اُن کا جانا آنحضرت کی تشریف آوری کے واسطے

سلہ لیف اوف محمد جلد ۲ سر ولیم میور صفحہ ۱۲۷+

آنحضرتؐ نے اُس کی تعمیر میں خود دست مبارک سے کام کیا اور حضرت عمرؓ نے دوسرے خاص اصحاب سمیت پتھر اور مٹی ڈھونڈ کر جمع کی[1] اور ایک سادہ قطع کی مسجد تیار ہو گئی جو اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی مسجد ہونے سے ممتاز ہے اور ایک دوسرے درجہ کا شرف اُس کو یہ حاصل ہے کہ حضرت عمرؓ اُس میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے تھے اور کوڑا کرکٹ اور تنکے اکٹھے کرتے اور مسجد کو صاف کرتے تھے[1]۔

اس وقت سے حضرت عمرؓ ہر دم اور ہر لحظہ اور ہر ساعت آنحضرت صلعم کے ساتھ رہے اور آپ کے کاموں اور سرگزشتوں میں ممد اور مشیر رہے اور ان کے اور دوسرے صحابہ کے حالات آنحضرتؐ کے حالات سے گویا ملے جلے ہوئے ہیں لیکن یہ ایک غیر ضروری کام اور باعث طوالت ہوگا کہ آنحضرتؐ کے حالات کو جن کی بابت بیشمار مستقل کتابیں موجود ہیں حضرت عمرؓ کے حالات کی تکمیل کا باعث خیال کرکے زیادہ تر بیان کیا جائے پس ہم سوائے اُن خاص واقعات کے جو حضرت عمرؓ کی نسبت کسی خاص دلچسپی یا کیفیت کے ظاہر کرنے کے واسطے بیان نہیں کرینگے۔ البتہ واقعات کے قابل فہم ہو جانے کی ضرورت سے جہاں دوسرے تاریخی واقعات کے بیان کرنے کی ضرورت ہو گی وہ بیان کرنے پڑینگے۔

قریش اور کفار مکہ کے دلوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اُن کے قاتل ہاتھوں سے بچ کر سلامت نکل جانے اور اُن کے مہلک ارادوں کے پورا نہ ہونے کی زک اُٹھانے سے غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی اس پر مدینہ میں آنحضرت صلعم کی کامیابی اور دین اسلام کی روز افزوں ترقی اور بڑی بڑی جماعتوں کے مشرف باسلام ہونے کی خبروں نے اُن کے ساتھ وہ کام کیا جو ہوا آگ کے ساتھ کرتی ہے۔ اس کے سوائے ان کو مسلمانوں کی جماعت اور جمعیت کی ترقی سے ایک اور خدشہ یہ دامنگیر ہوا کہ مکہ کی جو بہت بڑی تجارت ملک شام کے ساتھ ہوتی تھی۔ اور اس سفر کے راستے مدینہ کے قرب میں واقع تھے اگر درمیان میں مسلمانوں کی جماعت زیادہ مضبوط اور قوی ہو گئی تو اُن کے تجارتی قافلوں

[1] منہج النبوۃ۔

کے واسطے امن اور سلامتی مخدوش ہو جاویگی۔ اگرچہ آنحضرت کی طرف سے جن کو وہی قوم
آمین کا خطاب دیکر ابھی بھولی نہیں تھی اس قسم کا خوف و اندیشہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔
مگر اُن کی اپنی طبائع اور سلوک کے لحاظ سے جو اُن کے پاس ایسے امور کی نسبت فیصلہ
کرنے کے معیار تھے اِس قسم کا خطرہ اُن کے دلوں میں پیدا ہونا ضروری تھا۔ پس
اُنہوں نے مدینہ بھی آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کو چین اور اطمینان سے زیادہ دنوں
نہ بیٹھنے دیا اور اُن غریب الوطن مسافروں اور ان کے پناہ دہندوں کو اپنی جان اور مال
کی حفاظت کے واسطے طوعاً و کرہاً تلوار اُٹھانے کے واسطے مجبور کیا۔ دو ہی سال میں قریش
نے پے در پے حملے کئے مگر صلح و صفائی پر تل گئے۔ آخر کار اِسی دوسرے سال کے آخر
پر قریش کے ایک بہت بڑی فوج جمع کرکے مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے کوچ کرنے کی
خبریں مدینہ میں پہنچیں۔ آنحضرت اور مسلمانوں کو ایک اور مشکل یہ درپیش تھی کہ مدینہ میں
رہ کر وہ دشمنوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔ اُنہوں نے اُس شہر میں مسافروں اور مہاجرین
کی طرح جاکر پناہ لی تھی اور گو بعض قبائل اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے مگر شہر کے
مالک نصاریٰ تھے اور اُن کو کفار مکہ اور قریش کے ساتھ ہمدردی ہونی ضروری تھی
اور اگر اُن سے ہمدردی نہ کرتے تو کم سے کم مسلمانوں کو اپنے شہر میں پناہ دینے کو
اپنے لئے ایک مصیبت ضرور خیال کرتے کہ اُن کے ساتھ ہی ساتھ اُن کے دشمنوں کے
حملے نے اُن کے شہر کے امن و آسائش کو برباد کردیا۔ پس نہ تو شہر مسلمانوں کا تھا کہ
اس میں محصور ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کرتے نہ تمام باشندوں کو اُن سے ہمدردی تھی کہ
اُن کی طرف سے بے خطر اور بے اندیشہ ہو کر دشمنوں سے لڑائی کرتے۔ پس آنحضرت نے
مسلمانوں کو ترغیب دی کہ قریش کے اِس حملہ کے دفع کرنے کے واسطے خدا پر توکل
کرکے مدینہ سے باہر جاکر دشمنوں سے لڑیں اور مکہ کی طرف روانہ ہونے کے واسطے
آمادہ کیا۔ اِسی اثنا میں قریش کے ایک تجارتی قافلہ کے شام سے مکہ کی طرف بسرداری
ابی سفیان گذرنے والا ہونے کی خبر پہنچی۔ اور گو بعض اصحاب کو قافلے کے لوٹنے کا
خیال ہو مگر یہ امر آنحضرت کے ارادہ اور منشاء کے بالکل خلاف تھا اُنہوں نے مکہ کی

طرف کوچ کیا جدھر سے غنیم کے لشکر کے آنے کی خبر تھی نہ کہ شام کی طرف جدھر سے قافلہ آرہا
تھا۔ جب آنحضرت مقام بدر کے قریب پہنچے جو مدینہ سے تین منزل پر بحر احمر کے کنارے
کے پاس واقع ہے اور اس نام کے ایک چشمہ کے سبب سے مشہور تھا تو بعض اصحاب نے
یہ رائے دی کہ قریش کا مقابلہ اور مدافعت اور اُن سے لڑائی کرنے کے ارادہ کو ترک کر کے
قافلے کو لوٹنے کے واسطے تدبیر اور تعاقب کیا جائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یہ رائے
سُن کر نہایت برآشفتہ ہوئے۔ مگر حضرت عمر نے کھڑے ہو کر اس رائے کی مخالفت کی۔ اور
کہا کہ یہ قریش بڑے مغرور اور معزز اور غالب ہیں۔ نہ اُنھوں نے اب تک اسلام قبول کیا اور
نہ آیندہ اسلام قبول کرینگے اور آپ سے اور مسلمانوں سے جنگ وجدل کرنے سے باز نہ آئینگے
اور ناچار اُن سے لڑائی اور مقابلہ کرنا پڑیگا۔ پس آپ بھی اُن سے جنگ کرنے کے ارادے
میں مستعد رہیں۔ حضرت عمر کی اس رائے سے آنحضرت نہایت خوش ہوئے اور بڑھتے
ہوئے بدر کے مقام پر پہنچ گئے جو اسلامی تاریخ میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان حق اور
باطل میں فیصلہ کرنے اور پہلے جنگ کا مقام ہونے کے واسطے مشہور رہنے والا تھا۔
آخر کار قریش کے عمدہ اور لشکر سے سامنا ہوا۔ اور آنحضرت صلعم نے اتمام حجت کے واسطے
حضرت عمر کو قریش کے پاس یہ پیغام پہنچانے کے واسطے بھیجا کہ میں تم سے جنگ کرنا اور لڑنا
ہرگز پسند نہیں کرتا اور مناسب یہ ہے کہ تم یہیں سے اپنے وطن کو پھر جاؤ۔ حضرت عمر نے
یہ پیغام نبی کریم کا قریش کے پاس پہنچا دیا مگر قریش کب ماننے والے تھے۔ حکیم بن حزام نے
اگرچہ آنحضرت صلعم کے اس فرمودہ کی بہت تعریف کی مگر ابوجہل نے حقارت سے جواب دیا کہ

سلہ مسلمان مورخوں نے بھی کہ اُن کی عادت ہے آنکھیں بند کر کے اس قسم کی روایتیں بیان کی ہیں کہ آنحضرت قافلہ کے لوٹنے کے
ارادہ سے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے اور مخالفین کو بانی اسلام کے پاک ارادوں پر نکتہ چینی کرنے اور حرف رکھنے کا موقع دیا ہے مگر
قرآن مجید کی آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت بارادۂ جنگ مکہ سے روانہ ہوئے تھے اور زیر تاریخ سے بھی ایک منصف
اور عقلمند شخص یہی امر بخوبی ثابت اور مستنبط کر سکتا ہے۔ نہ تو آنحضرت مدینہ سے قافلہ لوٹنے کے واسطے نکلے تھے نہ ابوجہل
اس قافلہ کی حفاظت کے واسطے آیا تھا کیونکہ اس صورت میں جب قافلہ صحیح وسلامت چلا گیا تو اُس کو لوٹ جانا چاہئے تھا
مگر وہ بھی بارادہ جنگ آرہا تھا اور نہ لوٹا۔ اس بحث کو مفصل دیکھنا ہو تو تفسیر القرآن از سر سید احمد خان صاحب جلد چہارم کے
شروع میں دیکھو۔ مؤلف۔ سلہ لیف آف محمد مولفہ سر ولیم میور و منہاج النبوۃ ترجمہ مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۱۰۹ سلہ مغازی واقدی
[illegible] صفحہ ۱۲۸

اب تم ہمارے قابو میں ہو ہم بدلا لئے بغیر تمہیں کب چھوڑتے ہیں[1]۔ غرض لڑائی اٹل تھی اور
ہوئی۔ خداوند تعالےٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور دشمنوں کا مال اسباب اور قیدی اُن کے
ہاتھ آئے +

ایسی بڑی جنگ کی صورت میں یہ سب سے پہلا موقع مسلمانوں کے امتحان اور آزمائش
کا تھا۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش میں اُن کے خویش و اقربا جو کفر کی حالت میں تھے موجود
تھے حضرت عمر نے بدر میں اول سے آخر تک اپنے جوش اور محبت اسلامی کا جس نے قرابت
اور خویشاوندی کے تمام خیالات کو اُن کے دل سے محو کر دیا تھا ایسا ثبوت دیا کہ وہ کسی
دلیل کا محتاج نہیں ہے اُنہوں نے اپنے حقیقی ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو اپنے
ہاتھ سے قتل کیا[2] اور کوئی خون کا رشتہ جو درحقیقت فرزندان اسلام کے نئے اخوت
کے پیوندوں کے سامنے کمزور ہو کر ٹوٹ چکا تھا خونخوار تلوار کے اُٹھانے سے مانع
نہ ہو سکا +

حضرت عمر کے رُعب کا ثبوت پیش کرنا ایک غیر ضروری کام ہے۔ مگر تاہم واقعات کو
چھوڑا نہیں جا سکتا۔ قریش مکہ جو مدینہ پر چڑھائی کر کے آئے تھے اُن میں بنی ہاشم کو وہ
جبراً اور زبردستی نکال کر ساتھ لائے تھے وہ اس بات پر رضامند نہ تھے کہ آنحضرت صلعم
کے مقابلہ میں جو گویا اپنا ہی مقابلہ تھا ہتھیار اُٹھائیں مگر ابو جہل نے اُن کو سخت جوش
دلا کر اور تنگ کر کے اس مہم میں شریک کیا تھا آنحضرت صلعم کو یہ حال معلوم تھا اور آنحضرت
کے چچا عباس بھی انہیں میں تھے۔ آنحضرت صلعم نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے حکم دیا
تھا کہ جو شخص عباس اور ابو البختری بن ہشام کو ملے اُن کو قتل نہ کرے کیونکہ وہ اپنی رضامندی
سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ مگر ابو حذیفہؓ بن عتبہ نے اس حکم پر بگڑ کر کہا کہ کیا ہم اپنے
خویش و اقربا کو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں۔ واللہ اگر میں اُس سے ملا تو اُس کو قتل
کرنے سے نہ رکونگا۔ آنحضرت صلعم نے جب یہ سُنا تو حضرت عمر سے کہا کہ اے ابا حفص
کیا رسول اللہ کا چچا تلوار سے قتل کیا جاویگا ؟ حضرت عمر نے ارادہ کر لیا تھا کہ حذیفہ کی

[1] مغازی واقدی صفحہ ۴۳ [2] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا ۔ مغازی واقدی وغیرہ +

کی اس گستاخی کی سزا اُس کی جان کا مول ہو۔ مگر وہ اپنی اِس حرکت پر نادم ہُوا اور اسی ندامت نے آخر کار یمامہ کے دن اس کا سر شہادت کے شوق میں خوشی سے دشمن کی تلوار کے آگے رکھ دیا۔ اسی روایت میں آنحضرت نے حضرت عمر کو ابا حفص کی کنیت سے پکارا۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا موقع ہے کہ آنحضرت نے مجھے اس نام سے پکارا۔

حضرت عمر کی شجاعت اور قوت ہی ایسے موقعوں پر ایک کارآمد چیز نہیں تھی بلکہ اُن کی احتیاط اور دور اندیشی بہت کام آتی تھی وہ ہر طرف نگاہ رکھتے تھے اور جنگ آزمودہ سردار کی طرح وقت اور موقع کی ضروریات مسلمانوں کو سمجھا دیتے تھے۔ جنگ ہی میں عاصم بن ابی عوف یہ پکارتا ہُوا بڑھا آتا تھا کہ آنحضرت کو قتل کرونگا۔ اگر وہ بچ گئے تو پھر ہم نہ بچینگے۔ ابودجانہ سے اس کا مقابلہ ہو گیا اور تلوار چلنے لگی۔ آخر ابودجانہ نے اس کو قتل کر ڈالا اور اس کا ساز و سامان اُتارنے میں مصروف ہو گیا۔ حضرت عمر نے دیکھ کر اس کو منع کیا اور کہا کہ جب تک دشمن پر فتح کامل نہ حاصل ہو اِس اسباب کی فکر چھوڑ دے اور میں شاہد ہوں کہ تو ہی اِس اسباب کا مستحق ہے[۱] +

بدر کی لڑائی میں قریش کے لشکر میں سے ستر آدمی بطور قیدی کے گرفتار ہو گئے تھے اُن کی نسبت یہ بحث درپیش ہوئی کہ ان سے کیا سلوک کرنا چاہئے۔ تمام مورخین نے جس طرح پر اس واقعہ کو بیان کیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ ان قیدیوں کی نسبت جب آنحضرت نے اصحاب سے مشورہ طلب کیا تو حضرت عمر نے اُن کے قتل کرنے کی رائے دی اور حضرت ابوبکر نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی۔ آنحضرت نے ابوبکر کی رائے کو پسند کیا اور فدیہ لے کر سب کو چھوڑ دیا۔ مگر خداوند تعالے نے اِس بات کو ناپسند کیا اور یہ آیت نازل ہوئی ماکان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم۔ لولا کتب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم۔ ترجمہ۔ نہیں ہے نبی کے لئے کہ ہوں اُس کے لئے قیدی یہاں تک کہ گھمسان کر دیں زمین میں یعنے ملک میں تم چاہتے ہو مال دُنیا کا اور اللہ چاہتا ہے آخرت کو اور اللہ غالب ہے حکمت والا

[۱] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا و مناہج النبوت [۲] مغازی واقدی صفحہ ۴۲ +

اگر نہ ہوتا لکھا ہوا اللہ کی طرف سے پہلے سے بیشک تم کو پہنچتا اُس میں جو تم نے لیا عذاب
بہت بڑا"۔ مورخین اور مفسرین اِس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ خدا نے فدیہ لینے کو
ناپسند کیا اور حضرت عمر کی رائے کو جو اُن سب کو قتل کرنے کی تھی پسند فرمایا اور حضرت عمر
کی اِس رائے کو حضرت عمر کے موافقات میں یعنی جو رائیں اُن کی منشاء حق اور وحی الٰہی
کے موافق ہوئی ہیں شمار کرتے ہیں لیکن یہ ایک عام غلطی ہے جو ان آیات کی تفسیر اور
اِس واقعہ کی تشریح میں داخل ہو گئی ہے۔ صحیح تفسیر اور اصلیت واقعہ کی جو ایک بزرگ
مفسر نے اپنی تفسیر[۵] میں بیان کی ہے حسب ذیل ہے:-

بدر کی لڑائی میں قریش مکہ کے تمام لشکر سے جو ان کے ساتھ آیا تھا لڑائی نہیں ہوئی
تھی۔ بلکہ ایک گروہ سے جو لڑنے کو نکلا تھا لڑائی ہوئی تھی جیسا کہ آیت واذ یریکموھم
اذ التقیتم فی سے ثابت ہوتا ہے۔ اُس گروہ کو جو مقابلہ میں آیا تھا شکست ہوئی اور
تمام لشکر قریش مکہ ایسا پریشان ہو گیا تھا کہ کسی کو پھر مقابلہ کرنے کی جرات نہیں ہوئی تھی اور
مسلمانوں نے اُن کا تعاقب بھی نہیں کیا جیسا کہ خدا نے اِسی سورۃ میں فرمایا ان تستفتحوا
فقد جاءکم الفتح وان تنتھوا فھو خیر لکم مگر قریش مکہ کے لشکر میں سے ستر آدمی بطور قیدی
کے گرفتار ہو گئے تھے۔ ان قیدیوں کی نسبت آنحضرت صلعم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ
کیا کیا جائے چنانچہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ فدیہ لینے پر خدا نے اپنی ناراضی ظاہر
کی کیونکہ وہ لوگ بغیر لڑنے کے پکڑے گئے تھے اور اسی لئے لڑائی کے قیدی جن سے
فدیہ لیا جا سکتا نہیں تھے۔ اسی پر خدا کی ناراضی ہوئی اور خدا نے فرمایا کان لنبی ان یکون
لہ اسری الخ۔ جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اُن کے قتل نہ کرنے پر خدا کی ناراضی ہوئی
تھی کسی طرح پر صحیح نہیں ہو سکتی۔ اِس لئے کہ خدا تعالے نے جب اُن کا قیدی جنگ
ہونا ہی نہیں قرار دیا تو اُن کے قتل نہ کرنے پر کیوں کر ناراضی ہو سکتی تھی +

اب یہ بات کہ حضرت عمر کی رائے ایسی سختی کرنے کی کیوں تھی ہم پھر بیان کریں گے حضرت عمر
کی ایک یہی رائے اِس قسم کی نہیں ہے بلکہ ایسی ہی اور بہت سی رائیں ہیں ہم سب کو

[۵] تفسیر القرآن از سید احمد خان صاحب جلد چہارم صفحہ ۴۰ +

بیان کر لینے کے بعد بحث کرینگے کہ اُن میں بھی ایک مخفی حکمت اور مصلحت تھی +

فتح بدر کے بعد ایک اور واقعہ ہوا جو حضرت عمر کی محتاط اور سخت طبیعت کی مثال ہے عمیر بن وہب جو قریش میں سے ایک جنگ اور دلیر شخص تھا اپنے بھائی کو جو قیدیوں میں گرفتار تھا چھڑانے کے واسطے آیا۔ مسجد کے دروازے پر جب اُس نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا تو حضرت عمر کی نظر اُس پر پڑی گلے میں تلوار لٹکاتے ہوئے دیکھ کر اور بھی زیادہ خیال ہوا۔ اور کہا کہ یہ دشمن خدا وہی ہے جو بدر کے دن قوم کو بھڑکاتا اور اُکساتا تھا۔ وہ جھپٹ کر آنحضرت صلعم کے پاس گئے اور بیان کیا کہ عمیر بن وہب اس حال میں آیا ہے۔ آنحضرت نے اپنے پاس لانے کا حکم دیا۔ حضرت عمر نے آکر اُس کی تلوار کا تسمہ جو گلے میں پڑا ہوا تھا پکڑ لیا اور آنحضرت صلعم کے پاس لے چلے اور کہا کہ اس کی شر سے آنحضرت صلعم کی حفاظت کرنی چاہیئے کیونکہ اس کا جانا مامون نہیں ہے آنحضرت صلعم نے اس کو اس طرح لاتے دیکھ کر فرمایا کہ اے عمر اسے چھوڑ دے اور عمیر کو پاس بلا لیا۔ گو آنحضرت خدائے بزرگ کے قادر و با ور ہاتھوں کو اپنے حفظ اور امن کا ذمہ وار سمجھ کر ایسے امور کی بہت کم پرواہ کرتے تھے۔ مگر حضرت عمر اور اُن کے اصحاب کے واسطے آنحضرت صلعم کی نسبت ایک ذرا سا خوف کا خیال بھی احتیاط ضروری کرنے کے واسطے کافی تھا۔ خدا کی جس رحمت کو انہوں نے اپنی جان و مال اور دُنیا کی عزیز سے عزیز چیزوں کے بدلے خریدا تھا۔ اُس کی حفاظت سے بڑھ کر کس چیز کا خیال ہو سکتا تھا۔ اسلام کے آسمان کے ہمارے اس بزرگ اور روشن ستارے (حضرت عمرؓ) اور اُس آفتاب عالمتاب حضرت سرور کائنات کے درمیان جو روحانی رشتہ اور تعلق تھا وہ تیسرے سال ہجرت (اور ایک روایت میں دوسرے سال) میں ایک جسمانی پیوند سے اور زیادہ مستحکم ہو گیا حضرت عمر کی بیٹی حفصہ سے جو خنیس بن حذافہ سہمی کی بیوی اور بیوہ ہو گئی تھیں آنحضرت نے نکاح فرمایا +

ماہ شوال ۳ سنہ ہجری میں دوسرا مشہور جنگ احد مسلمانوں اور قریش کے درمیان ہوا۔

---

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا بروایت عروہ بن زبیر۔ و مغازی واقدی صفحہ ۹۴ +

قریش نے جنگِ بدر میں جو شکست پائی تھی اُس کا بدلہ لینے کی آگ اُن کے دلوں میں بھڑک رہی تھی۔ پس ابو سفیان مکہ سے تین ہزار لڑنے والوں کے ساتھ لڑنے اور مدینہ پر حملہ کرنے کے واسطے روانہ ہوا۔ خلاصہ واقعات کا یہ ہے[۱] آنحضرت صلعم بھی اِس حملہ کی خبر سن کر مدینہ سے روانہ ہوئے اور اُحد کے پاس قیام کیا۔ نہایت سخت لڑائی ہوئی مسلمانوں کی فتح کامل ہونے کو تھی کہ لوگ لوٹنے میں مشغول ہوئے اور فتح کی شکست ہوگئی۔ آنحضرت صلعم کے چار دانت پتھر کے صدمہ سے ٹوٹ گئے اور مشہور ہو گیا کہ آنحضرت صلعم شہید ہو گئے اس پر بہت لوگ بھاگ نکلے جب معلوم ہوا کہ آنحضرت صحیح و سالم ہیں تب سب لوگ ایک محفوظ جگہ میں اکٹھے ہو گئے۔ دوسرے دن قریش مکہ نے وہاں سے کوچ کیا اور مکہ کو چلے گئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شہدا کو دفن کیا اور مدینہ میں چلے آئے ؛

اِس جنگ میں بھی جو حضرت حمزہ اور بہت سے اصحاب رسول اللہ کے شہید ہونے اور مسلمانوں کو شکست ہونے کے سبب سے بدنام ہے حضرت عمر نے کارزار کے سخت معرکہ میں کچھ کم دلیری اور شجاعت نہیں ظاہر کی۔ قریش کی ایک جماعت سے جب وہ پہاڑ پر چڑھ کر غلبہ حاصل کرنا چاہتی تھی حضرت عمر نے چند مسلمانوں کے ساتھ بڑھ کر نہایت سخت مقابلہ کیا اور لڑ کر پہاڑ سے گرا دیا[۲]۔ اگر لوگ لوٹنے میں مصروف نہ ہو جاتے تو مسلمانوں کی فتح کامل ہو چکی تھی۔ خالد بن ولید نے جب مسلمانوں کو اِس طرح مصروف دیکھا تو موقع پا کر اپنے سواروں کے ساتھ پچھلی طرف سے اُن پر آن پڑا اور مسلمان درمیان میں گھر گئے۔ اور لڑائی کی صورت تبدیل ہو گئی۔ آنحضرت صلعم کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت عمر سخت زخمی ہوئے[۳] مگر اس پر بھی وہ لڑنے اور مقابلہ کرنے میں استوار رہے۔ لیکن جب آنحضرت صلعم کے شہید ہونے کی خبر مشہور ہوئی تو اُن کی کمر بس ٹوٹ گئیں اور حضرت عمر مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ دل شکستہ اور مایوس ہو کر بیٹھ گئے[۴] اور بہت لوگ مدینہ کی طرف بھاگ نکلے لیکن جب اِس نامبارک خبر کی غلطی

[۱] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء بروایت ابن اسحاق [۲] سیرٹ ارث اسلام صفحہ (۱۵۶) [۳] مغازی واقدی صفحہ ۲۰۴ ؛

معلوم ہوئی تو خاص اصحاب آنحضرت کے گرد جمع ہوئے اور کفار سے بچانے میں مصروف ہو گئے۔ ابن قمیہ نے قریش میں جاکر مشہور کر دیا تھا کہ میں محمد صلعم کو قتل کر آیا ہوں۔ ابوسفیان اس خبر کی تصدیق کرنے کے واسطے بلندی پر کھڑا ہو گیا اور مسلمانوں کو پکار کر کہا کہ پیغمبر تمہارے زندہ ہیں یا شہید ہو گئے۔ مسلمانوں میں سے کسی نے جواب نہ دیا تو اُس نے پھر کہا کہ ابن قحافہ (حضرت ابوبکر) تم میں ہیں یا نہیں۔ پھر کہا کہ ابن خطاب (حضرت عمر) تم میں ہیں یا نہیں۱؎۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو قریش کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ یہ سب مارے گئے اگر کوئی ہوتا تو جواب دیتا اور خوشی میں آکر اپنے بُت ہُبل کی ثنا کرنے لگا اور کہا "اعل ہبل (اے ہبل بلند ہوجا) آج بدر کے دن کا بدلا لیا گیا" حضرت عمر سے اب نہ رہا گیا اور آنحضرت کی اجازت سے جو جواب دینے سے روکتے تھے باواز بلند کہا "اللہ اعلیٰ واجل تم ہمارے مساوی نہیں ہوسکتے کہ تمہارے قتیل دوزخ میں ہیں اور ہمارے جنت میں۲؎"۔ حضرت عمرؓ کی آواز سُن کر ابوسفیان کے کان کھڑے ہو گئے اور اُن سے کہا کہ میرے نزدیک آئیے۔ حضرت عمر آنحضرت صلعم سے اجازت لے کر نزدیک گئے۔ تو اُس نے آنحضرت کی نسبت دریافت کیا کہ ہم نے کیا اُن کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ وہ بفضل الٰہی زندہ اور تیری باتیں سُن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا یہی درست ہے کیونکہ ابن قمیہ سے تو میرے نزدیک سچا ہے۳؎۔ مسلمانوں کا اگرچہ لڑائی میں بہت نقصان ہوا مگر قریش کی جمعیت ابتدا ہی میں ٹوٹ چکی تھی فتح کے بعد بھی وہاں ٹھیرنے کی تاب نہ لاسکے اور مکہ کی طرف کوچ کر گئے۔ آنحضرت مدینہ چلے آئے۔ مسلمانوں کی اس شکست کے سبب سے یہود کو ایک موقع مسلمانوں کو بہکانے کا مل گیا کہ اگر تم مسلمان نہ ہوتے تو یہ تکلیف کیوں اُٹھاتے حضرت عمرؓ اسی کو سن کر بھڑکے اور آنحضرت سے اجازت چاہی کہ ان یہود و منافقین کو قتل کر ڈالیں مگر آنحضرت ایسے امر کی کب اجازت دینے لگے تھے۔

یہودیوں کی ایک قوم بنی نضیر اور آنحضرت کے درمیان باہمی حسن سلوک کا معاہدہ

۱؎ مناہج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۹۰۔ ۲؎ ازالۃ الخفا بروایت ابن اسحاق و مناہج النبوت جلد دوم صفحہ ۲۸۹۔

۳؎ ازالۃ الخفا بروایت ابن اسحاق و مغازی واقدی صفحہ ۲۲۱۔

آخر لڑائی ہوکر بنی مصطلق کو شکست ہوئی۔ اور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔[1]

اِس فتح کے بعد چند روز تک مسلمانوں کا لشکر چشمہ مریسیع پر مقیم رہا۔ اسی اثنا میں ایک دن حضرت عمرؓ کے خادم جہجاہ غفاری اور ایک اعرابی یا انصار کے درمیان کچھ تکرار ہوئی۔ جہجاہ نے ایک تھپڑ اُس کو مار دیا۔ اُس نے شور و غل کر کے اہل مدینہ کو اپنی امداد کے واسطے جمع کر لیا۔ مہاجرین بھی اکٹھے ہوگئے اور باہم سخت کلامی بلکہ تلواروں پر ہاتھ بڑھانے تک نوبت پہنچ گئی[2] انصار درحقیقت عبداللہ بن ابی کے بھڑکائے ہوئے تھے اپنی غلطی کا اقرار کر کے طالب معافی ہوئے اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ عبداللہ بن ابی اپنے منافقانہ چلن میں مشہور ہوچکا تھا اور کئی دفعہ مسلمانوں پر سخت سے سخت چوٹیں کر چکا تھا۔ احد کے دن تین سو آدمیوں کو بہکا کر آنحضرت کے لشکر سے علیحدہ کر لے گیا تھا اور لشکر کی جمعیت کو ضعیف کر دیا تھا[3]۔ بنی نضیر کو بھڑکا کر مسلمانوں سے لڑا ہی دیا تھا[4]۔ اب بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک ہونے سے اُس کا مطلب غنیمت کے لالچ کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس خفیف تکرار میں جو دو غیر معروف آدمیوں میں ہو پڑا تھا اس کو انصار کو برانگیختہ کرنے کا موقع ملگیا اور ذرا سی بات کا طومار عظیم بنا دیا اور انصار کو جوش دلانے کے واسطے یہانتک کہ گذرا کہ یہ مصیبت تم نے آپ ہی غیروں کو بلا کر اور اپنے شہر میں بُلا کر ہم پر ڈالی ہے اب مدینہ میں چل کر جو زبردست ہوگا وہ اپنے سے ضعیف اور ذلیل کو نکال دیگا[5]۔

زید بن ارقمؓ نے یہ الفاظ اُس کے سُن پائے تھے اور آنحضرت صلعم کے گوش گذار کر دیئے حضرت عمرؓ سُن کر جوش میں آگئے اور اُس منافقین کے سرگروہ کے مار ڈالنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر عبداللہ اور دوسرے لوگوں نے عذر خواہی کی اور آنحضرت نے اپنی معمولی طبع کریم اور رحیم سے اُس کو معاف کر دیا اور حضرت عمرؓ کو اپنے ارادے سے باز رہنے کو فرمایا[6]۔ عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ نے جو راسخ العقیدہ اور صادق الایمان تھا

---

[1] لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۰۰ [2] سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۵۴۔ [3] سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۶۶ [4] لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۰۸ [5] ازالۃ الخفا و لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور۔

اپنے باپ کو اس حرکت پر ملامت کی اور پھر آنحضرت کے پاس حاضر ہو کر عرض کی کہ میں نے
سُنا ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی کی شکایت گذرنے پر اُس کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر
یہ ارادہ پختہ ہو تو مجھے حکم ہو میں اُس کا سر کاٹ لاؤں۔ کیونکہ خزرج جانتے ہیں کہ اُن میں
مجھ سے زیادہ اپنے باپ سے بھلائی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ مجھے خوف ہے کہ اگر آپ
سوا کسی دوسرے نے میرے باپ کو قتل کیا تو مجھے اُس کے قاتل کو زندہ دیکھنے کی
برداشت نہ ہوگی۔ اور میں ایک کافر کے بدلہ کسی مومن کو قتل کرنے سے دوزخ کا مستوجب
ہو جاؤنگا +

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نہیں ہم اُس کے ساتھ احسان کرینگے اور جب تک ہمارے ساتھ
رہیگا اُس کی صحبت کو اچھا سمجھینگے[1]۔ آنحضرت کے اس احسان اور کرم نے خود عبداللہ
کی قوم کو اُس سے بدظن اور بدعقیدہ کر دیا۔ اور وہی اُس کو کافی عتاب اور سرزنش کرتے
تھے اور بے عزتی اور بے حرمتی سے پیش آتے تھے۔ آنحضرت نے یہ کیفیت سُنکر حضرت عمر
سے فرمایا کہ اے عمر تیری کیا رائے ہے جس روز تو نے اُس کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا
اگر تو اُس کو قتل کر دیتا تو اس وقت تجھے کتنا رنج اور پریشانی ہوتی (یعنی مسلمانوں کے
درمیان فساد ہوتا۔ حالانکہ اسی طرح اُس کو کافی سزا مل گئی ہے) حضرت عمر نے کہا خدا کی
قسم میں جانتا ہوں کہ میری بات سے رسول اللہ کی بات بڑی برکت والی ہے[2]۔ اسی واقعہ
کے بعد سورۂ منافقون مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ ہم اس قسم کے واقعات سے بخوبی
سمجھ سکتے ہیں کہ آنحضرت کے ظل رحمت میں حضرت عمر کس طرح تربیت حاصل کر رہے تھے
جو آیندہ اسی ذات پاک کی برکتوں کو بہت عرصہ تک دُنیا میں بالواسطہ جاری رکھنے کا ذریعہ
ہونے والی تھی +

ماہ ذیقعد سنہ ۵ ہجری میں خندق کی لڑائی ہوئی۔ بنی نضیر کے یہودی جو جلاوطن کئے گئے
تھے بنی وائل کے ساتھ قریش مکہ کے پاس گئے اور اُن کو مدد دینے کا وعدہ کر کے مدینہ پر
چڑھا لائے۔ ابوسفیان قریش کا سردار تھا اور بنی غطفان کے لوگ بھی شریک تھے۔ آنحضرت صلعم

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء و لیف آف محمد مولفہ سر ولیم میور۔ [2] ازالۃ الخفاء و لیف آف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۰۸ +

نے اس خبر کو سن کر مدینہ سے باہر جاکر لڑنا مناسب نہ سمجھا اور مدینہ کے گرد خندق کھود کر مورچہ بندی کی۔ یہود بنی قریظہ بھی معاہدہ توڑ حملہ آوروں کے ساتھ شریک ہوگئے۔ اور مدینہ اور مسلمانوں کی حالت نہایت خطرناک ہوگئی۔ حضرت عمر کی مساعی نے بہت کچھ کام دیا۔ خندق کی ایک طرف کی محافظت اُن کے ذمہ تھی۔ خوب جان توڑ کر لڑے اور حفاظت کے اعتبار کا حق ادا کیا۔ بعد ازاں اسی مقام پر اُن کے نام پر وہاں مسجد بنا ہوئی ہے[1] قریش اور کفار اور یہود ایک مہینہ تک محاصرہ کئے پڑے رہے اور لڑائیاں ہوتی رہیں۔ حضرت عمر نے ایک دن زبیر کی جماعت کے ساتھ کفار پر حملہ کیا اور جماعت کو متفرق کر دیا۔ اگرچہ اس سخت حملہ سے مسلمانوں کے جانبر ہونے کا اور ایک شخص کے بچنے کی بھی توقع نہ تھی۔ مگر مسلمانوں کی جانبازیوں نے دشمن کو محاصرہ اٹھا کر ناکام واپس چلے جانے پر مجبور کیا +

چھٹے سال ہجرت کے ذیقعد مہینہ میں آنحضرت صلعم نے مکہ میں جاکر حج و عمرہ ادا کرنیکا ارادہ کیا اور بغیر کسی لڑائی کے خیال کے اسباب ضروریات حج و عمرہ ساتھ لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب آنحضرت حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو قریش مکہ کو اندیشہ ہوا اور مکہ میں آنے سے روکا۔ اور دونو طرف سے پیغام جاری ہوئے۔ پہلا قاصد جو مسلمانوں کی طرف سے مکہ بھیجا گیا۔ قریش نے اس کو پکڑ کر نہایت ایذا پہنچائی۔ اور آنحضرت کی سواری کے اونٹ کو لنگڑا کر دیا بلکہ جان کا اندیشہ ہوا[2] لیکن جب اُن کا پہلا جوش رفع ہوگیا تو آنحضرت صلعم نے حضرت عمر سے کہا کہ قریش مکہ کے پاس جاکر اُن کو فہمائش کرو کہ ہم جنگ و پیکار کا ارادہ نہیں رکھتے اور حج و عمرہ ادا کرنے میں ہمارے مزاحم نہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آنحضرت پر بخوبی روشن ہے کہ قریش مجھ سے کس درجہ عداوت اور سخت دشمنی رکھتے ہیں اور مکہ میں بنی عدی (حضرت عمرؓ کا قبیلہ) میں سے کوئی نہیں ہے جو میری حمایت کریگا۔ پس حضرت عثمان کا بھیجنا مناسب ہوگا کیونکہ اُن کا قبیلہ مکہ میں نہایت قوی اور عزیز و اقارب موجود ہیں جو اُن کو کسی قسم کے تعرض سے محفوظ رکھینگے[3]۔ درحقیقت آنحضرت صلعم نے جو

---

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ [2] لیف آف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۴۷ [3] لیف آف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۴۷۔ مناہج النبوت جلد دوم صفحہ ۲۲۹ مغازی واقدی صفحہ ۳۰۶ +

اگر کوئی شخص قریش مکہ میں کا بلا اجازت اپنے ولی کے آنحضرت کے پاس چلا آئے تو آپ اُس کو قریش مکہ کے پاس بھیج دینگے۔ اگر آنحضرت کے ساتھی قریشیوں میں سے کوئی شخص مکہ میں چلا جائے تو قریش واپس نہیں دینگے۔ جب یہ شرائط طے ہو گئیں مگر ابھی عہد نامہ تحریر نہیں ہوا تھا کہ حضرت عمر مسلمانوں کے ایسے ضعف اور عاجزی کی شرطیں منظور کر لینے پر غیرت سے طیش کھا کر درمیان سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس جا کر شکایت کی اور کہا کہ کیا آنحضرت رسول اللہ اور ہم مسلمان نہیں ہیں اور کیا یہ مشرک اور کافر نہیں ہیں۔ اُنہوں نے کہا ہاں ہیں۔ تو کہنے لگے کہ پھر ہم کیوں اپنے اور دین کے واسطے ایسی پستی اور ضعیف گوارا کریں۔ پھر آنحضرت کے پاس جا کر بھی یہی کہا۔ مگر آپ کے سمجھانے سے مان گئے بلکہ آنحضرت کے منشا کے خلاف چاہنے پر اپنی غلطی کا اقرار کیا اور اس کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا عہد کیا[1]۔ جب عہد نامہ لکھا گیا تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور چند اصحاب کے دستخط بطور شہادت کے اُس پر ثبت ہوئے حضرت عمر کو معاہدے کی جو شرط سب سے زیادہ ناپسند تھی وہ یہی تھی کہ مسلمان قریش کے آدمی اُن کے حوالہ کر دیں مگر قریش مسلمانوں کے آدمی کو واپس نہ دیں۔ اس کا ایک اشتعال انگیز نتیجہ جس کی طرف سے وہ ڈرتے تھے اُسی وقت پیدا ہوا کہ سہیل کا بیٹا ابوجندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور اُس کے باپ نے اُسے قید کر رکھا تھا کسی طرح بھاگ کر آنحضرت کے پاس آ پہنچا اور مسلمانوں سے پناہ طلب کی۔ مگر سہیل نے معاہدہ کی شرائط کی پابندی پر اصرار کیا آنحضرت تو معاہدہ کی پابندی سے پھرنے والے نہ تھے اور اُس کو اُن کے حوالہ کر کے چلا آنا پڑا۔ حضرت عمر کا دل بہت کڑھا اور وہ خوش ہوتے اگر ابا جندل اُن کی تلوار لے کر اپنے باپ کو قتل کر ڈالتا[2]۔ اسی سفر کی واپسی کے اثنا میں سورہ فتح نازل ہوئی جس میں بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں کے واسطے خوشخبری اور فتح کا مژدہ اور آیت سکینہ جو حضرت عمر کے خیالات سے زیادہ متعلق ہونی چاہئے تھی نازل ہوئی اور حضرت عمر

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء بروایت ابن اسحاق۔ [2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء و مدارج النبوۃ۔

ہی سب سے اول اِس خوشخبری سے مشرف ہوئے۔ رات کو چلتے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
آنحضرت صلعم سے کسی امر کی نسبت سوال کیا۔ مگر آنحضرت نے کچھ جواب نہ دیا مکرر سہ کرر سوال
کرنے پر بھی آنحضرت نے کچھ جواب نہ دیا وہ اپنے خدا کے ساتھ مشغول تھے حضرت عمرؓ ڈرے
اور متاسف ہوئے کہ آنحضرت کو ناراض نہ کیا ہو اور اپنے اونٹ کو ہانکر آگے نکل گئے۔
تھوڑی دیر میں پکارے جانے کی آواز سُنی اور آنحضرت کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا
کہ آج رات مجھ پر ایک صورت نازل ہوئی ہے جو ہر چیز سے زیادہ پیاری ہے۔ اور پھر "انا فتحنا
لك فتحاً مبيناً" پڑھا۔[۱]

ماہ جمادی الآخر سنہ ۷ھ میں خیبر کا مشہور جنگ ہُوا جو مدینہ سے آٹھ منزل شام کی طرف
ایک مشہور اور نہایت مضبوط اور متعدد قلعوں سے مستحکم شہر تھا۔ اہل خیبر جن میں وہ تمام یہودی
جو مدینہ سے جلاوطن ہوئے تھے اور بنی غطفان اور بنی اسد وغیرہ مشہور قبیلہ اُن سے جا ملے
تھے۔ اور مسلمانوں سے لڑنے کی تیاریاں کرتے تھے اپنے مضبوط قلعوں پر نازاں تھے جب
اُن کی آمادگی جنگ نے زیادہ شہرت پائی تو آنحضرت صلعم نے اس فساد کو مٹانے کے واسطے
خیبر کی طرف کوچ کیا۔ ایک مہینہ تک لڑائی رہی حضرت عمر فوج میمنہ کے سردار تھے[۲] کئی
چھوٹے چھوٹے قلعہ فتح ہو گئے۔ اور بنی غطفان اور بنی اسد اہل خیبر سے جدا ہو گئے
ایک رات کو جب لشکر کی حفاظت اور خبرداری کرنے کی حضرت عمر کی باری تھی وہ ایک یہود
کو پکڑ لائے اُس سے آنحضرت نے خیبر کا بہت کچھ حال دریافت کر لیا جو ایک بڑی وجہ
حصول فتح کا ہُوا۔ ایسے سخت سے سخت لڑائیاں ہوئیں حضرت عمر سے کئی دفعہ مقابلہ ہُوا اگر
مسلمانوں کی کامیابی مشتبہ رہی۔ آخر ایک دن جب حضرت علی علیہ السلام لشکر اسلام کے
سردار اور علم بردار تھے تو گھمسان کی لڑائی ہو کر حسن الوطیح اور حسن السلالم جو نہایت مضبوط
قلعہ تھے فتح ہو گئے اور یہودیوں نے امن کی درخواست کر کے صلح کر لی ✦

اب ایک بڑا معرکہ فتح مکہ کا پیش آنے والا تھا۔ قریش سے جو حدیبیہ پر صلح ہو کر باہم
معاہدہ ہو گیا تھا اُس کو قریش نے توڑ ڈالا اور آنحضرت کے پاس اُن کے خلاف عہد ظلم اور تعدی

---

[۱] و ازالۃ الخفا بروایت ابا زید بن اسلم [۲] ازالۃ الخفا و مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۲۷۸ [۳] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا

کی شکایتیں پہنچیں۔ تو آنحضرت نے لشکر کے گرد جمع کرنے کا حکم دیا۔ اور اُن کو اُن کی عہد شکنی کی سزا دینے پر آمادہ ہوگئے۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے بلا اجازت آنحضرت کے قریش کو آنحضرت کے اس ارادے کی خبر بھیجی۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر جوش میں آگئے اور کہا کہ اس نے مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی ہے۔ اور[۱] آنحضرتؐ سے اُس کی گردن مارنے کی اجازت چاہی۔ مگر آنحضرت نے فرمایا کہ یہ اہل بدر سے ہے جن کے واسطے معافی ہے۔ حضرت عمر اپنے اس ارادے سے باز رہے۔ ابوسفیان نے آنحضرت کی اس تیاری کی خبر سن کر عہدنامہ کی تجدید کرنی چاہی۔ حضرت عمر اِس کے نہایت مخالف تھے[۲] اور آنحضرت نے بھی اس درخواست کو منظور نہ فرمایا کیونکہ ان کے خلاف عہد ظلم سے درگذر کرنا ناممکن تھا۔

آنحضرت ماہ رمضان ۸ھ میں اپنے لشکر کے ساتھ مکہ کو روانہ ہوئے۔ حضرت عباس عم رسول اللہ راستہ میں آنحضرت کو آملے اور دین حق کا اقرار کیا اور اسلام لائے۔ ابوسفیان نے جب دیکھا کہ قریش پر ضرور لشکر کشی ہوگی تو خود آنحضرت کے پاس حاضر ہونے کا ارادہ کیا اور مسلمانوں کے لشکر کثیر کو دیکھا اور بھی جو اس باختہ ہوا۔ مسلمانوں میں کوئی اس کی شفاعت کی حامی نہیں بھرتا تھا۔ حضرت عباس نے اُس کی سفارش کرنی منظور کی اور آنحضرتؐ کے پاس لے کر چلے۔ حضرت عمر کو اُسے اس حال میں دیکھ کر اور وہ تمام ایذائیں جو اس کے ہاتھوں سے مسلمانوں کو پہنچی تھیں یاد کر کے طیش آنا ضروری تھا۔ اُسے دیکھ کر للکارا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن خدا کا شکر ہے بغیر عہد و پیمان کے تجھ پر قابو مل گیا اور بھاگ کر رسول اللہ کی طرف چلے۔ حضرت عباس جو اِس واقعہ کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ میں بھی رسول کی طرف بھاگا اور چونکہ میں خچر پر سوار تھا حضرت عمر سے پہلے پہنچ گیا۔ حضرت عمر جب پہنچے تو کہا کہ یا رسول اللہ آج ابوسفیان پر بغیر کسی عہد و پیمان کے قابو مل گیا ہے مجھے اجازت دیں کہ اُس کی گردن ماروں۔ میں نے کہا (حضرت عباسؓ کہتے ہیں) یا رسول اللہ میں نے اس کو امان دی ہے۔ غرض نتیجہ تو یہ ہوا کہ ابوسفیان کچا پکا اسلام کا اقرار کر کے اور اپنی حفاظت اور امن کا اقرار لے کر مکہ کو واپس چلا گیا۔ اور مسلمانوں نے آخر مکہ کو فتح کر کے خدا کے اس

[۱] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء [۲] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

سب سے پہلے گھر کا جس کو دنیا میں سب سے اول خدائے واحد کو پہچاننے اور پکارنے والے کے بزرگ اور مقدس اور مبارک ہاتھوں نے بنایا تھا اور جس کے صرف وہی مستحق تھے قبضہ حاصل کر لیا۔ آنحضرت کوہ صفا پر بھی رونق افروز ہوئے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور شکرانۂ نعمت بجالائے اور اسی جگہ بیٹھ گئے۔ حضرت عمر آنحضرت کی خدمت میں کھڑے تھے اور قریش میں سے جو لوگ بیعت کرنے آتے تھے ان کو بیعت کراتے تھے اسی طرح مردوں اور بعد ازاں عورتوں نے بیعت کی[1]

اسی طرح حضرت عمر اور باقی مشہور لڑائیوں حنین اور طائف اور تبوک وغیرہ میں شریک تھے حنین میں فوج کی ابتری اور پریشانی کے وقت آنحضرت صلعم کے پہلو میں ثابت قدم کھڑے تھے۔ تبوک کی لڑائی میں اپنا نصف مال سامان لشکر کے واسطے نذر کیا۔ سریہ ذات السلاسل عمرو بن عاص کی امداد کو بھیجے گئے۔ غرض اپنی خدمات میں ممتاز اور جلیل تھے۔ ایک سریہ ان کے نام سے مشہور ہوا[2]۔ آنحضرت نے بعض دفعہ دوسرے سرداروں مثلاً ابو عبیدہ بن جراح اور عمرو بن العاص حتّٰے کہ اسامہ بن زید کے ساتھ بلکہ ماتحت کر کے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو بھیج دیا۔ مسلمان مورخ بعض اوقات اس کو تعجب سے دیکھتے ہیں مگر اول تو اس سے ان کی بزرگی اور امتیاز میں کچھ فرق نہیں آتا تھا۔ بلکہ ان کی تجربہ کاری اور معاملہ فہمی سے فائدہ اٹھانا مقصود ہوتا تھا۔ اور عجب نہیں کہ آنحضرت صلعم کا یہ بھی خیال ہو کہ جو مساوات اور برادری اسلام نے اس نعمت عظمٰے کے خوش نصیب شرکا میں قائم کی تھی وہ سب کے دل میں تازہ رہے اور کوئی کسی قسم کا خیال اس کو ان کے دلوں سے محو نہ کرے

آنحضرت نے حضرت عمر کو مدینہ کے صدقات پر عامل بنا دیا تھا۔ خود ان سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ نے مجھے عامل مقرر کیا اور مواجب دینا چاہا۔ مگر میں نے عرض کیا کہ مجھ سے جو زیادہ محتاج ہو اس کو یہ بخشیں[3]۔ درحقیقت حضرت عمر ایک ایسے کام کے واسطے جس میں کچھ سختی اور مضبوطی درکار ہو نہایت ہی موزوں تھے۔ زکوٰۃ اور صدقات کا دینا لوگوں کو گراں گذرتا ہی تھا اور وصول کرنے کے واسطے ایک ذی رعب شخص کی ضرورت تھی جو ایک

[1] مناہج النبوۃ صفحہ ۵۸۲ [2] مناہج النبوۃ صفحہ ۵۲۶ [3] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا۔

ایسے ضروری کام میں مراعات اور تساہل کو عمل میں نہ لائے حضرت عمر جس مضبوطی کے ساتھ کام کرتے تھے وہ حضرت عباس اور خالد بن ولید اور ابن جمیل کے زکوۃ نہ دینے اور آنحضرت کے پاس شکایت گذرنے کے واقعہ سے بخوبی ظاہر ہے۔ خود آنحضرت صلعم فرمایا کرتے تھے کہ "میری امت میں سے ابوبکر میری امت پر زیادہ مہربان ہے اور اللہ کے کام میں عمر زیادہ قوی ہے"۔ درحقیقت یہ حضرت عمر کا ایک مخصوص وصف تھا +

حضرت عمر کی نسبت اُس زمانہ کے مشہور واقعات جو آنحضرت صلعم کی رفاقت اور مصاحبت میں گذرے غالباً ناکافی نہیں لکھے گئے ہیں۔ ان تمام حالات سے صاف طور پر جو کچھ اُن کی نسبت مستنبط ہوتا ہے وہ اُن کی عزت اور رعب اور ہیبت اور شان و شوکت اور جلال شجاعت اور دلیری اور بہادری اور قوت اور توانائی اور مصائب اور تکالیف کے ساتھ صبر اور رضامندی اور اپنے حال پر قناعت اور غیرت اور حمیت اور دین اسلام اور بانی اسلام کی محبت اور مودت نہیں بلکہ ایک فدائیانہ عشق اور اسلام کی نصرت اور حمایت کا اور خدا کے احکام کی اطاعت اور رسول اللہ صلعم کے ارشاد کی تعمیل کا جوش اور اسی قسم کے اوصاف اور عادات ہیں اور انکے ساتھ ہی ایک خاص عادت اور خاصہ طبیعت وہ سختی اور درشتی ہے جو کسی دوسری خصلت سے کم ممتاز نہیں ہے شاید وہ کسی کو اُن کے تمام قابل رشک اور بےنظیر اوصاف سے کچھ جداگانہ معلوم ہو مگر یہ ایک غلطی کا نتیجہ ہوگا۔ خوب یاد رکھنا چاہئے اگر ہم اُس کو سختی اور درشتی کہیں تو ساتھ ہی یہ کہنا پڑیگا کہ وہ انصاف سے متجاوز اور انصاف کے خلاف اور اُن کے مستحکم عقیدے اور اعتقاد اور ضروری مصلحت کے مخالف نہیں تھی تمام واقعات پر غور کرنے سے یہی امر ظاہر ہوگا۔ درحقیقت ہم اُس کو سختی اور درشتی اس واسطے کہتے ہیں کہ اُس کے ساتھ ہی ہماری آنکھوں کے سامنے آنحضرت صلعم کے رحم اور کرم اور مروت اور کریمانہ رعایت اور بخشش کو پیش کیا جاتا ہے۔ ورنہ بجائے خود وہ رائیں اور ارادے حضرت عمر کے عین انصاف اور عدل ہوتے تھے۔ قیدیان بدر کے قتل کرنے کی جو رائے حضرت عمر نے دی تھی اُس کی نسبت سر ولیم میور لکھتا ہے کہ "حضرت عمر نے جو مجسم سخت انصاف اور عدل

لہ ازالۃ الخفا بہ سلوک و تصوف حضرت عمر +

تھے محمد صلعم کو اُن کے قتل کر دینے کی رائے نہایت اصرار سے دی[1] وہ ایسے سخت برتاؤ اور
سختی کی رائیں جو مبنی بر انصاف ہوتی تھیں اس لئے دیتے تھے کہ کفار کی جمعیت شکستہ
ہو اُن کے دلوں میں اسلام کا رعب اور ہیبت پیدا ہو اور اسلام کی نصرت اور غلبہ ظاہر ہو
اور ایسے بدکردار اور ظالم لوگوں کو اُن کی بدی اور شرارت کی جب سزائیں ملتی دیکھ کر دوسرے
لوگوں کو عبرت اور نصیحت ہو اور پھر کسی کو ایسے فعل کرنے کی جرأت نہ ہو۔

مسلمانوں کے ساتھ اگر اس قسم کے سلوک کی کوئی مثال ہے تو وہ بھی اُن کے عقیدے
کے رو سے عین مصلحت اور دور اندیشی پر مبنی ہے۔ مثلاً ابوہریرہ کی حدیث کا واقعہ کہ وہ ابوبکر
اور عمر ایک دن آنحضرت کی خدمت میں بیٹھے کہ آنحضرت صلعم درمیان سے اُٹھ کر باہر چلے گئے۔
اور آپ کے دیر کرنے سے سب متردد ہوئے۔ اور ابوہریرہ حضرت کو تلاش کرنے نکلے جب
آنحضرت ملے تو ابوہریرہ سے کہا جو تجھے اس باغ کے پیچھے اور لا الٰہ الا اللہ پر یقین رکھتا
ہو اُس کو بشارت دے کہ وہ جنتی ہے۔ حضرت عمر اُن کو سب سے پہلے ملے اور اُن سے یہ امر
بیان کیا۔ انہوں نے ایک دوہتڑ اُن کی چھاتی میں مارا اور لوٹا کر آنحضرت کے پاس لے گئے
اور کہا کہ لوگ اس پر بھروسہ کر کے عمل کرنا چھوڑ دینگے۔

اگر یہ روایت صحیح ہے تو مصلحت بینی سے خالی نہیں ہے درحقیقت حضرت عمر کی کسی
اس قسم کی رائے کو بری نظر سے دیکھنا گویا انصاف اور مصلحت بینی پر الزام لگانا ہے علاوہ
اس کے ایک بڑی حکمت اور مصلحت اس قسم کی منصفانہ مگر سخت برتاؤ کرنے کی رائیں
دینے سے جن پر درحقیقت بہت کم عمل کیا گیا ہے آنحضرت صلعم کی طبع کریم اور رحیم کے
سامنے اس معاملہ کے دوسرے پہلو پر بھی غور کرنے کا موقع ملتا تھا اور اُس سے کوئی
نقصان عائد نہیں ہوتا تھا۔ خود حضرت عمر نے ایک خطبہ میں جو اُن کی طرف منسوب کیا
جاتا ہے کہ انہوں نے زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لینے کے دن فرمایا یہ کہا کہ میں سنتا
ہوں کہ لوگ میری شدت سے ہیبت میں آ گئے ہیں۔ اور میری سختی سے ڈرتے ہیں اور
کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کی موجودگی اور ابوبکر کی حکومت میں عمر ہم پر سختی کرتا تھا۔

[1] لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۲۰۔

جس نے یہ کہا سچ کہا ہیں جناب رسول اللہ کے ساتھ ایک غلام اور خدمتگار کے مانند تھا
اُن کی نرمی اور مہربانی اس درجہ کی تھی کہ اس صفت میں ان کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ خدا نے
اُن کے ناموں میں اُن کو رؤف اور رحیم بھی نام دیئے تھے اور میں ننگی تلوار کی طرح تھا جس کو
وہ درمیان میں رکھتے تھے یا کام میں لاتے تھے [۱] الخ +

اگر یہ قول حضرت عمر کا نہ بھی ہو تاہم جس نے کہا ہے بڑی دانشمندی اور معاملہ فہمی اور
واقفیت سے کہا ہے +

حضرت ابوبکر کی رائے سے بڑھ کر کوئی عمدہ فیصلہ اس بارے میں نہیں ہو سکتا کہ جب انہوں نے
عبدالرحمن بن عوف سے حضرت عمر کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے کے امر میں مشورہ لیا تو انہوں نے
اس ارادے کو پسند کرنے کے ساتھ ہی حضرت عمر کی درشتی طبیعت کی طرف اشارہ کیا جس کے
جواب میں حضرت ابوبکر نے کہا کہ اُس کی سختی اس وجہ سے تھی کہ میں زیادہ نرمی اور رحم کرتا
تھا۔ میں نے غور سے دیکھا کہ جب میں کسی کے ساتھ سختی کرتا تھا تو عمر اس کی سفارش
کرتا تھا اور اگر میں زیادہ نرمی کرنے لگتا تو وہ سختی کی طرف مائل ہوتا تھا جب وہ خود والی امور ہوگا
تو اُس کی درشتی طبیعت جاتی رہیگی +

اور جب کہ ہم حضرت عمر کی خود مختار خلافت کے زمانہ میں اُن کی اس خاص طبیعت اور
عادت میں ایک بہت بڑا تغیر اور انقلاب پاتے ہیں تو ان اقوال کی صحت پر یقین نہ کرنے کی
کوئی وجہ نہیں دیکھتے۔ اگر سچ پوچھو تو حضرت عمر کی نسبت اُن کی اس قسم کی طبیعت اور راؤں
کو ایک منصفانہ اور پر مصلحت سختی قرار دینے کے واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دلچسپ
اور ناطق فیصلہ کے روبرو کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ آنحضرت فرمایا کرتے تھے جیسا کہ
قیدیان بدر کے فیصلہ کے موقع پر فرمایا تھا کہ ابوبکر حضرت ابراہیم اور حضرت عیسےٰ کی مانند میں
جو رحم کے وکیل تھے اور عمر نوح اور موسےٰ سے مشابہ ہیں جو انصاف کے وزیر تھے [۲] +

بایں ہمہ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر کی ابتدائی طبیعت کی شہرت اور پچھلے واقعات

[۱] ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفا حکایات سیاست فاروقی [۲] انلس اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور +

[۲] لیوز اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور حاشیہ صفحہ ۲۴۴ و تاریخ الخلفا سیوطی وغیرہ +

کے اثر اور حق گوئی سے جس کی نسبت خود آنحضرت فرمایا کرتے تھے کہ عمر حق کہتا ہے اگرچہ کڑوا
ہو اور حق کہنے سے اُس کا کوئی دوست نہیں رہا۔[1] اُن کا رعب اور خوف اور ہیبت سب کے
دلوں میں بیٹھ گئی تھی آنحضرت صلعم بھی ایسے موقعوں پر اُنہیں کو یاد فرمایا کرتے تھے اور اس قسم کے
واقعات بھی بیان ہوئے ہیں مثلاً ایک دن امہات المومنین ازواج مطہرات آنحضرت صلعم
کے ساتھ کسی بات پر جھگڑ رہی تھیں اور بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں۔ اسی اثنا میں
حضرت عمر آنحضرت کی طرف گئے اور دروازے پر جا کر اندر آنے کا اذن طلب کیا حضرت عمرؓ
کی آواز سن کر سب کی سب بھاگ کر پردے میں چلی گئیں۔ جب حضرت عمر اندر گئے تو آنحضرت
کو مسکراتے ہوئے پایا حضرت عمر نے کہا کہ خدا ہمیشہ آپ کو ہنستا ہوا دکھلائے
حضور کس بات پر ہنس رہے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میں اس بات پر تعجب سے ہنس رہا
ہوں کہ یہ عورتیں میرے سامنے تو شور کر رہی تھیں مگر جب تمہاری آواز سُنی تو بھاگ کر پردہ
میں چلی گئیں۔ حضرت عمر نے اُن کو آواز دے کر کہا کہ اے اپنی دشمنو تم مجھ سے ڈرتی ہو
اور رسول اللہ صلعم سے نہیں خوف کرتی ہو۔ آنحضرت نے کہا کہ ہاں تمہاری سختی کے سبب سے
ڈرتی ہیں۔ اور تم سے شیطان بھی ڈرتا ہے کہ جس راستہ تم جاتے ہو شیطان اُس راستہ سے
نہیں گذرتا۔[2] اسی طرح ایک دن ایک حبشی لڑکی دف لیے ہوئے آنحضرت کے سامنے آئی اور
کہا کہ میں نے منت مانی تھی کہ جب آپ سفر سے مع الخیر واپس آوینگے۔ آپ کے سامنے
دف بجاؤنگی اور گاؤنگی۔ چنانچہ وہ دف بجانے اور گانے لگی اسی اثنا میں حضرت ابوبکر
حضرت علی اور حضرت عثمان آگئے لیکن وہ بدستور بجاتی رہی۔ بعد ازاں حضرت عمر آئے تو
اُن کو آتا دیکھ کر دف کو اپنے نیچے رکھ کر ڈر کے مارے خاموش اُس پر بیٹھ گئی۔ آنحضرت
نے مسکرا کر فرمایا کہ اے عمر تجھ سے شیطان بھی ڈرتا ہے[3] اور بھی اس قسم کے واقعات ہیں
کہ مثلاً ایک دن آنحضرت کے مکان کے قریب کچھ شور وغل کی آواز سنائی دی۔ آپ نے اُدھر
دیکھا تو ایک عورت اُچھل کود رہی تھی اور لوگ اُس کے گرد تماشہ دیکھنے کو جمع ہوئے تھے
آنحضرت نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا کہ یہ تماشہ دیکھو اور وہ دیکھنے لگیں۔ اتنے میں

[1] تحفۃ المومنین [2] بخاری مسلم مشکوٰۃ باب مناقب حضرت عمر [3] ترمذی مشکوٰۃ

کہیں سے حضرت عمرؓ آ گئے۔ تماشہ دیکھنے والے سب لوگ اُن کو دیکھ کر بھاگ گئے۔ اور
حضرت عائشہؓ بھی ہٹ گئیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ سے جن اور
انس اور شیاطین سب ڈرتے اور بھاگتے ہیں[1]۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ
حضرت عمرؓ کا شیطان اُن کو خطا کا حکم کرنے سے ڈرتا تھا[2]۔

اِس قسم کے تمام واقعات جو بیان ہوئے ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے ایسی رائیں دی ہیں
جن کے مطابق آنحضرت صلعم نے عمل نہیں فرمایا بلکہ رحم اور رعایت کو عمل فرمایا ہے یہی وہ
تمام واقعات ہیں جو خصوصیت سے مورخین اور راویوں نے بیان کر دیئے ہیں۔ ورنہ اس
زمانہ دراز کی رفاقت اور مصاحبت میں جب کہ وہ آنحضرتؐ کے ساتھ ہمدم اور ہمساز تھے اور
تمام امور اصلاح امت اور فلاح مسلمانان اور انتظام دنیا میں صلاح کار اور شریک اور حصہ دار تھے
حضرت عمرؓ ایک مشیر باتدبیر اور وزیر دانشمند کے مانند تھے اُن کی رائے سب سے زیادہ صائب
ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ کی حدیث میں ہے کہ خدا نے حق کو عمرؓ کے دل اور زبان پر جاری کیا ہے[3]
اور فرمایا کرتے تھے کہ عمرؓ میرا مشیر ہے[4]۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ عمرؓ اگر کوئی بات کہتے تو
قرآن اُس کی تصدیق میں نازل ہوتا[5]۔ عبداللہ ابن عمرؓ کا قول ہے۔ کہ اگر اصحاب رسول اللہؐ
کسی امر میں مختلف الرائے ہوتے اور اختلاف حضرت عمرؓ کے ساتھ ہوتا تو حضرت عمرؓ کی رائے
کے مطابق قرآن نازل ہوتا[6]۔ حضرت علیؓ کا ایک یہ قول بھی ہے کہ ہماری بہتوں کی رائے
تھی کہ سکینہ عمرؓ کی زبان پر بولتی ہے۔ یعنی اُن کی رائیں اور قول طمانیت اور تسلی بخش ہوتے
ہیں۔ غرض حضرت عمرؓ کی اعلےٰ صوابت رائے اور افضل دانشمندی اور عقل اور ذہانت
اور حسن قوئے دماغی کا جو بجائے خود ملکہ نبوت کا ایک جزو ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا
ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ اُن کی بہت سی رائیں احکام آلہی اور منشائے ایزدی کے موافق
ہوئی ہیں۔ اور وہ حضرت عمرؓ کی موافقات کہلاتی ہیں۔ شمار اُن کا بعضوں نے
بیس تک بیان کیا ہے۔ مگر زیادہ مشہور مقام ابراہیم کو مصلےٰ بنانا۔ اور عورتوں

[1] ترمذی مشکوٰۃ [2] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک حضرت عمرؓ [3] تحفۃ المحبین بروایت ابونعیم [4] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک [5] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا باب تصوف و سلوک۔

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی واذا سالتموھن متاعاً فاسئلوھن من وراء حجاب	کے پردے کا حکم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق نازل ہوئے ہیں لیکن قیدیان بدر کے بارے میں ہم حضرت عمرؓ کی رائے کو موافقات میں سے نہیں سمجھتے +

عبداللہ بن ابی بن سلول جو نہایت سخت منافق تھا جب مر گیا تو اُس کے بیٹے نے
آنحضرت کو نماز جنازہ پڑھنے کے واسطے کہا حضرت عمرؓ مانع آئے اور کہا کہ ایسے منافق
کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہئے۔ آنحضرت نے نہ مانا اور اُٹھ کھڑے ہوئے حضرت عمرؓ
کہتے ہیں۔ کہ میں اچھل پڑا اور اُس کے منافقانہ اقوال اور افعال کو بہت زور سے بیان کیا
مگر آنحضرتؐ نے اس پر بھی مسکرا کر فرمایا کہ اے عمر ہٹ جا لیکن میں باز نہ آیا۔ آخر
آنحضرت نماز جنازہ پڑھنے کو تشریف لے گئے جب واپس آئے تو سورۃ براۃ کی یہ آیتیں
نازل ہوئیں[۱]۔ ولا تصل علی احد منھم مات ابداً ولا تقم علی قبرہ وھم فاسقون
حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں حیران تھا کہ اتنی جرات اُس روز مجھ میں کیونکر پیدا ہوئی +
شراب کی حرمت کا حکم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق نازل ہوا ہے وہ حرمت شراب کے
نہایت خواہاں تھے۔ اس کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی یسئلونک عن الخمر والمیسر الآیۃ
تو اس پر بھی اُن کی تشفی نہ ہوئی اور خدا سے دعا مانگتے رہے کہ خدایا شراب کے بارے میں ہمارے
واسطے حکم شافی نازل کر۔ اُس کے بعد یہ آیت یاایھا الذین اٰمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم
سکاریٰ الآیۃ۔ نازل ہوئی۔ مگر اس پر بھی حضرت عمرؓ کا اطمینان نہ ہوا اور آخر یہ آیت یا
ایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر۔ الآیۃ۔ نازل ہوئی حضرت عمرؓ نے جب سنی تو کہا خدایا اب ہم اپنے
مطلب کو پہنچ گئے۔ اسی طرح اذن لے کر کسی کے گھر میں داخل ہونے کا حکم حضرت عمرؓ کی
رائے کے موافق نازل ہوا[۲]+
جب یہ آیت نازل ہوئی ولقد خلقنا الانسان من طین اور حضرت عمرؓ نے سُنی تو
اُن کے مُنہ سے یہ نکل گیا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین آنحضرت نے سُن کر یہی فرمایا[۳]

[۱] ازالۃ الخفا باب موافقات و تاریخ الخلفا سیوطی وغیرہ [۲] ازالۃ الخفا باب موافقات [۳] ازالۃ الخفا
باب موافقات +

کہ اے عمر تو قرآن میں زیادتی کرتا ہے۔ مگر اس کے بعد یہی آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح آیت
من کان عدوا لجبریل و میکال الخ میں حضرت عمر کے الفاظ کے ساتھ تطابق واقع ہوا
اسی سے حضرت علی کہا کرتے تھے کہ "ہم قرآن میں عمر کی رائے سے رائے اور کلام سے
کلام پاتے تھے[۵۱]۔ اسی قسم کی اور روایتیں بھی ہیں جن سے حضرت عمر کی صائب رائے اور
پختگی دماغ معلوم ہوتی ہے۔ دنیوی امور میں بھی اُن کی رائے اور اُن کا مشورہ ایسا ہی
مفید اور مناسب ہوتا تھا جیسے کہ ایک دن ایک لڑائی کے موقع پر اصحاب رسول اللہ کے پاس
کھانے پینے کی اشیا ختم ہو گئیں اور جب بھوک سے بیتاب ہوئے تو آنحضرت صلعم
کے پاس آکر اپنے اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت مانگی۔ آنحضرت کا ارادہ اجازت دینے
کا تھا کہ حضرت عمر نے روکا اور کہا کہ یا رسول اللہ اگر ہم اپنی سواریوں کو ذبح کر لینگے تو بھوکے
اور اس پر پیاسے دشمن سے کیا لڑینگے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔
حضرت عمر نے کہا کہ بعض لوگوں کے پاس کھانے کو بالکل نہیں رہا اور بعض کے پاس تھوڑا
بہت موجود ہے سب کو حکم دیا جائے کہ اپنا تھوڑا بہت بچا ہوا کھانا اور پانی لے کر جمع ہوں
سب کو ایک جگہ اکٹھا کر کے شریک ہو کر کھا لیں۔ چنانچہ آنحضرت نے ایسا ہی کیا اور حضرت عمر
کی یہ تدبیر ایسی کارگر ہوئی کہ کوئی شکایت باقی نہ رہی[۵۲]۔ تمام چھوٹے بڑے امور میں جن میں
آنحضرت وحی سے حکم اور ہدایت نہیں پاتے تھے حضرت عمرؓ سے مشورہ کرتے تھے جیسے کہ
شام کی لڑائی کی نسبت آنحضرت نے حضرت عمر سے ایک دن دریافت کیا تھا کہ تمہاری
کیا رائے ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ اگر خدا کا حکم ہو تو اُدھر بڑھنا چاہئیے۔ آنحضرت
نے فرمایا کہ اگر خدا کا حکم ہوتا تو تم سے صلاح لینے کی کیوں ضرورت ہوتی[۵۳]۔ لیکن اگر سچ پوچھو
تو حضرت عمر کی روشن خیالی اور خوبی رائے اور پختگی دماغ کے ثبوت میں اس قسم کی دلائل
پیش کرنے کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہے جبکہ خود آنحضرت صلعم کا یہ مبارک قول موجود ہے
کہ دوسری امتوں میں محدث ہوتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو عمر ہے[۵۴]۔

---

[۵۱] ازالۃ الخفا باب موافقات [۵۲] ازالۃ الخفا باب موافقات [۵۳] دی مراسین مولفہ گلین و مشاہج النبوۃ
[۵۴] بخاری مسلم مشکوۃ +

اور سب سے بڑھ کر آنحضرت کا یہ قول کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر خطاب ہوتا"[۵۱] بھی مطلب
ایک دلچسپ پیرایہ میں آنحضرت نے اپنے ایک خواب کی تعبیر سے بیان فرمایا کہ "سوتے میں
میرے پاس ایک دودھ کا پیالہ بھرا ہوا لایا گیا میں نے جب سیر ہو کر پی لیا تو بچا ہوا عمر
خطاب کو دیدیا"[۵۲]۔ آنحضرت فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر اور عمر میرے وزیر ہیں۔ جس امر میں
وہ دونو متفق ہو گئے میں مخالفت نہیں کرونگا"۔

حضرت عمر کو جو قرب اور یگانگت اور بے تکلفی اور محبت آنحضرت صلعم کی ذات پاک کے
ساتھ تھی وہ تمام واقعات سے بخوبی ظاہر ہو چکی ہے اور بھی واقعات اس قسم کے ہیں کہ مثلاً
اکثر آپ گفتگو میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اور ابوبکر اور عمر نے فلاں کام کیا اور میں اور
ابوبکر اور عمر فلاں راستہ گئے اور میں اور ابوبکر اور عمر یہ چاہتے ہیں[۵۳]۔ ایک دن حضرت
ابوبکرؓ اور عمرؓ آنحضرت کے سامنے آئے تو دیکھ کر فرمانے لگے کہ "یہ دونو بمنزلہ میری
شنوائی اور بینائی کے ہیں"[۵۴]۔ اور حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلعم
بے تکلف کچھ جسم کھولے ہوئے گھر میں بیٹھے تھے اتنے میں حضرت ابوبکر آ گئے اور اذن
حاصل کر کے اسی حال میں چلے آئے اور پھر حضرت عمر آئے اور وہ بھی اسی حالت میں چلے
آئے۔ بعد ازاں حضرت عثمان آئے تو آنحضرت نے اپنے کپڑے درست کر لیئے[۵۵]۔ انس
کا قول ہے کہ آنحضرت جب مسجد میں تشریف لاتے تھے تو صحابہ میں سے کسی کو جرات نہ ہوتی
تھی کہ اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھیں۔ مگر ابوبکر اور عمر دونو آنحضرت صلعم کی طرف دیکھتے
تھے اور مسکراتے تھے اور آنحضرت ان دونو کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے[۵۶]۔ وحی کے
لکھنے کی سب سے بڑی ذمہ داری کا کام صرف حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی کرتے تھے[۵۷]۔
بایںہمہ آنحضرت صلعم کا ادب اور تعظیم اور اطاعت اور فرمانبرداری جو اُن کا ایمان تھا اُن کے
خمیر میں داخل تھا۔ بارہا حضرت عمر آنحضرت کے ساتھ کسی امر میں اختلاف کرنے پر افسوس
سے گھنٹوں بیٹھ کے روتے تھے[۵۸]۔ ایک دن جب بنو تمیم نے آنحضرت سے عرض کیا کہ

۵۱ ترمذی مشکوٰۃ۔ ازالۃ الخفا ۵۲ بخاری مسلم مشکوٰۃ ۵۳ بخاری مسلم مشکوٰۃ ۵۴ ترمذی مشکوٰۃ ۔
۵۵ مسلم مشکوٰۃ ۵۶ ترمذی مشکوٰۃ ۵۷ ازالۃ الخفا ۵۸ ازالۃ الخفا و مدارج النبوۃ ۔

اُن پر کوئی سردار مقرر کیا جائے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر میں انتخاب میں اختلاف ہو گیا اور جھگڑتے ہوئے بلند آواز سے باتیں کرنے لگے۔ اسی پر جب یہ آیت یا ایھا الذین امنو لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی الخ نازل ہوئی تو حضرت عمر نے قسم کھالی کہ آنحضرت کے روبرو کبھی بلند آواز سے باتیں نہ کرونگا[1] آنحضرت صلعم اپنے اصحاب خاص کی عزت اور امتیاز اور اُن کو ہروقت اپنے قریب رکھنے کے خیال سے اُن کو باہر کسی کام پر نہیں بھیجتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے دور دراز ممالک میں قاصد بغرض تبلیغ پیغام حق بھیجنے تجویز کئے اور بھیجے تو لوگوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر اور عمر کو کیوں نہیں بھیجتے۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ دین کے کان اور آنکھ کے بمنزلہ ہیں اور میں اُن کا اتنا کم محتاج نہیں ہوں کہ علیحدہ کر دوں[2]۔ آنحضرت صلعم کی تکالیف دیکھ کر اُن کے دل کراہتے اور پیچ و تاب کھاتے تھے۔ مثلاً ایک دن جب آنحضرت اپنی ازواج مطہرات سے ناراض ہوئے تھے اور حضرت عمر نے کہا تھا کہ اگر آنحضرت خوش ہوں تو اپنی بیٹی حفصہؓ کی گردن ماردوں۔ حضرت عمر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ تہمد باندھے بوریئے پر پڑے ہیں اور بورئے کی تیلیاں جو جو بدن مبارک میں چبھی ہیں تو نشان پڑ پڑ گئے ہیں۔ پھر جو حضرت عمر کی نگاہ طاقوں پر پڑی تو دیکھا کہ ایک طاق میں کوئی آدھ سیر کے قریب جو ہیں ذرا سا پنیر دھرا ہے اور وہیں پانی کا ایک مشکیزہ لٹک رہا ہے اور یہی کل سامان ہے حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ تکلیف اور بے سامانی دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں بے اختیار رو دیا[3]+

حضرت عمر کی اصلی سب سے بڑی خواہش کوئی نہ تھی کہ آنحضرت صلعم کے قدموں میں اُن کے سامنے شہید ہو جائیں اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے اُن کو "شہید" سے ملقب اور ممتاز فرمایا تھا اور اکثر شہید کہ کر پکارا کرتے تھے۔ مثلاً جب آپ ایک دفعہ پتھر پر کھڑے ہوئے حضرت ابوبکر اور عمر ساتھ تھے پتھر ہلا تو آپ نے فرمایا کہ مت ہل تجھ پر نبی اور صدیق اور شہید کے سوا کوئی نہیں۔ اسی قسم کی اور بھی روایتیں ہیں +

حضرت عمر اور ایسے ہی حضرت ابوبکر کے فضائل اور مناقب میں بے شمار حدیثیں کتب

---

[1] مناہج النبوۃ صفحہ ۶۴۱ [2] ازالۃ الخفا [3] مناہج النبوۃ وغیرہ +

احادیث میں منقول اور مندرج ہیں۔ مگر ہم کو اکثر اُن میں سے وضعی معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً
رویاءِ قلیب کی حدیث وغیرہ بعض ہیں اُن میں سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوا ہے کہ آنحضرت
کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور اُن کے بعد حضرت عمر کا خلافت کے واسطے حق تھا بعض میں
حضرت ابوبکر کا اپنی خلافت میں آنحضرت کی کامل پیروی کے ساتھ عمل کرنا اور پھر
حضرت عمر کا اسی طرح بڑے پیمانہ پر کرنا بیان ہوا ہے۔ مگر یقینی یہ حدیثیں اُس وقت
وضع کی گئی ہیں جبکہ اُن کے ممدوح اور موضوع اس دُنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔
ہماری رائے میں تو جیسے کہ ہم دیباچہ میں بیان کر چکے ہیں ایسی کوششیں فضول اور بیکار
تھیں اور ہم حیران ہیں کہ کیا ضرورت تھی اُن مستغنی الفضائل والمناقب بزرگانِ دین
کی بزرگیاں ایسی صورت میں اور اس طریق سے بیان کرنے کی جو سرتاج اور فخر تھے اس
گروہ اور اُس جماعت کے جن کی نسبت خود خدا نے فرمایا ہے :-

کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللّٰہ

اور پھر فرمایا -

فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا لاکفرن عنھم سیاٰتھم
ولادخلنھم جنات تجری من تحتھا الانھار ثوابا من عند اللّٰہ واللّٰہ عندہ حسن الثواب -

اور پھر فرمایا -

والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللّٰہ
عنھم ورضوا عنہ واعدلھم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا -

اور پھر فرمایا -

لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ الخ -

اور پھر فرمایا -

والذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللّٰہ والذین اٰووا ونصروا اولٰئک ھم
المؤمنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم -

غرض جن کی تعریف خود باریتعالے نے فرمائی ہو اور اُن کے فضائل بیان کئے ہوں

کسی دوسرے کی حمایت اور سفارش کے کیا محتاج ہو سکتے ہیں؟

ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است ۔ بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

اَب ہم اُس زمانہ کے قریب پہنچتے جاتے ہیں جبکہ وہ آسمان رحمت آلہی کے آفتاب اور فیض یزدانی کا سینہ رحمت اللعالمین (روحی فداک یا رسول اللہ) اِس ناپائدار دنیا سے جس کو اُنہوں نے خداوند کریم کی اعلے سے اعلے نعمتوں اور بخششوں سے مالامال کر دیا تھا رخصت ہونے والے تھے۔ اور وہ بزرگ ستارے جو اُس آفتاب عالمتاب کی روشنی سے روشن ہوئے تھے اپنی مبارک روشنیوں کے ساتھ اِس دُنیا میں فیض ربانی کی برکتوں کو جاری رکھنے کے واسطے اکیلے رہ جانے والے تھے۔

آنحضرت صلعم نے دسویں سال ہجرت میں مکہ تشریف لے جانے اور حج ادا کرنے کا ارادہ کیا جو سب سے آخری حج ہونے کے سبب سے حجۃ الوداع کہا جانیوالا تھا۔ حضرت عمرؓ حجۃ الوداع میں موجود تھے اور اُن تمام مواعظ سے فیضیاب ہوئے جو آنحضرتؐ نے اپنی اُس بے نظیر تقریر میں جو دُنیا میں یادگار ہے فرمائے حج سے واپس جاکر بہت زمانہ نہ گذرا تھا کہ آنحضرت صلعم بیمار پڑ گئے اور ضعف اور بیماری دن بدن بڑھتی گئی۔ حضرت عمرؓ پاس تھے اور اِس کیفیت کو دیکھ کر دیوانہ ہوئے جاتے تھے۔ آخر دُنیا کے واسطے وہ ماتم کا دن آن پہنچا اور آنحضرت صلعم اِس دُنیا سے سدھارے۔ مدینہ میں وہ قیامت کا دن تھا۔ مگر حضرت عمر کا حال سب سے ابتر تھا۔ اُن کو آنحضرت کی نعش مبارک دیکھکر بھی یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضرت انتقال فرما گئے ہیں دیوانہ وار لوگوں میں دوڑتے تھے اور اُن کو بھی اسی بات کا یقین دلاتے تھے کہ حضرت زندہ ہیں مغیرہ جو پاس کھڑا تھا اُس نے حضرت عمر کو اُن کی غلطی کا یقین دلانے کی بیفائدہ کوشش کی۔ اُنہوں نے اُس کو بھی جھڑک دیا اور کہا کہ تو جھوٹ بولتا ہے اور شیطان نے تجھے بہکا دیا ہے پیغمبر خدا وفات نہیں پائینگے جب تک کہ ایک منافق اور کافر بھی باقی ہوگا۔ تمام لوگ جو آنحضرت کی وفات کی خبر سُن کر صحن مسجد میں جمع ہوئے تھے حضرت عمر کی مجنونانہ اور پرجوش بلند آواز اور کلمات سے اُنہیں کی طرف متوجہ ہو گئے اور اُن کو گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ وہ اپنی اسی دُھن میں

ویسی ہی تقریر کرتے گئے اور یہی کہتے گئے کہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں کہ حضرت وفات پا گئے
ہیں۔ تم اس پر ہرگز یقین نہ کرنا حضرت موسےٰ کی طرح وہ اپنے خدا کے پاس گئے ہیں
اور پھر واپس آئینگے۔ جو کہیگا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے
جائینگے۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکر اس پر الم خبر کو سنکر آئے اور حضرت عمر کی مجنونانہ باتیں سنکر پاس سے گذر گئے اور پھر
واپس آکر مسجد میں لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے جہاں حضرت عمر بدستور اپنے جوش اور
ازخود رفتگی میں لوگوں میں کھڑے ہوئے تقریر کر رہے تھے حضرت ابوبکر نے کہا کہ اے
چپ ہو جاؤ اور خاموش بیٹھ جاؤ۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس ممانعت کی بھی کچھ پروانہ کی اور
اپنی وہی باتیں کرتے رہے حضرت ابوبکر نے مجمع کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آنحضرت وفات
پا گئے ہیں۔ اور خدا نے کیا اُن کو نہیں فرمایا تھا کہ انک میت وانہم میتون اور
فرمایا ما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افائن مت فہم الخالدون اور پھر یہ آیت پڑھی وما محمد
الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم الخ انک میت
وانہم میتون ؛

قرآن کے الفاظ کے حضرت عمر کے کانوں پر پڑنے سے گویا وہ نیند اور بیہوشی سے
بیدار ہو گئے اُن کا اپنا قول ہے کہ جب یہ آیات میں نے حضرت ابوبکر سے سنیں مجھ پر ہیبت
طاری ہوئی اور اعضا پر لرزہ پڑ گیا۔ مجھ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے وفات
پانے کا یقین ہو گیا اور میں گر گیا ؛

نہیں سکتا تھا انصار نے
بھاری خوف کے مقابلہ میں ایسے خطرے کا خیال
بھی سعد کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی کہ یہ تینوں اصحاب سقیفہ میں پہنچ گئے۔ جب انصار
نے اُن کو دیکھا تو کہنے لگے۔ کہ تم مہاجر اور تمہارا فخر بڑا ہے لیکن ہم نے بھی بہت رنج
اُٹھایا ہے اور چاہتے ہیں۔ کہ اپنے میں سے ایک امیر مقرر کریں[1] حضرت عمر جن کا جذبہ ساعت
پہلے کا جوش بھی ابھی کم نہیں ہوا تھا چاہتے تھے کہ اُس کے جواب میں تقریر کرنے
کو کھڑے ہوں مگر حضرت ابو بکر نے اُن کی تند مزاجی اور سخت گوئی سے ڈر کر اُن کو روک دیا
اور خود تقریر کرنی شروع کی۔ اور نہایت متانت اور سنجیدگی سے کہا کہ ہر ایک لفظ جو انصار نے
اپنی تعریف میں کہا ہے وہ درست اور صحیح ہے لیکن نسبی شرافت اور رعب و دبدبہ میں
قریش سب سے افضل ہیں۔ اور سوائے اُن کے عرب کسی کی اطاعت میں سر نہ جھکائیگا
اس پر انصار نے کہا کہ اچھا یوں ہونے دو کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے۔
حضرت عمر نے کہا دور ہو۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ دو امیر ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ انصار اور سعد
کی طرف سے حباب مباحثہ کرنے کھڑا ہو گیا۔ اور رنج اور غصہ کے الفاظ زبان پر آنے لگے۔
حضرت عمر اُس سے خفا ہوئے اور کہا کہ خدا تجھے غارت کرے۔ اُس نے بھی ایسے ہی الفاظ
کہے۔ حضرت ابو بکر گھبرائے کہ اس غصہ اور غضب سے معاملہ دگرگوں نہ ہو جائے۔ اور آگے بڑھ کر
انصار کو خطاب کر کے کہنے لگے۔ کہ یہ دو آدمی تمہارے سامنے کھڑے ہیں (حضرت عمر اور
ابو عبیدہ کی طرف اشارہ کیا) ان دونوں میں سے جس کو تم چاہتے ہو منتخب کر لو۔ اور اُسکے
ہاتھ پر بیعت کرو۔ حضرت عمر نے نہایت بلند آواز سے جس سے تمام مجلس گونج اُٹھی کہا کہ نہیں
رسول اللہ تمہارے لئے پہلے ہی سے امامت کا حکم دے چکے ہیں تو ہی ہمارا امیر ہے اور
مجھ سے افضل ہے۔ حضرت ابو بکر نے اس کے جواب میں کہا کہ تو مجھ سے زیادہ قوی ہے
اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ تو رسول اللہ کے بعد خیر الناس یعنی سب
آدمیوں سے بہتر ہے۔ حضرت ابو بکر نے اُس کے جواب میں کہا کہ میں نے رسول اللہ کو کہتے

[1] اینلس ادن ارلی خلافت مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۴ دکتاب راٹیز اینڈ ڈی کلائین۔ دف خلافت (خلافت کا عروج
اور زوال) مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۲ [2] تاریخ طبری فارسی نسخہ صفحہ ۴۳۵ +

سنا ہے کہ عمر سے اچھے کسی شخص پر آفتاب نہیں طلوع ہوا[1]۔ مگر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ لے کر اُس پر بیعت کی۔ اُن کی بلند آواز نے مسلمانوں کے دلوں کو گویا ہلا دیا تھا اور حضرت ابوبکر کے فضائل یاد دلا دئے تھے اب اُن میں بھی ایک جنبش پیدا ہوئی اور بیعت کرنے کے لئے بڑھنے لگے[2] حباب نے بنی خزرج کو برگشتہ کرنے کی پھر کوشش کی مگر بنی اوس کے بیعت کر لینے سے بنی خزرج بھی اُن کی تقلید کرنے پر مجبور ہوئے اور وہ پُرخطر ہنگامہ فرو ہو گیا +

اِسی اثنا میں آنحضرت صلعم کے غسل اور تکفین سے فراغت ہو چکی تھی اور رات نے دن کے کاموں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ اگلے دن صبح کو جب لوگ مسجد میں جمع ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ اُن کی ملاقات کے واسطے نکلے حضرت عمر نے کھڑے ہو کر اُس عظیم مجمع کو خطاب کیا اور کہا کہ اے لوگو کل جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ صحیح نہیں تھا اور وہ خدا کی کتاب اور اُس کے وعدہ کے خلاف تھا۔ میں تو اپنی اِس خواہش کے خیال سے کہتا تھا کہ پیغمبر خدا ابھی اور زیادہ دنوں تک ہم میں رہتے اور اپنی زبان مبارک سے ہم کو نصیحت اور ہدایت کرتے۔ لیکن خدا نے اُن کو ہمارے پاس سے اپنے پاس بلا لینا پسند کیا ہے۔ مگر خدا کا کلام جو خدا نے ہماری ہدایت کے واسطے اپنے رسول کو بخشا ہے وہ ہمارے پاس موجود ہے۔ اُس پر عمل کرو۔ اُس کو اپنا ہادی بناؤ اور تم گمراہی میں نہ پڑو۔ اب خدا نے تمہارے امور کے انتظام کو اُس شخص کے ہاتھوں میں سپرد کیا ہے جو ہم سب سے افضل اور بہتر ہے۔ جو خدا کے رسول کا رفیق اور اُس وقت کا جب کہ وہ غار میں تھے ایک ہی ساتھی ہے اُٹھو اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کرو[3]۔ پس لوگ سب طرف سے آنے لگے اور حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر عوام الناس نے بروز سہ شنبہ چودھویں ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری مطابق ۹ جون سنہ ۶۳۲ء کو

---

[1] انلس اوف اربی خلافت مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۳ و ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا باب ماثر حضرت صدیق۔

[2] لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۱۴ [3] لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۱۴۔

[4] لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۱۵+

بیعت کی بنی خزرج میں سے سعد نے بیعت نہیں کی تھی اور قریش میں سے حضرت علیؓ نے تامل
سے بیعت کی بعض کہتے ہیں چالیس روز بعد اور بقول بعض چھ ماہ بعد اور یہی عام روایت ہے
کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی وفات پر جو آنحضرت صلعم سے چھ ماہ بعد واقع ہوئی حضرت علیؓ
نے دل سے بیعت کا اظہار کیا۔ سر ولیم میور اس روایت کو محض بے بنیاد خیال کرتے
ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے بیعت نہ کرنے پر اُن کے مکان کو آگ لگا دینے کی
دھمکی دی ہو اور اسی طرح طلحہ اور زبیر کے بیعت نہ کرنے کی روایت کو نہیں مانتے ہیں[1]۔
آنحضرت کی تدفین سے فارغ ہو کر جس عرق ریزی کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے نہایت
پُر درد جوش کے ساتھ دعائیہ کلمات کہے سب سے پہلے جس کام کا حضرت ابوبکرؓ کو خیال آیا
وہ اسامہ بن زید کو سرحد شام پر اُس غزوہ کے واسطے بھیجنے کا تھا جو آنحضرت صلعم کے آخر
وقت میں تجویز ہوا تھا اور جملہ اصحاب کو یعنی حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کو بھی اُس کے ساتھ جانے
کا حکم ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کے دوسرے روز علم اُٹھایا اور اسامہ کے ہاتھ میں
دیا اور لوگوں کو اسی طرح اُس کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ مدینہ کو چاروں طرف سے خطرات
دھمکیاں دے رہے تھے اور ایسے وقت میں اپنی تمام قوت کو شہر سے جدا کر دینا اور دور بھیج دینا
اور شہر کو بے پناہ چھوڑ دینا نہایت پُر خطر تھا۔ اور اسامہ کے زیر حکم جنگ کرنا بھی لوگوں کو
ناگوار تھا۔ لشکر جمع ہو کر تیار ہو گیا۔ مگر حضرت عمرؓ کو اُنہوں نے کہا کہ ایسے نازک وقت کے
اندیشہ اور ہمارے عذرات کو حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش کر کے اِس ارادہ سے باز رہنے
کی اُن کو ترغیب دیں۔ حضرت عمرؓ نے بہت اصرار سے کہا مگر حضرت ابوبکرؓ نے نہ مانا۔
خطرے کے خیال اور اسامہ کی سرداری کے عذرات کا ایک ہی جواب تھا کہ آنحضرت صلعم
کی تجویز کے سامنے وہ کچھ نہیں۔ لشکر نے کوچ کیا۔ حضرت عمرؓ بھی اُس میں شریک تھے حضرت
ابوبکرؓ کو کم سے کم اُن کا اپنے سے علیحدہ کرنا گراں گذرا۔ وہ بھی لشکر کو وداع کرنے ساتھ
جا رہے تھے۔ اسامہ سے کہا کہ اگر تمہاری رضا ہو تو عمرؓ میرے ساتھ شہر کو لوٹ جائیں
تاکہ اُن سے قوت اور مشورہ حاصل کروں[2]۔ اسامہ نے اجازت دیدی۔

[1] انلس آف دی ارلی خلافت حاشیہ صفحہ ۲۳۔ [2] لیف آف محمد سر ولیم میور صفحہ ۱۸۱۔ [3] انلس آف دی ارلی خلافت صفحہ ۹۔

مدینہ کے لئے جو ایک بڑا خطرہ باقی تھا اس وقت آن پہنچا۔ خود آنحضرت صلعم کی حیات میں بدکاروں نے پیغمبری کا دعوے کرنے کا ایک نیا شوشہ نکال لیا۔ اسود بن عنسی کی اس بدکاری کی سزا تے ابھی یمن کے ہنگامہ کو فرو نہیں کیا تھا کہ آنحضرت صلعم کی وفات کی خبر نے ایسے مفسدوں کو اور زیادہ گرم کر دیا۔ مسیلمہ کذاب اور طلیحہ دو قوی غنیم اور کھلم کھلے مخالف تھے۔ باقی عرب بجز بیٹھنے کے واسطے زکوۃ دینے سے انکار کرنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا ✤

عمال صدقات و زکوۃ خوف کے مارے بھاگے آتے تھے اور غدر اور بغاوت کی متوحش خبریں لا رہے تھے ✤

عمرو بن العاص نے جن کو آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع سے جہاں سے مختلف اطراف کی طرف قاصد بھیجے تھے عمان کی طرف بھیجا تھا واپس آکر تمام وسط عرب کے بغاوت اور زکوۃ دینے سے انکار کرنے پر آمادہ ہونے کی خبریں سنا کر اور بھی متردد اور پریشان کر دیا۔ عمرو بن العاص مدینہ پہنچ کر اپنے دوستوں کی ایک جماعت میں یہ دل شکن اور ہوش ربا حالات بیان کر رہے تھے کہ حضرت عمر ان پہنچے۔ ان کے آنے پر سب خاموش ہوگئے مگر حضرت عمر تاڑ گئے اور کہنے لگے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تم کو اعراب کی طرف سے جو خطرہ ہوگیا ہے اس کا ذکر کر رہے تھے۔ جب انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں یہی ذکر کر رہے تھے تو حضرت عمر نے ان کو قسم دی کہ ان خبروں کو مشہور کر کے لوگوں کو بد دل نہ کریں۔ ان کے بھی دل بڑھائے اور کہا کہ "تم اس کا کچھ خوف مت کرو۔ واللہ میں اس سے نہیں ڈرتا ہوں جو تم عربوں کے ہاتھ سے اٹھاؤ گے بلکہ اس سے ڈرتا ہوں جو اعراب تمہارے ہاتھ سے اٹھائینگے۔ اگر قریش کی جماعت تنہا ایک غار میں بھی گھسیگی تو اعرابی وہاں بھی ان کی پیروی کرینگے اور پیچھے چلینگے۔ وہ ایک کم حیثیت بھیڑ ہے۔ پس تم خدا سے ڈرو اور ان کے خوف کو دل میں جگہ نہ دو" ✤

اب ان شورشوں اور ہنگاموں کی خبریں پے در پے مدینہ پہنچنے لگیں حضرت ابوبکر کو گو اسامہ کو تمام لشکر کے ساتھ باہر بھیج دینے کا افسوس ہوتا ہو مگر اس کو انہوں نے کسی

ملحم انلس لذت اربی خلافت حاشیہ صفحہ ۱۲ ✤

سبب سے انصار اِس حملہ سے متفق نہ تھے۔ غرض خالد کے پہنچتے ہی مالک کی جمعیت شکستہ ہوگئی اور مالک اپنی بیوی اور چند آدمیوں کے ساتھ آسانی سے گرفتار کر کے مسلمانوں کے لشکر میں لایا گیا اُس نے اقرار کیا کہ میں مسلمان ہوں مگر اثنائے گفتگو میں خالد کے سلوک کی نسبت اُس کے منہ سے نکل گیا کہ "تمہارے صاحب (آنحضرت سے مراد ہے) نے کبھی ایسا حکم نہیں دیا تھا"۔

خالد نے بھڑک کر جواب دیا کہ "وہ ہمارے صاحب تھے اور تیرے صاحب نہ تھے"

بعض مورخین کے مطابق یہ ہے کہ اُسی وقت خالد کے اشارے سے ضرار نے مالک کی گردن اُڑا دی[۱]۔ اور بعض کا قول ہے کہ صبح تک اُن کو مہلت دی گئی اور حفاظت میں رکھے گئے سردی کی رات تھی خالد نے حکم دیا کہ اُن کو کپڑے اُڑھا دو۔ مگر یہ ایک ذومعنی لفظ تھا کنعانی زبان میں اُس کے معنی یہ تھے کہ "مار ڈالو" ضرار نے جس کی محافظت میں یہ لوگ تھے سب کو معہ مالک کے تہ تیغ کر دیا۔ خالد شور و غل سن کر وہاں پہنچا مگر اُن کا کام تمام ہو چکا تھا اُس نے سوائے اس کے کچھ نہ کہا کہ "خدا کی مرضی کو کون روک سکتا ہے[۲]"۔

مالک کی بیوی لیلی نہایت حسین اور جمیلہ عورت تھی۔ خالد نے وہیں اس سے نکاح کر لیا۔ یہ واقعہ بلبیانہ تھا کہ خلیفۂ وقت کے سامنے پیش نہ ہوتا۔ ابوقتادہ انصاری جس نے خالد کے روبرو بھی نہایت سختی سے مزاحمت اور شکایت کی تھی مالک کے بھائی متمم کو لے کر مدینہ پہنچا اور حضرت عمر کے روبرو قسم کھائی کہ مالک مسلمان تھا اور اُس کے لشکر میں سے اذان کی آواز سنی گئی تھی اور زکوٰۃ دینے کو آمادہ تھا (حضرت ابوبکر نے یہی نشان مسلمان کا مقرر کیا تھا) حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا اور اُن کی قطعی رائے یہی تھی کہ خالد نے ایک مسلمان کا خون ناحق کیا ہے اور اُس سے اُس خون کا بدلہ لیا جانا چاہیے مگر حضرت ابوبکرؓ "سیف اللہ" کو نیام میں کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم خالد طلب ہوا اور مدینہ میں پہنچ کر سیدھا مسجد کی طرف حضرت ابوبکر کے پاس چلا حضرت عمرؓ اُس کو دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اُس کا گریبان پکڑ لیا اور کہا کہ اے دشمن خدا تو نے کیوں

[۱] طبری فارسی نسخہ صفحہ ۴۴۴ ہسٹری آف سیریسنز مؤلفہ اوکلی [۲] اینلس آف ارلی خلافت مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۳

ایک مسلمان کو قتل کیا اور اُس کی عورت سے نکاح کر لیا۔ خالد کا جواب خاموشی تھی۔
حضرت ابوبکر کے پاس پہنچ کر اُس نے تمام واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابوبکر کا اطمینان
ہو گیا اور سوائے اس کے کہ مالک کی عورت کو میدان جنگ ہی میں نکاح کر لینے پر ملامت
کی اور کچھ کہنا پسند نہ کیا۔ خالد کے لوٹتے ہوئے اُس کے متکبرانہ کردار سے حضرت عمر نے
معلوم کر لیا کہ حضرت ابوبکر نے اُس کا عذر تسلیم کر لیا ہے متمم دعوے پر اڑا رہا اور اپنے بھائی
کے واقعہ کو نہایت دردناک اشعار میں نظم کر کے سُناتا تھا۔ حضرت عمر نے کبھی خالد کی
بیگناہی کو نہ مانا اور اِس بات پر اصرار کرتے رہے کہ لشکر کی سرداری سے اُس کو معزول
کر دیا جائے مگر حضرت ابوبکر ہمیشہ یہی جواب دیتے تھے کہ خالد کے حکم کے سمجھنے
میں غلطی ہوئی ہے سیف اللہ بیگناہ ہے +

مالک کا واقعہ نہ شاعروں کی قلم نے چھوڑا ہے نہ مورخوں کی نگاہ نے۔ بعض نے تو یہاں تک
بیان کیا ہے کہ مالک نے اپنے قتل کا حکم پا کر خالد کی نگاہوں اور اپنی عورت کے حسن و جمال کی
طرف دیکھا تو کہا کہ میری موت کا بھید اس میں ہے۔ اِس کا حُسن میری جان لے رہا ہے
خالد نے کہا کہ نہیں تیرا کفر تیری جان کا دشمن ہے۔ گو اِس قسم کی روایتیں صحیح نہ ہوں مگر
خالد کے مالک کی عورت سے اُسی وقت نکاح کر لینے سے اُس کے قتل بیگناہ پر ایک ایسا
قوی شُبہ پیدا ہوتا ہے کہ مٹائے سے نہیں مٹ سکتا۔ کم سے کم ایسی بے دردی سے اِس
قسم کے آشوب ناک واقعات کے درمیان میں نکاح کا خیال کرنا ایک مسلمان سپہ سالار کے
وقار اور روش کے خلاف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کی رائے جو
ابتدا میں خالد کو معزول کرنے کی نسبت قائم ہو چکی تھی آخر تک ویسی ہی رہی +

یمامہ کی لڑائی میں جو اِس واقعہ کے بعد خالد اور مسلیمہ کذاب کے درمیان ہوئی تھی مسلمانوں
کو اگرچہ مسلیمہ کی چالیس ہزار مضبوط فوج پر فتح حاصل ہوئی اور اِس فتنہ عظیم کے فرو کرنے میں
کامیابی ہوئی مگر اِس قدر نقصان اُٹھانا پڑا کہ مسلمانوں کی تاریخ میں یہ سب سے پہلا اتنا
بڑا خونخوار حادثہ تھا۔ بارہ سو جانوں کا نقصان ہوا۔ جن میں تین سو ساٹھ مہاجرین اور
تین سو انصار تھے۔ خاص اصحاب رسول اللہ میں سے جنہوں نے شربت اجل پیا۔

اُن کی تعداد چالیس سے کم نہ تھی۔ زید بن خطاب حضرت عمر کے بھائی اور حذیفہ بھی اصحاب میں تھے۔ زید نے اگرچہ بہت بہادری دکھا کر جان دی اور مسلمانوں کی فتح میں اُن کا کچھ حصہ نہ تھا مگر حضرت عمر کو نہایت رنج ہوا۔ مدینہ میں کوئی گھر نہ تھا جس سے رونے کی آواز نہ آتی ہو مگر خالد نے اِس میدان جنگ کو بھی اپنی عروسی اور نکاح کی یادگار بنانے میں تامل نہ کیا۔ فجاعہ ایک سردار بنی حنیفہ کا جو خالد نے پکڑ رکھا تھا اُس کو کہا کہ اپنی بیٹی مجھے نکاح میں دیدے۔ اُس نے کہا صبر کر ایسی جلدی کرنے سے میری اور خلیفۂ وقت کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے۔ مگر خالد نے اُس کو مجبور کیا اور اُس نے ناچار نکاح کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ خالد نے ہزار درم کا مہر دیا۔ اور اُس وقت تک غنیمت تقسیم نہیں ہوئی تھی خالد کی عروسی کی رات تھی مگر لشکر میں بہت آدمی بھوکے سوئے ہوئے تھے۔ زیاد بن تمیم نے تین شعر لکھ کر اسی شکایت میں حضرت عمر کے پاس بھیجے جو حضرت ابوبکر کے سامنے پڑھے گئے[1] گو یہ روایت اس درجہ تک صحیح نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکر نے بھی خالد کی اِس بے اعتدالی کو تسلیم کیا اور نہایت رنج اور غصہ سے خالد کو نامہ لکھا جس کے حرفوں سے خون ٹپکتا تھا۔ اُس میں لکھا کہ تجھے اتنی فراغت ہے کہ اِس طرح عروسی کرے اور بیت المال میں فساد کرے۔ بارہ سو مسلمانوں کا خون تیرے سامنے گرا ہے جواب تک خشک نہیں ہوا ہے۔[2] خالد پر جو اِس نامہ کا اثر ہوا وہ اسی قدر تھا کہ اُس نے کہا کہ یہ عمر کا کام ہے[3] حضرت ابوبکر آمادہ ہو گئے تھے کہ خالد کو معزول کر کے واپس بلا لیں مگر کسی مصلحت سے وہ اپنے ارادہ کو پورا نہ کر سکے۔

حضرت ابوبکر کے زمانۂ خلافت میں حضرت عمر صرف اُن کے مشیر اور صلاح کار ہی نہیں تھے بلکہ خلافت کے ساتھ امور خلافت کے انجام دینے میں شریک مساوی تھے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابوبکر برائے نام خلافت کرتے تھے اور درحقیقت تمام کام کو حضرت عمر ہی انجام دیتے تھے تاہم غلط نہ ہوگا۔ سر سید احمد خان صاحب کا قول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ کا زمانہ خلافت تو شمار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ درحقیقت وہ زمانہ بھی

---

[1] انتشار الخلافت صفحہ ۶۴ [2] طبری فارسی نسخہ [3] طبری فارسی نسخہ۔

سکے دیانتداری سے انجام پانے سکے وہ خود ذمہ وار ہونگے یہ سند حضرت عمر کو دکھلائی گئی اُنہوں نے
غصہ ہوکر جس کا سبب ظاہر یہ تھا کہ اقرع منافق رہ چکا تھا اُسکو پھاڑ ڈالا طلحہ جس کی وساطت
سے یہ معاملہ ہوا تھا حضرت ابوبکر کے پاس پہنچا اور جاکر سوال کیا کہ تو امیر ہے یا عمر حضرت
ابوبکر نے جواب دیا کہ عمر مگر میری اطاعت لازم ہے سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ اس واقعہ
سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر کا خلافت میں کس درجہ تک دخل اور اثر تھا[1]
حضرت ابوبکر کہا کرتے تھے کہ خاص اصحاب اور حضرت عمر کو نہ صرف اُن کے پاس ادب کے
لحاظ سے کسی کام اور حکومت پر باہر نہیں بھیجتے بلکہ خلافت کے کام میں وہ اُن کے دست و
بازو ہیں[2] اسامہ کے ساتھ تمام اصحاب کو بھیجدیا تھا مگر حضرت عمر کے مدینہ میں رہنے کی
اسامہ سے اجازت لے لی تھی غرض حضرت ابوبکر کی دو سالہ خلافت کی کامیابی میں حضرت عمر کا کچھ کم
استحقاق نہیں ہے وہ حضرت ابوبکر کی خلافت میں اُن کے مقرر کر دینے سے مدینہ کے قاضی بھی تھے گو کام
کچھ نہ تھا مگر اسلام میں وہ سب سے پہلے قاضی تھے اور اس عہدے کو اُن کے سبب سے عزت اور فخر حاصل ہے

حضرت ابوبکر کی خلافت کا پہلا سال تو اندرونی بغاوتوں کے فرو کرنے اور فتنہ و فساد
کے رفع کرنے اور نفاق و کفر کی آگ بجھانے میں گذر گیا جب اِن کی طرف سے اطمینان حاصل
ہوا تو سب سے پہلا خیال اُن دلوں میں جو نور اسلام سے منور اور روشن ہوئے تھے
سوائے اس کے کیا پیدا ہو سکتا تھا کہ اُن کے ملک کے اطراف و جوانب میں جو قومیں
اور جو ملک کفر و ضلالت کی تاریکی میں خستہ و خراب پڑے ہوئے تھے اُن کو بھی اس مبارک
روشنی کی چمک دکھائیں اور اُن تمام مذموم عیوب اور برائیوں سے جن میں وہ پھنس
گئے تھے نکال کر خدا کی اس سب سے بڑی رحمت اور نعمت کی طرف راہ نمائی کریں اسلام
کے دائرے کو جیسا کہ مشیت ایزدی کا ارادہ ہو چکا تھا وسیع کریں اور اس عالمگیر
دین کو دنیا کے اطراف میں مشتہر اور شائع کر کے منشاء ایزدی کو پورا کریں شمال و مغرب
اگرچہ سرحد شام کی اقوام کی بدعہدی اسلامی ہتھیاروں کی دعوت کر رہی تھی اور شمال
و مشرق میں بظاہر عیسائی عرب اقوام سے نظر آگے نہیں بڑھتی تھی مگر در حقیقت ایران

[1] لائف آف ارلی خلافت حاشیہ صفحہ ۵۰ [2] [illegible] صفحہ ۱۹

اور شام کے کسرٰے ایران اور قیصران روم کی سلطنتیں جو مشرق اور مغرب میں دو بڑی اور زور ہی
بڑی سلطنتیں تھیں علم اسلام کے واسطے مقسوم ہو چکی تھیں وہ اپنے وقت میں اپنی بزرگی
اور شان و شوکت میں آسمان کے ستارے ہو کر چمکی تھیں مگر اب ظلم اور تاریکی ہیں اور دُنیا
کی منتخب برائیوں کا مسکن اور مقام تھیں اور قانون الٰہی کے رو سے ہی اُن کا استحقاق اُس
نبی کریم کی امت مرحوم اور مغفور کو پہنچتا تھا جن کے انعاموں میں اُس سب سے بڑی نعمت الٰہی
کے ساتھ لازم و ملزوم ہونے کے سبب سے وعدہ کی گئی تھیں۔ تھوڑا ہی عرصہ پہلے کسرٰے
ایران اور قیصر روم ایک دوسرے کے مقابلہ میں اپنی قوتوں اور زوروں کو جنگ کے ترازو
میں تول چکے تھے اور قیصر روم نینوا کے میدان میں ایران سے بازی جیت چکا تھا اور
اپنے پلہ کو بھاری کر لینے کا فخر حاصل کر چکا تھا۔ اس کے بعد ایران میں جو بدعملی پھیل
گئی تھی اُس کے دورے سے نجات حاصل کرنے کے لئے اور قیصر جس خواب غفلت میں
سو گیا تھا اُس سے بیدار ہونے کے واسطے اُن ہاتھوں کا انتظار کر رہے تھے جو اُن سے
بہت دور نہیں تھے۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ کی جزوی فتوحات کو حضرت عمر کے زمانہ کی
فتوحات کو مکمل کرنے اور سلسلۂ فتوحات کے قابل فہم بنانے کے واسطے بیان کرنا ضروری ہے
اور ویسے بھی حضرت عمر کا حق ہے کہ اس زمانہ کی فتوحات اُن کے تذکرے میں اس اختصار
کے ساتھ جو ہم نے بالعموم اختیار کیا ہے بیان کی جاویں +

مثنیٰ بن حارث سواد میں مسلمانوں کی طرف سے کام شروع کر چکا تھا مگر اُس کے مقابلہ
میں جو قوتیں جمع ہو رہی تھیں ان کے واسطے وہ اپنی اکیلی جمعیت کے ساتھ کافی نہ تھا
پس سنہ ۱۲ھ کے شروع میں خالد اور عیاض بن غنم اپنی جزوی فوجوں کے ساتھ عراق کی
طرف روانہ ہوئے۔ خالد کا کام سواد میں مثنیٰ کے ساتھ اُبلہ سے گذر کر حیرہ میں پہنچنے کا تھا
اور عیاض دومۃ الجندل سے ہوتا ہوا حیرہ میں پہنچنے والا تھا۔ خالد کے قوی اور ناقابل
مزاحمت بازوؤں کے ساتھ اُس کی کامیابی ایسی دم ساز تھی کہ اُس سے مقابلہ کرنا بجائے
خود بدبختی اور شامت کی دلیل تھی۔ خالد نے اُبلہ کے سردار ہرمز کو جو کسرٰے ایران (شاہ ایران)
کا نامزد نائب تھا اسلام خراج یا جنگ کا پیغام بھیجا۔ ہرمز ایسے عجیب پیام سے گرچہ

چونکا اور کسرےٰ کے پاس اس کی خبر بھیجی مگر عربوں کی ایسی خفیف فوج کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا جنگ کے واسطے نکل کھڑا ہوا اور آراستہ فوجوں کے درمیان میں خالد کو اپنے مقابلہ میں مبازرہ کے واسطے طلب کیا۔ خالد اس ہیلتن قوی جوان سے اکیلے دست بدست لڑنے کے واسطے نکلا۔ ہرمز نے اگرچہ فریب سے کمین میں آدمی بٹھا رکھے تھے[1] مگر خالد نے پچھاڑ کر اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر لشکر عجم میں پھینک دیا۔ دونو لشکروں میں بڑے خروش کی لڑائی ہوئی مگر عجمی شکست کھا کر بھاگ نکلے اور اپنا مال اسباب جس میں ہرمز کا ایک مرصع تاج بھی تھا اور ایک ہاتھی مسلمانوں کے واسطے چھوڑ گئے جس کا خمس معہ تاج اور ہاتھی کے مدینہ بھیجا گیا۔

شاہ ایران نے ہرمز کی عرضی پہنچنے پر ایک بڑی فوج ایک شاہزادہ کے ماتحت اسکی امداد کو بھیجی مگر وہ بھی شکست کھا کر پسپا ہو گئی۔ اب شاہ ایران کے کان کھڑے ہوئے اور عربوں کے مقابلہ کے واسطے اپنی سلطنت سے عربوں بنی بکر وغیرہ کی ایک فوج بھرتی کر کے ایک مشہور جرنیل بہمن کے زیر حکم مسلمانوں کے مقابلہ کو بھیجی مگر اس کی قسمت بھی پہلی فوجوں سے کچھ اچھی نہ تھی۔ خالد کو پے در پے فتوحات حاصل ہو رہی تھیں۔ الیس کی لڑائی میں اس نے ایک زیادتی بھی کی کہ قسم کھائی تھی کہ فتح حاصل کر کے دشمن کے خون سے دریا بہاؤنگا۔ اور اپنی قسم کو پورا کرنے کے واسطے لڑائی کے قیدی بہت سے قتل کر ڈالے مگر ان روایتوں میں جس قدر مبالغہ ہے اس کو سر ولیم میور بھی نہیں مانتے[2]۔ اب حیرہ کا راستہ صاف ہو گیا تھا۔ خالد نے بڑھ کے محاصرہ کر لیا۔ حیرہ بابل کے مغرب کی جانب دشت شام کے کنارے پر ایک عربوں کی جدا گانہ بستی تھی اور برائے نام فارس کے ساتھ تعلق تھا۔ وہاں کا بادشاہ کسرےٰ ایران کا نائب کہلا کر عراق عرب پر حکومت کرتا تھا۔ تیسری صدی عیسوی کے شروع میں عیسائی لپنے مذہبی عمال کے مظالم سے تنگ آ کر حیرہ کے عربوں کے پاس پناہ گزین ہو گئے تھے اور آنحضرت صلعم کی ولادت کے کچھ عرصہ بعد حیرہ کا بادشاہ

---

[1] دی خلافت اٹس رائز ڈیکلائین اینڈ فال (عروج و زوال خلافت) مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۲۔

[2] دی خلافت (عروج و زوال خلافت) مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۵۔

عیسائی ہو گیا تھا۔ شہر نہایت مضبوط اور بڑا عالیشان تھا اور اسی کا خالد نے محاصرہ کیا تھا
اہل حیرہ پسر بادشاہ عرصہ تک محصور رہے مگر آخر جزیہ دینا منظور کرکے صلح کر لی
مسلمان حسب دستور اُن کی اور ان کے شہر کی حفاظت کے ذمہ وار ہوئے۔ اُن کے
مذہب سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ وہ اپنے آبائی دین پر رہے[1]۔ حیرہ کو خالد نے اپنا صدر
مقام قرار دیا اور ایک سال تک رہا +

حیرہ سے فارغ ہو کر خالد نے انبار اور عین التمر کو فتح کیا اور عجم کی فوج اور عرب کی بنی بکر
اور بنی عجل اور بنی تغلب کے ملے ہوئے لشکروں کو بڑی بہادری سے مغلوب کیا انبار کو
صلح پر چھوڑ دیا اور عین التمر کی لڑائی میں عقبہ ایک عرب سردار کے سر کو خالد نے بڑھ کے اپنی
بغل میں دبا لیا اور کھینچ کر گھوڑے پر سے اٹھا کے اپنے لشکر میں لے آیا۔ جو دشمن کی شکست
کا دیباچہ تھا +

خالد اور عیاض ایک ہی وقت میں حیرہ پہنچنے کے واسطے چلے تھے خالد تو توقع سے
زیادہ کام کر چکا تھا مگر عیاض دومتہ الجندل میں دشمن کا محاصرہ کئے ہوئے نہایت ناکام
پڑا ہوا تھا جب اُس کی طرف سے ناامیدی ہوئی تو خالد کا مُنہ تکنا پڑا۔ خالد نے اپنے
ایک بہادر افسر قعقاع کو حیرہ پر مقرر کیا اور دوسرے مقامات مفتوحہ بھی سپردگی کرکے
ریگستان میں سے گذر کر دومتہ الجندل کو روانہ ہوا اکیدر اور جودی دومتہ الجندل کے سردار
تھے۔ بنی کلب اور بنی غسان جن کا سردار جبالا عیسائی بادشاہ والی بصرے تھا اور اور
عرب کے قبائل اُن کی امداد کو جمع تھے۔ خالد کی آمد سُن کر سب کے چھکے چھوٹ گئے بقول سر ولیم میور
کے "خالد کی آمد نے صورت حال کو تبدیل کر دیا اُس کا نام ہی قوت کا برج تھا"[2] +
اکیدر نے جو پہلے سے خالد کے قوت بازو دیکھ چکا تھا اور اسکے ہاتھوں قید ہو کر مدینہ
گیا تھا بہت خوف زدہ ہو کر ہتھیار چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ مگر راستہ ہی میں پکڑا گیا جودی
اور اُس کے مددگاروں کے ساتھ سخت لڑائی ہوئی شکست کھا کر سب بھاگ گئے۔ جبالا
بصرے کو فرار ہو گیا۔ خالد نے تیسری دفعہ میدان جنگ پر جودی کی بیٹی سے شادی کی مگر

[1] دی خلافت صفحہ ۵۷-۵۸ [2] دی خلافت الخ صفحہ ۶۱ +

حیرہ کی خبروں نے اُسے اطمینان سے نہ بیٹھنے دیا۔ قبائل عرب اور بنی تغلب خالد کی غیر حاضری کو غنیمت سمجھ کر چھیڑ چھاڑ کرنے لگ گئے تھے۔ خالد طوفان کی طرح واپس پہنچا اور اُس کا آنا ہی اُن کی شکست کی دلیل تھی۔ شکستہ فوجیں جمع ہو ہو کر مقابلہ کے واسطے قلعوں میں اڑ اڑ بیٹھتی تھیں مگر خالد قضا کی طرح اُن کے پیچھے تھا۔ بہت سی لڑائیاں اُن سے لڑا اور اُن کو شکستیں دیں جن میں سے حافر اور خصوصاً فراض کی لڑائی مشہور ہے۔ اب کوئی دشمن ظاہرا میدان میں نہ رہا۔ خالد کو ایک اور بے احتیاطی کی سوجھی۔ ذوالحج کا مہینہ تھا۔ خالد کو حج کرنے کا خیال آیا۔ فوج کو چھوڑ کر بغیر راہ نما اور بدرقہ کے ریگستان سے گذرتا ہوا بلا اطلاع مکہ پہنچا اور ویسی ہی بلا شناخت حج کر کے لوٹ گیا۔ حضرت عمر نے آخر اس امر کو معلوم کر لیا اور خالد کی بے احتیاطی پر ملامت کی۔

شام

حدودِ عراق اور سواد کو چھوڑ کر ہم شام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ سب سے پہلی فوج خالد بن سعید کے ماتحت شام کو بھیجی گئی تھی۔ حضرت عمر اور حضرت علی خالد بن سعید کو سردار بنا کر بھیجنے کے مخالف تھے مگر حضرت ابوبکر نے نہ مانا اور اُسی کو بھیجا۔ ابتدا میں تو اُس کو کسی قدر کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر دور نکل جانے سے گھبرایا اور مدد مانگی۔ اُسی زمانہ میں جنوبی عرب کی بغاوتیں فرو کر کے مسلمانوں کے لشکر مدینہ کو واپس پہنچ رہے تھے اُنکو عکرمہ اور ذوالکلاع حمیری کے ماتحت خالد بن سعید کی مدد کو بھیجا گیا۔ اس کے بعد ولید اور عمرو بن العاص کو بھی سرحد شام کی طرف روانہ کیا گیا۔ ولید خالد کے ساتھ شریک ہونے اور عمرو بن العاص فلسطین کے جنوب میں کام کرنے کے واسطے۔

خالد بن سعید کمک کے پہنچ جانے پر اُس احتیاط کو جس کی اُسکو ہدایت کی گئی تھی بھول گیا۔ اور بڑھتے ہوئے مرج پر شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کی رائے کے خلاف اپنے اس انتخاب پر افسوس ہوا اور نئی فوج چار نئے سرداروں کے ماتحت شام کو روانہ کی۔ شرجبیل بن حسنہ کو ولید کی جگہ جو خالد بن سعید کے ساتھ

کام لیا جائے اور اُس کی خدمات فی الحال عراق سے شام کو تبدیل کردی جائیں پس
خالد کے نام حکم لکھا گیا کہ شام کے مسلمانوں کی فوج بے دل ہے خالد اُن کی امداد کے واسطے
جائے نصف فوج مثنیٰ کے زیر حکم عراق میں چھوڑ جائے اور نصف اپنے ساتھ لیجائے
احتیاط کے واسطے بہت تاکید کی گئی۔ خالد کو جو اپنی نسبت حضرت عمر کی طرف سے
بدظنی کا خیال تھا اِس حکم کو اُس پر محمول کیا اور کہا کہ عمر میرے ہاتھوں سے عجم کی فتح
نہیں چاہتا۔ مگر یہ غلط خیال تھا۔ درحقیقت مسلمانوں کی ضرورت خالد کو شام میں
پکار رہی تھی۔ حیرہ سے یرموک کو سفر کرنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ بڑا کٹھن رستہ
اور بیابان ریگستان صحرائے شام سامنے پڑا تھا۔ ایک اور مشکل یہ تھی کہ اگر سیدھا شمالی
راستہ سے جاتا تو رستہ میں اہل شام کے ساتھ لڑائی میں رک جانے اور یرموک جلدی پہنچنے
سے پچھڑ جانے کا خوف تھا۔ نو ہزار فوج ساتھ تھی اور سب کو لے کر پہنچنا تھا۔ منتخب فوج
کو ساتھ لے کر اور باقی کو پیچھے آنے کے واسطے چھوڑ کر خالد دوبارہ اُس ریگستان
بیابان کو طے کرکے نفد کے راستہ دومۃ الجندل میں پہنچا۔ وہاں سے بصرے کے قریب
تھا مگر مزاحمت کے خوف سے یرموک کے راستہ کے خشک اور بے آب ریگستان کا سفر اختیار
کیا۔ درحقیقت اِس ریت کے بے پایاں سمندر کو طے کرکے نکلنا اُسی شیر نیستان شجاعت اور
ہژبر بیشۂ جلادت و تہور کا کام تھا اور جس حکمت سے یہ منزلیں طے کیں ایک حیرت انگیز افسانہ
کا مضمون ہیں کہ اونٹوں کو پانی پلاکر اُن کے منہ باندھ دئے اور راستہ میں اُن کے پیٹ
چاک کرکے اُس پانی سے گھوڑوں اور اونٹوں کو زندہ نکال کر لے گئے۔ چند ہی ہفتوں
میں اِن مہینوں کے راستہ کو طے کرکے ۱۳ھ ماہ جمادی الاول کے شروع میں ثمد در
میں دمشق سے سو میل مشرق کی طرف جا نکلا اور یکبارگی حملہ کرکے شہر کے حواس باختہ لشکر کو
فتح کرلیا اور بوزان سے ہوتا ہوا مسلمانوں کے لشکر سے جا ملا اور حضرت ابوبکرؓ کو مطلع کردیا

۱ شام کے آغاز فتوحات سے لیکر جنگ اجنادین تک روایات و تاریخ میں بہت اختلاف ہے۔ اوکلے اور ارونگ وغیرہ
انگریزی مورخ جن میں گامن ڈیمی پرتی وِل اور گبن مورخ اعظم بھی شامل ہیں جو فتوح شام واقدی کے مترجم اور پیرو ہیں اُس کا
اُسی زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کی فوج نے شام میں کام شروع کیا تھا آنا اور بصرے کی فتح میں شرجیل کو مدد دینا اور بصرے
کا فتح کرنا اور اُسکے بعد دمشق اور اجنادین اور کئی اور لڑائیوں کے بعد جنگ یرموک کا حضرت عمر کے عہد خلافت میں
واقع ہونا اور حضرت ابوبکر کی وفات کو اس سے پہلے فتح دمشق کے زمانہ میں بیان کیا ہے مگر دوسرے معتبر مورخ مثلاً

حضرت ابوبکر بھی اس اثنا میں نئی فوجیں بھرتی کر کے بھیجتے رہے تھے۔ اب مجموعی تعداد مسلمانوں کے لشکر کی چھتیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ مگر یونانیوں کی فوج بڑھتے بڑھتے اڑھائی لاکھ تک شمار میں خیال کی جاتی تھی جزوی اور بےنتیجہ لڑائیوں میں جو ایک مہینے تک ہوتی رہیں خالد نے ایک بڑا سقم معلوم کیا کہ مسلمانوں کی فوج کا ایک سپہ سالار نہ تھا۔ جدا جدا افسروں کے ماتحت اور اپنی اپنی مصلحت سے کسی فیصلہ تک نہیں پہنچنے دیتا تھا۔ خالد نے یہ سقم سب افسروں کے سامنے بیان کیا اور کہا کہ ہر ایک شخص گو باری باری سے فوج کی اعلیٰ حکومت پر ایک ایک دن کے لئے مقرر ہو مگر ایک انتظام کے نیچے فوج کو مجموعی قوت سے لڑانا چاہیئے ✢

اس تجویز کو سب نے منظور کیا اور خالد نے پہلے دن اعلیٰ افسری اپنے ہاتھ میں لیکر نہایت مناسب انتظام کیا۔ فوج کو چالیس دستوں میں تقسیم کر کے دلیر افسروں کے ماتحت منقسم کیا اور اُن پر ممتاز افسر مقرر کئے۔ یہ انتظام نہایت وقت پر ہوا کیونکہ یونانی بھی ایک آخری فیصلہ کے خیال سے سخت سے سخت حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے اور ایک ایسے جم غفیر اور عدد کثیر کے ساتھ بڑھے کہ میدان کی اطراف میں اندھیرا چھا گیا۔ اسی اثنا میں خالد کے پاس مدینہ سے ایک قاصد نامہ لئے ہوئے پہنچا جس کو خالد نے سرسری نظر سے پڑھ کے ترکش میں ڈال دیا اور قاصد کو خاموش رہنے کیلئے ہدایت کر کے فوج کا مدینہ کی خیر و عافیت اور کمک کے پیچھے آنے کی خبر سے اطمینان کر دیا لڑائی جس سختی اور خونریزی کے ساتھ ہوئی اُس کو تفصیلاً بیان کرنا بہت مشکل ہے مسلمان افسروں نے اور خصوصاً عکرمہ اور قعقاع اور خالد کے بہادر عزیز اور ہم مزاج ساتھی بید ھڑک ضرار نے وہ وہ بہادریاں اور جاں بازیاں دکھلائیں کہ چشم فلک نے بھی بہت کم

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۵: سر ولیم میور اور گبن وغیرہ جو طبری اور ابن اثیر اور ابن خلدون وغیرہ کے معتقد اور خوشہ چین ہیں وہ بصرہ کے واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کرتے اور واقعات کو اسی ترتیب سے بیان کرتے ہیں جو کہ ہم بوجہ اُن کے معتبر ہونے کے بیان کر رہے ہیں۔ بعض مولفوں مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب نے بس خلط واقعات سے یرموک کی لڑائی کا دو دفعہ ہونا خیال کیا ہے مگر یہ غلط ہے۔ بہر حال یہ واقعات کی تقدیم تاخیر ہے۔ اور واقدی کی نسبت جس کے واقعات گو جیسا کہ واشنگٹن ارونگ کی رائے ہے صحیح ہوں افسانوں میں بیان کرنے کے واسطے زیادہ موزوں ہیں۔ یہی ترتیب معتبر ہے۔ مؤلف

دیکھی تھیں خالد کی دلیرانہ ثابت قدمی اور آزمودہ کاری نے آخر میدان جیت لیا۔ لڑائی کی سختی کا اندازہ اِس سے کیا جا سکتا ہے کہ یونانیوں کے ایک لاکھ کشتوں سے میدان اور خندق بھری پڑی تھی۔ مسلمانوں کو بھی یہ فتح بہت گراں نصیب ہوئی تین ہزار آدمیوں نے شربتِ مرگ چکھا اور بیشمار زخمی ہوئے۔ ابوسفیان کی آنکھ میں تیر لگا اور ضرار سخت زخمی۔ عکرمہ اور اُس کا باپ زخموں سے جانبر نہ ہوئے۔ اہل شام بے حساب غنیمت مسلمانوں کے واسطے چھوڑ گئے جن میں تیس ہزار ریشمی سراپردہ تھے ہر ایک سپاہی کا حصہ پندرہ سو دینار سے کم نہ تھا۔ اِس فتح کا جو اثر ہوا بقول سر ولیم میور کے "یونانیوں کی فوج کی ہیبت ناک قسمت نے دربارِ شام اور اہلِ شام کو خوف سے متوحش اور بے کل کر دیا۔ شام کی قسمت کے فیصلہ پر گویا مُہر لگ گئی تھی۔ اب ایک کم زور اور ضعیف مخالفت کے بغیر مقابلے کو کچھ نہ رہا تھا[۱]"+

فتح کی تاریخ سنہ ۱۳ ہجری میں ماہ رجب کا شنبہ کا روز مطابق شروع ستمبر سنہ ۶۳۴ء تھی +

---

[۱] ذی خلافت آلخ صفحہ ۴۰ +

طرف سے سفارش کرتا تھا اور اگر میں کسی کے ساتھ زیادہ نرمی کرتا تھا تو وہ سختی کی طرف مائل ہوتا[۵۱]" حضرت عثمان سے جب رائے لی گئی تو انہوں نے بھی اِس رائے کی تائید کی اور کہا کہ "جو کچھ عمر میں مخفی اور پوشیدہ ہے وہ اُس سے جو ظاہر ہوتا ہے بہت بہتر ہے اُس کا نظیر اور مساوی ہم میں موجود نہیں ہے[۵۲]"

حضرت عثمان نے اِسی مضمون کی وصیت لکھوائی اور انصار مہاجرین کو بلا کر اُس کا مضمون اُن میں مشتہر کیا اور سب کی عام رضامندی اور خوشنودی کے ساتھ اِس مبارک تقریب کو ختم کیا صرف طلحہ بن عبداللہ نے اُس جماعت میں سے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ "عمر کے ہاتھ سے لوگ جس سختی میں تھے اُس کو جانتے ہو اور آج اُس کو خلیفہ مقرر کرتے ہو۔ خدا کے سامنے اس کا کیا جواب دو گے"۔ حضرت ابوبکر یہ سُن جوشِ غضب سے بھڑک اُٹھے اور کہا کہ مجھے اُٹھاؤ اور نہایت غصہ سے طلحہ کو جواب دیا کہ "تو مجھے خدا کا نام لے کر ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم جب میں خدا کے سامنے جاؤنگا تو کہونگا کہ میں نے بہترین خلق کو تیری خلق پر خلیفہ کیا ہے[۵۳]"۔ طلحہ کی اِس مخالفت کی وجہ درحقیقت یہ نہ تھی کہ وہ حضرت عمر کے استخلاف میں کوئی نقص دیکھتا تھا بلکہ نفسانیت اور دعوے خلافت کے ذاتی حوصلہ یہ بات کہلا رہے تھے۔ خود حضرت ابوبکر کے الفاظ سے جو انہوں نے حضرت عمر کو اس کے بعد وصیت کرتے ہوئے فرمائے ظاہر ہے کہ "اُن لوگوں کو میں تیرے خلاف پاتا ہوں جن کے اپنے پیٹ پھولے ہوئے ہیں اور آنکھیں لگ رہی ہیں"۔ حضرت ابوبکر کا آخری کام حضرت عمر کو بلا کر وصیت کرنے اور نرمی اور حلم کی طرف مائل ہونے کی تاکید کرنے کا تھا۔ اُن کے رحلت فرمانے کی تاریخ اکیس جمادی الثانی سنہ ۱۳ ہجری بروز دوشنبہ مطابق ۲۲ اگست سنہ ۶۳۴ء تھی۔ باوجود اِس صریح اور قطعی استخلاف کے لوگوں سے حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کر لینے کی ضرورت سمجھی گئی اور تین دن تک تمام شہر اور گرد و نواح نے بیعت کی[۵۴]۔

---

۵۱ انلیس اوف ارلی خلافت صفحہ ۱۱۷ و طبری ۵۲ انلس اوف ارلی خلافت صفحہ ۱۱۸ و طبری ۔
۵۳ انلس آگے صفحہ ۱۱۵ و طبری صفحہ ۶۸ ۴۴ ۵۴ انلس آگے صفحہ ۱۲۵

فتوحات

حضرت عمر کا سب سے پہلا کام لوگوں کو اپنی آیندہ خلافت کی طرف سے اطمینان دلانے
کے بعد عراق کے واسطے نئی فوج تیار کرنے کا تھا۔ مثنیٰ خالد کے عراق سے رخصت
ہونے اور خود سپہ سالاری اختیار کرنے کے بعد دس ہزار لشکر عجم کو جو ہرمز کے ماتحت
میدان کو خالد سے خالی پانے کے حوصلہ پر ایران کے نئے بادشاہ شہریار کے حکم سے
بڑھا تھا بابل کے میدان میں شکست فاش دے چکا تھا۔ اور ایرانیوں کی اس
نئی فوج کی ہاتھیوں کی صف کو شکستہ کرنے کی بہادری اور حکمت میں نام پا چکا تھا
مگر مثنیٰ نے اپنی قلیل فوج اور جمعیت کو ایران کے آیندہ حملوں کا مقابلہ کرنے اور
فتوحات پر قدم جمائے رہنے کے واسطے کافی نہ سمجھ کر مدینہ سے بڑی تاکید سے
کمک مانگی تھی۔ جب جواب میں دیر ہوئی تو اس نے رفع تردد کے واسطے خود مدینہ
پہنچنے کا ارادہ کیا اور پہنچ کر حضرت ابوبکر کو بستر علالت پر پایا تھا۔ گو ان کی بیماری
کے سبب سے دیر ہوگئی تھی مگر حضرت ابوبکر اس ضرورت کی طرف سے بے فکر نہیں
تھے انہوں نے حضرت عمر کو بلا کر سخت تاکید کی کہ میرے بعد تمہاری خلافت کا
سب سے پہلی ساعت کا پہلا کام عراق کے واسطے فوج تیار کرنا اور بھیجنا ہوگا۔ اور
حضرت عمر نے انکے ارشاد کو پورا کرنے کے وعدے سے اطمینان دلا دیا تھا +

پس حضرت عمر کا سب سے پہلا کام ایک نئی فوج تیار کرنے کا تھا لیکن بقول
سر ولیم میور کے ایرانیوں کی قوت کا کچھ ایسا رعب لوگوں پر چھا گیا تھا کہ کوئی آمادہ
نہیں ہوتا تھا۔ مگر ممکن ہے اور اصلیت بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ خالد کے اقبال مند
اور فتحمند سایہ کے لشکر عراق سے اٹھ جانے سے لوگوں کے دل نہیں جمتے تھے
وہ ایک شخص ہزاراں ہزار فوج کے برابر تھا اور اس کا وجود ہی کامیابی کی ضمانت
تھی۔ غالباً اسی بے دلی کے سبب لوگ منظور نہیں کرتے تھے جس کی غلطی سے
یہ تعبیر کی جاتی ہے کہ خالد کے عہدہ سپہ سالاری سے معزول کر دینے کی وجہ سے لوگ دل شکستہ

لہ دی خلافت آخر صفحہ ۷۰ +

ہو گئے تھے اور نہیں مانتے تھے[1] لیکن یہ ایک بے اصل خیال معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب بعد میں لوگ تیار بھی ہوتے تو شام کی فوج میں بھیجے جانے کی درخواست کرتے تھے اور عراق کی مہم میں جانا قبول نہیں کرتے تھے اِس سے ظاہر ہے کہ خالد کے ساتھ شام میں کام کرنے سے خوش تھے مگر اس کے بلغیر عراق کو مثنیٰ کے ماتحت کام کرنے کے واسطے جو اگرچہ دلیری اور بہادری میں وہ بھی یکتا تھا اور بقول سر ولیم میور کے دنیا کے سب سے بڑے جنگ آور اور نامور سپہ سالاروں میں جگہ پانے کا مستحق ہے[2]۔ مگر ایک قبیلہ اعراب میں سے تھا اور قریش کی شرافت اُس کے جوہر ذاتی کے ساتھ شریک نہ تھی نہیں جانا چاہتے تھے۔

بہر حال خود مثنیٰ نے بھی لوگوں کو تحریک کی اور آخر کار ابو عبیدہ بن مسعود طائف کا ایک دلیر شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور لوگ بھی جوق جوق آنے لگے۔ جب ہزار آدمی کا ایک دستہ تیار ہو گیا تو ابو عبیدہ کو اِس سبب سے کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے آمادگی ظاہر کی تھی قریش اور انصار پر ترجیح دی اور اُسی کو افسر مقرر کرکے مثنیٰ کے پیچھے جو جلدی پہنچنے کے واسطے واپس چلا گیا تھا روانہ کیا۔ ابو عبیدہ کو اجازت دیگئی کہ اقوام اعراب میں سے جو لوگ بوجہ برگشتگی اور نفاق اختیار کر لینے کے گو وہ بعد میں تائب ہو چکے تھے اب تک فوج میں نہیں بھرتی کئے جاتے تھے اب لشکر میں شریک کر لئے۔

اِسی اثنا میں ایران میں کئی انقلاب ہو چکے تھے۔ شہریار کے مرنے پر کشت و خون کے بعد بوران یا توران دخت بنت کسریٰ (پرویز) رستم بن فرخ زاد ایک نامی بہادر شخص کی حمایت سے جس کو اُس نے خراسان سے طلب کیا تھا تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ اور رستم کو سپہ سالار اور مختار مقرر کیا جس کا سب سے پہلا کام مسلمانوں کو حدود ایران سے باہر کرنے کی کوشش کرنے کا تھا۔ اُس کی دلیری اور سرگرمی اور حوصلہ افزائی فی الواقع بہت کام کر گئی۔ لڑائی کے واسطے بڑے بڑے دہقان اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرب کی حکومت کو تمام ملک نے اپنے کندھوں سے اُتار دیا اور مثنیٰ کو حیرہ چھوڑ کر مدینہ کے راستہ پر خفان میں ابو عبیدہ کے انتظار میں ٹھہرنا پڑا۔ رستم نے

---

[1] طبری صفحہ ۲۱۶۹۔ [2] دی خلافت آپر صفحہ ۹۶

جاپان لوزرسی نامی دو شخصوں کو قوی لشکروں کے ساتھ حیرہ اور کسکر پر قبضہ کرنے
اور مسلمانوں سے لڑنے کے واسطے بھیجدیا۔ ابو عبیدہ کے ساتھ راستہ میں اقوام اعراب
میں سے بہت سے لوگ شریک ہو گئے۔ اور اُن کی بھیڑ بھاڑ کو ساتھ لانے میں دیر ہو گئی
جب خفان میں پہنچا تو دو ایک روز سستا کر مجموعی فوج کو جاپان کے مقابلہ کے واسطے
میدان میں لایا اور اُس کو شکست دے کر مار ڈالا اور پھر کسکر کی طرف بڑھ کر نرسی کو
جس کے ساتھ جالینوس ایک دوسرا افسر آٹھ ہزار فوج سے شریک ہوا تھا شکست دی
اور ایک عارضی اطمینان کا مُنہ دیکھا[1]۔

اِن شکستوں سے بھڑک کر رستم نے ایک مشہور اور جنگ جو افسر بہمن کے ماتحت ایک کثیر
لشکر جو تیس ہزار سے کم نہ تھا مسلمانوں کے مقابلے کے واسطے روانہ کیا اور درفش کاویانی
کو کھول کر اُس کے سپرد کیا۔ دریائے فرات کے کنارے پر لشکر آن پڑا اور مسلمانوں کی
فوج دریا عبور کر کے دوسری جانب پڑی ہوئی تھی۔ ابو عبیدہ نے ایک پُرخطا دلیری کی
کہ باوجود لشکر کی مخالفت اور ممانعت کے دریا کے اُس پار جا کر لڑنا قبول کیا جہاں
زور آزمائی اور پیچھے ہٹنے کے لئے کافی جگہ ہی نہ تھی۔ مسلمانوں کی فوج دس ہزار سے کم
تھی۔ اور ایرانی فوج کو ہاتھیوں سے بہت تقویت تھی جن میں ایک بہت بڑا سفید
ہاتھی بھی تھا۔ مسلمانوں نے ہاتھیوں کی صف کا مقابلہ کر کے قریباً بھگا دیا تھا کہ
ابو عبیدہ نے اکیلے تلوار لئے ہوئے سفید ہاتھی پر حملہ کیا۔ کوئی ضرب کاری نہ لگی اور ہاتھی
نے سونڈ سے پکڑ کر پاؤں سے کچل ڈالا۔ پے درپے افسر مارے گئے اور مسلمانوں کو بھاگنے
سے روکنے کے واسطے دریا کا پل کاٹ دینے سے مسلمانوں کو بھاگنے کا راستہ نہ رہا اور
دریا میں کود کود کر بہ گئے مثنے جو اُس وقت بطور ایک ماتحت افسر کے کام کر رہا تھا اِس حال
کو معلوم کر کے بہت آشفتہ ہوا مگر غلطی لاعلاج تھی۔ شیر دل مثنے نے اس وقت بڑی جانبازی
کا کام کیا۔ جھنڈا پکڑ کر ایرانیوں اور مسلمانوں کی فوج کے درمیان چند دلیروں کے ساتھ کھڑا ہو گیا
اور پکارا کہ جب تک مسلمانوں کی فوج سلامت پار نہ اُتر جاویگی یہاں سے نہ ہٹونگا۔ پُل کی

[1] دی خلافت آخر صفحہ ۹۰ و طبری۔

مرمت کا حکم دیا اور سپاہ کو کہا کہ اطمینان سے اترو۔ اپنے آپ کو ضائع نہ کرو۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا[۱]۔ اسی حال میں مثنےؓ کو ایک ایرانی سپاہی کے نیزے سے بے طرح زخمی کر دیا مگر وہ جوانمرد اسی طرح کھڑا رہا اور مسلمانوں کو اطمینان سے پار اتار دینے کی کوشش کرتا رہا مگر پل کے درست ہونے سے پہلے بہت سے لوگ دریا میں کود کے جانیں کھو چکے تھے۔ آخر جب بقیہ فوج گذر گئی تو مثنےؓ خود اس پار آیا اور پل کو کاٹ کر بہمن کا راستہ بند کر دیا دریا میں کود کر چار ہزار سے کم جانیں ضائع نہ ہوئی تھیں۔ نئی فوج میں سے دو ہزار آدمی بھاگ گئے اور مثنےؓ صرف تین ہزار فوج کے ساتھ رہ گیا۔ بہمن کو دربار ایران کے نئے فساد کے سبب سے لوٹ جانا پڑا اور مسلمانوں کو اپنی جمعیت فراہم کرنے کا موقع مل گیا۔ اس شکست کا نام واقعہ جسر (پل) ہے جو ماہ شعبان ۱۳ھ میں واقع ہوا۔

حضرت عمرؓ نے ان ناشاد خبروں کا نام بڑے تحمل اور سنجیدگی کے ساتھ سنا[۲]۔ بھاگی ہوئی فوج کو جو مدینہ پہنچی بہت تسلی دی۔ اس شکست نے سوائے اس کے کہ ان کو اپنی مساعی کے دو چند کرنے کے واسطے برانگیختہ کرے اور کچھ نہ کیا[۳]۔ بڑی سرگرمی سے نئی فوج تیار کرنے میں مصروف ہوئے۔ جوق جوق فوج اکٹھی ہونے لگی۔ بھاگے ہوئے سپاہی بھی واپس جانے کو تیار ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک بڑی فوج جریر بن عبداللہ کے ماتحت روانہ کر کے مثنےؓ کو اطلاع دیدی گئی۔ مثنےؓ ایک آدھ لڑائی لڑ چکا تھا اور کامیابی اس کی طرف مائل معلوم ہوتی تھی۔ جریر کے نزدیک پہنچنے کی خبر سن کر مثنےؓ ایرانیوں ایک بہت بڑی فوج سے مقابلہ کرنے کے واسطے جو ایک لاکھ تعداد میں زیر حکم مہران بن باذان[۴] بڑھی آرہی تھی ایک منزل آگے بڑھا۔ حضرت عمرؓ نے بہت کچھ احتیاط سے لڑنے کی تاکید کی تھی۔ جب عجم کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ مثنےؓ نے اپنے سپاہیوں کے خوب خوب دل بڑھائے اور فوج کو بڑی لیاقت سے آراستہ کیا۔ شروع لڑائی میں تو مسلمانوں کی ایک فوج کے بازو کے پاؤں اکھڑتے معلوم ہوتے تھے مگر مثنےؓ کی منچلانہ دانشمندی نے ان کے دل بڑھا کر پھر جما دیا۔ سخت حملہ سے آخر ایرانیوں کے منہ پھر گئے اور

[۱] دی خلافت الخ صفحہ ۹۰ [۲] دی خلافت صفحہ ۹۱ [۳] دی خلافت صفحہ ۹۱ [۴] طبری صفحہ ۲۱۸۴۔

بھاگنے لگے۔ مہران مارا گیا۔ مسلمانوں نے پل کاٹ دی تھی اور ایرانی بھاگنے کی راہ
نہ دیکھ کر پھر مسلمانوں سے دوچار ہوگئے۔ مثنیٰ کو اس غلطی پر افسوس بھی ہوا کہ اپنے
ہاتھوں پھر لڑائی مول لی جس میں ایرانی زندگی سے مایوس ہو کر اور جان سے ہاتھ
دھو کر ٹوٹ پڑے۔ کشت و خون کا بازار گرم ہوا۔ ایرانیوں کے کشتوں کے پشتے لگ
گئے۔ بقول سر ولیم میور کے مسلمانوں کی ایک مٹھی بھر فوج نے اس عظیم لشکر کو تباہ کر دیا
شاید اس قدر خونریزی اسلامی تاریخ میں کسی اور جنگ میں نہیں ہوئی زمانہ دراز تک
مقتولوں کی ہڈیاں اس میدان کی مٹی میں ملا کیں۔ مسلمانوں کا بھی کچھ کم نقصان نہیں
ہوا۔ دو ہزار آدمی مارے گئے۔ مثنیٰ کو اپنے دلیر اور بہادر بھائی مسعود کا ماتم کرنا پڑا۔
ایک بڑی غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی جس میں غلہ کے انبار اور مویشی تھے۔ اس جنگ
میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرفداری میں عیسائی قبائل بھی ایرانیوں کے
ساتھ لڑ رہے تھے۔ اور ان کی بہادری نے بھی بہت کام کیا تھا۔ یہ سب سے آخری بڑی
فتح تھی جو مثنیٰ کو حاصل ہوئی۔ کیونکہ اس لڑائی کے بعد وہ صرف چند ماہ تک زندہ رہا
جنگ جسر میں جو کاری زخم اس کو لگا تھا اس نے بہت دنوں تک جینے نہ دیا۔ اور چونکہ
قریش اس کے ماتحت کام کرنا اپنی شرافت کے فخر سے منظور نہیں کرتے تھے جریر کی شکایت
پر عراق میں ایک نیا سپہ سالار مقرر ہوا +

سر ولیم میور اس امر کا افسوس کرتا ہے کہ مسلمان مورخوں نے مثنیٰ کی بہادری اور
سپاہ گری کی بہت کم قدر کی ہے۔ حالانکہ اس زمانہ کے اسلامی سپہ سالاروں میں سے
صرف ایک سپہ سالار سے وہ دوسرے درجہ پر ہے۔ خالد کی جرأت افزا چستی اور تیزی اور
تعجب انگیز عزم بالجزم اس میں نہ تھا مگر زور اور سرگرمی اور فنون جنگ میں اس سے کم نہ تھا
بلا امتیاز اور غیر ضروری سختی اور جبر اس سپہ سالار اعظم کے مانند وہ نہیں کرتا تھا۔ اور
کسی فتح کو اپنی کسی ذاتی خواہش کے پورا کرنے میں استعمال نہیں کرتا تھا۔ اسی کے
تہور اور متحملانہ شجاعت سے جنگ جسر سے مسلمانوں کی فوج کا حصہ بچ کر نکل آیا۔ عیسائی
قبائل سے امداد لینا اور اپنے معاملہ میں شریک کرنا اسی کا کام تھا۔ اس کے کئی دفعہ کے تنزل او

خلافت نے ٹھنگا ٹھیرا کیونکہ ایک دفعہ اُسی سے عراق سے اسلام کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے لیکن حضرت عمرؓ کی نسبت اُس کی وفاداری اور جاں نثاری میں کچھ فرق نہیں آیا۔ اُس زمانہ کے اس خیال نے کہ ایک گمنام قوم کا ایک اعرابی قریش اور اصحاب رسول پر حکومت کرے حضرت عمرؓ کے واسطے مشکل کر دیا۔ کہ اس عہدے پر اُس کو برقرار رکھیں لیکن تعجب ہے کہ اسلامی مورخوں میں سے جو نامور بہادران اسلام کی عزت کے خواہاں ہیں کسی نے اپنے اُس زمانہ کے ممتاز اور نامور شخص کے تنزل پر افسوس نہیں کیا۔ اور نہ اُس کو وہ رتبہ دیا ہے جس کا وہ مستحق تھا حالانکہ وہ دُنیا کے سب سے بڑے سپہ سالاروں میں جگہ پانے کا مستحق ہے؏

شام

شام میں ہم مسلمانوں کے فتحمند لشکر کو یرموک کے کناروں پر اُس خونخوار جنگ کے بعد اپنے مقتولوں کو دفن کرنے اور مجروحوں کا علاج کرنے اور ہتھیار غنیمت کے تقسیم کرنے میں مصروف چھوڑ آئے ہیں؏

حضرت عمرؓ کا پہلا کام افواج شام کی نسبت اُن کا ایک مستقل سپہ سالار مقرر کرنا تھا چنانچہ اُنھوں نے ابو عبیدہ بن جراحؓ "امین الامت" کو سپہ سالار اعظم مقرر کیا اور خالد اور دوسرے عہدہ داران کو اُن کے ماتحت کام کرنیکا حکم دیا۔ یہ حکم اُس پہلے نامہ کا مضمون ہو جو خالد کو میدان جنگ میں ملا تھا یا دوسرے کا۔ اور نام ابو عبیدہ کے ہو یا خالد کے مگر مورخین نے اس واقعہ کو ایک قابل بحث امر بنا دیا ہے عام مقولہ یہ ہے کہ خالد کو شام کی سپہ سالاری اور امارت سے معزول کر کے ابو عبیدہ کو اُس کی جگہ مقرر کیا گیا۔ مگر اسی کو کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ خالد اس سے پہلے سپہ سالار اعظم یا امیر شام مقرر ہو چکا تھا حضرت ابوبکرؓ کے حکم کا مضمون شام میں مسلمانوں کی فوج کی مدد کرنا اور فارغ ہو جانے پر عراق کو واپس بھیج دینے کا وعدہ تھا۔ ابن خلدون کی رائے میں خالد سپہ سالار اعظم

حاشیہ: انلس اور ہنار کی خلافت صفحہ ۱۴۰ اور دی خلافت الخ صفحہ ۹۵ و ۹۶؏

مقرر ہو چکا تھا۔ مگر یہ رائے خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ تمام مورخ اس امر پر متفق ہیں کہ یرموک
کی لڑائی میں خالد کی موجودگی کے زمانہ میں بھی ایک ماہ تک تمام سرداران فوج اپنے
اپنے لشکر کے ساتھ جدا جدا کام کر رہے تھے۔ ورنہ آخر یہی ایک سبب کمزوری اور
ناکامی کا خیال کیا گیا تھا اور باری باری سے اعلے حاکم اختیار کرنے کے انتظام پر خالد
پہلے دن سپہ سالار ہوا تھا اور حضرت عمر کو حکم لکھنے کے وقت یہ امر بھی معلوم نہیں تھا۔
کیونکہ اس انتظام سے پہلے حضرت ابوبکر کا انتقال اور قاصد مدینہ سے نامہ لے کر روانہ
ہو چکا تھا۔ حضرت عمر کے نامہ کے الفاظ سے جو معزولی کا مضمون پیدا ہوتا ہے وہ
غالباً عراق کی سپہ سالاری سے معزولی تھی۔ کیونکہ خالد عراق میں سپہ سالار اعظم تھا
اور اب اس کی نسبت شام میں ابو عبیدہ کے ماتحت کام کرنے اور شام ہی میں رہنے کا
فیصلہ کر دیا گیا تھا۔ اس سے بڑھ کر جو اختلاف روایات اور تاریخوں میں ہے مثلاً
یہ کہ یہ تغیر اور انتظام فتح دمشق کے بعد ہوا یا یہ کہ ابو عبیدہ کو اس مضمون کا نامہ یرموک
ہی میں مل گیا تھا۔ لیکن خالد کی دل شکنی کے خیال سے اُسنے فتح دمشق تک اس کو
ظاہر نہیں کیا کسی طرح صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اب یہ بات کہ حضرت عمر کے اس حکم سے خالد
کی حق تلفی ہوئی ہو اس سے بڑھ کر غلط رائے کوئی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمر کے اس
انتظام سے اُن کی انتہا درجہ کی دور اندیشی۔ حسن تدبیر۔ ملک داری کی قابلیت۔ انصاف
پسندی اور مصلحت بینی خدا ترسی اور خلق کی ہمدردی کا مادہ جو خدا نے اُن کو عطا کیا
تھا ظاہر ہوتا ہے۔ خالد دلیر اور بہادر اور جنگ جو تھا ایسا کہ اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا
مگر بد احتیاط اور بے خوف بھی نہایت درجہ کا تھا اُس کے ہاتھ جبر اور انصاف میں
کوئی تمیز نہیں کرتے تھے اُس کی زیادتیاں اور بے اعتدالیاں بارہا ثابت ہو چکی
تھیں۔ حضرت عمر کی عدل اور انصاف سے بھری ہوئی تیز نگاہوں نے اُس کی
حرکات اور برتاؤ کو بہت غور سے دیکھا تھا۔ اُس کو مطلق العنان اور آزاد چھوڑ دینا
دانستہ انصاف سے چشم پوشی کرنا تھا۔ پس نہایت تدبیر سے کام لیا گیا کہ اُسکو ابو عبیدہ کے
ماتحت مقرر کیا گیا۔ خالد کی بہادری اور قوت بازو اور شجاعت بھی کام آگئی۔ ورنہ جس

بے اعتدالی کا اُس کی طرف سے اندیشہ تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔ ابو عبیدہ گو اس درجہ کے دلیر اور فردِ میدان نہ تھے مگر مسن اور نہایت تجربہ کار اور حلیم انصاف پسند اور بامروت طبیعت کے بزرگ تھے اور ان کے با اعتدال برتاؤ کی طرف سے کامل اطمینان تھا۔ یہ خیال بھی غلط ہے کہ ابو عبیدہ کے ماتحت کام کرنا خالد کے واسطے کسی دل شکنی یا تہتک کا باعث ہو سکتا تھا۔ ابو عبیدہ شرفاءِ قریش اور اصحابِ کبار رسول اللہ صلعم میں سے آنحضرت صلعم کے وقت میں بہت سے خاص فضائل سے ممتاز ہو چکے تھے اور "امین الامت" کے معزز لقب سے ملقب ہو چکے تھے۔ اور ان کا رتبہ اصحابِ خاص کی نگاہوں میں اس درجہ کا تھا کہ حضرت ابو بکر نے سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمر اور ابو عبیدہ کی نسبت کہا تھا کہ ان دونوں میں سے ایک کو خلیفہ منتخب کر لو۔ اور حضرت عمر نے اپنی وفات سے پہلے جب اپنا جانشین مقرر کرنے کا مشورہ کیا تو فرمایا تھا کہ اگر ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو اُن کے سوائے کسی کو مقرر نہ کرتا۔ پس ایسے بزرگ رتبہ کے شخص کے ماتحت کام کرنا خالد کو کسی طرح ناگوار نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہوا اور درحقیقت یہی وجہ خالد کو عراق واپس نہ بھیجنے کی تھی کیونکہ جس حال میں اُس کو خود مختار اور مطلق العنان سپہ سالار اور امیر مقرر کرنا منظور نہ تھا تو سرداران فوج میں سے عراق اور شام میں صرف ابو عبیدہ ہی اس رتبہ اور پایہ کے شخص تھے کہ خالد اُن کے ماتحت خوشی سے کام کرتا۔ خالد کی اس اطاعت اور تابعداری اور اس تنزل سے کسی قسم کا دل پر ملال نہ لانے اور اُسی جوش اور سرگرمی سے کام کرنے کی تعریف کی جاتی ہے۔ ہم بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ یہ اسلام کا ایک کرشمۂ ربانی تھا۔ اگر سچ پوچھو تو خالد کے اس تنزل سے اسکے سپہ سالاری کے عہدہ میں ابو عبیدہ کے ماتحت ہونے سے کوئی فرق سوائے اس کے نہیں آیا کہ اُس کی بد احتیاطی کے راستہ میں ایک روک کھڑی کر دی گئی ورنہ فوجی اختیارات میں تو گویا وہی سپہ سالار رہا۔ سر ولیم میور کا قول ہے کہ ابو عبیدہ نے جو خالد کی بے نظیر اور عدیم المثال جنگی قابلیت اور ہنرمندی کو جانتا تھا اور خود ایک حلیم اور نرم طبیعت رکھتا تھا

ل طبری صفحہ ۲۱۲۵

کی غیر معمولی سردی اس آوارہ لشکر کو شہر کے دروازوں سے بھگا دیگی مگر مسلمانوں نے
اس قدرتی دشمن کا بھی بڑے استقلال سے مقابلہ کیا اور ایک قدم پیچھے نہ ہٹنے دئیے
موسم گرما نے اُن کی رگوں میں تازہ جوش خون پیدا کیا اور بڑی سرگرمی اور شدت سے
محاصرے کے کام میں مشغول ہوئے۔ اب دمشق کی اُمیدیں مایوسی کی ہوا میں اُڑنے
لگیں۔ خالد بڑی تیز اور بے صبر نگاہوں سے موقع کو تاک رہا تھا۔ ایک رات لشکر شہر کو
کسی تقریب کی خوشی میں مصروف اور غافل دیکھ کر ابو عبیدہ کو اطلاع کرکے اور یکبارگی
ہلہ کی تجویز کرکے خندق کو تیر کر اور کمندیں ڈال کر مسلمانوں کو شہر میں پہنچا دیا۔ دروازوں کے
کھلنے اور اللہ اکبر کے نعرہ بلند ہونے کی دیر تھی تمام لشکر مسلمانوں کا جا پڑا۔ خالد کی خونخوار
تلوار نہ رکتی اگر یونانی اس اثنا میں ابو عبیدہ سے صلح اور معاہدہ کرکے امان نہ پا چکے ہوتے
شہر موسم گرما ۱۴ھ میں فتح ہوگیا اور معاہدہ میں نصف مال و اسباب مسلمانوں کو دینا ٹھیرایا
اور ہر ایک گھر سے ایک دینار اور زراعتی زمین سے ایک مقدار غلہ کی مقرر ہوئی[1]۔

اس عرصہ میں شرجیل بن حسنہ اور ابو الاعور نے بڑی بہادری سے اپنی دس ہزار فوج
کے ساتھ یونانیوں کی کثیر فوج کو روکے رکھا۔ ابو عبیدہ کا اب ارادہ تھا کہ دمشق سے سیدھا
حمص کو بڑھ کر خود ہرقل پر حملہ کرے مگر حضرت عمرؓ نے منع کیا کہ جب تک یونانیوں کی فوج
عقب میں ہے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ پس یزید بن ابی سفیان کو دمشق کی حکومت
پر چھوڑ کر مسلمانوں کا لشکر فلسطین کی طرف ہٹا اور یرموک کو دوبارہ عبور کرکے فحل میں
جا ٹھیرا۔ جہاں یونانیوں کی اسی ہزار فوج سے مقابلہ ہوگیا۔ یونانیوں نے کھلے مقابلے
سے ہراساں ہو کر چاہا کہ دھوکا دے کر غفلت میں مسلمانوں کو دبا لیں مگر شرجیل کو انہوں نے
اپنے سے زیادہ ہوشیار پایا۔ جو رات کو بھی آمادۂ پیکار اور فوج کے ساتھ تیار رہتا تھا۔ آخر
یونانیوں کو شکست ہوئی اور سردار فوج مارا گیا۔ خالد اور آتش مزاج ضرار کی بہادریوں
نے کچھ کم کام نہ کیا ہوگا۔ مسلمانوں کا لشکر اس فتح اور غنیمت کے حاصل کرنے کے
بعد حمص کی طرف بڑھنے کے ارادہ سے دمشق کو لوٹ آیا اور چونکہ کوئی بڑا خطرہ سامنے

---

[1] طبری صفحہ ۲۱۶۰۔

نہ تھا خالد کے دستہ فوج کو جو عراق سے ساتھ لایا تھا حضرت ابوبکر کی خواہش کے مطابق
عراق کو واپس کر دیا گیا۔ اور یزید اور معاویہ اور شرجیل اور عمرو بن العاص اپنی اپنی فوجوں
کے ساتھ بڑی کامیابی سے مسلمانوں کے فتوحات کو وسیع کر رہے تھے ذوالکلاع حمیری
اپنے حمیر کے مضبوط دستہ فوج کے ساتھ دمشق کو شمال کی طرف سے کسی حملہ سے بچانے کے
واسطے پڑا ہوا تھا۔ اب چونکہ کسی حملہ کا اندیشہ نہ رہا تھا حمص کو جاتے ہوئے لشکر
کے ساتھ شریک ہو گیا یونانیوں کے لشکر نے دمشق پر ایک آخری حملہ کرنے کا موقع پاکر
دونو فوجیں جن میں سے ایک کا سردار تھیوڈور ہرقل کا بھائی تھا بڑھیں مگر یزید
اور خالد کے تیز طوفان کی طرح پہنچنے والے لشکر نے گھیر کر یونانیوں کی فوج کو پاش پاش
اور دوسری فوج کو ابو عبیدہ نے بھگا دیا اور اس حصہ میں پھر جمع ہونے کے لائق
نہ چھوڑا۔ حمص کے راستہ میں بعلبک کو فتح کرتا ہوا مسلمانوں کا لشکر بغیر کسی مزاحمت کے
حمص میں پہنچ گیا جہاں سے ہرقل انطاکیہ کو چلا گیا تھا حمص کے محاصرہ میں بھی
مسلمانوں کو ایک عرصہ دراز تک مصروف رہنا پڑا۔ حمص نے بھی دمشق کی طرح بڑی
مضبوطی سے مقابلہ کیا اور عرصہ تک مسلمانوں کو محاصرہ میں تھکایا۔ مسلمانوں سے
لڑنے میں وہ بھی سردی کے موسم سے مدد لیتے تھے۔ تمام موسم مسلمان محاصرہ کئے رہے
اور لڑتے رہے مگر رومیوں کے پژمردہ دل موسم گرما آنے پر بھی ٹھنڈے ہی رہے اور آخر کار
صلح کی درخواست کی۔ خالد اگرچہ صلح کرنے پر راضی نہ تھا مگر ابو عبیدہ نے معمولی شرائط
پر صلح کر لی +

عبادہ کو حمص میں متعین کر کے مسلمانوں کا لشکر شمال کو بڑھتا اور متعدد چھوٹے بڑے
شہر فتح کرتا گیا۔ خالد نے بڑھ کر قنسرین پر یونانیوں کی فوج کو ایک شکست فاش دی حلب
اور قیساریہ بھی فتح ہو گئے اور ابو عبیدہ نے انطاکیہ کی طرف رخ کیا جو شمالی شام میں ایک
عالیشان شہر اور دنیا کے بڑے دار الخلافوں میں کچھ کم مشہور نہ تھا۔ یونان کی شکستہ فوجیں
وہاں جمع ہو گئی تھیں اور جیسا کہ ضروری تھا ایک بڑی سخت لڑائی ہوئی یونانیوں کا
آخری چارہ صلح کر لینے اور مسلمانوں کی قوت کے سایہ میں نہ [illegible] لینے کا سایہ تھا ہرقل

انطاکیہ چھوڑ کر نکلے بعد دیگرے وہ جس شہر میں گیا آخر اُس کو وہ بھی چھوڑ دینا پڑا۔ کیونکہ خالد اَجل قضا کی طرح اُس کے پیچھے تھا اور فتوحات کو بڑھاتا چلا جاتا تھا۔ ہرقل آخرکار شام سے مایوس ہو گیا اور حسرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہُوا اور ملک کو خیرباد کہتا ہُوا ۱۵ھ ہجری میں قسطنطنیہ میں جا مقیم ہُوا۔ شام کا ملک دریائے فرات سے ساحل سمندر تک فتح ہو گیا تھا۔ اور تمام رعایا مسلمانوں کی باجگذار اور بہی خواہ ہو گئی تھی +

اِسی اثنا میں عمرو بن العاص اور شرجبیل نے فلسطین کے بہت سے شہر فتح کر لئے تھے اور ویسی ہی کامیابی سے اِس مغربی صوبہ کو زیر کرتے جا رہے تھے۔ بطریق ارطفول نے جو فلسطین کا حاکم تھا اپنی مضبوط فوج کے دو حصہ کئے ایک یورشلیم کی حفاظت کے واسطے چھوڑا اور دوسرا حصہ جو پچاس ہزار سے کم نہ تھا ساتھ لے کر مسلمانوں سے زور آزمائی کرنے کے واسطے اجنادین پر آ پڑا۔ اجنادین کی لڑائی جو جنگ یرموک کی طرح نہایت سخت لڑائی تھی ویسے ہی فلسطین کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی تھی۔ ارطفول شکست کھا کر اور اپنی قسمت کا فیصلہ کر کے یورشلیم کو بھاگ گیا۔ اور عمرو بن العاص ایلیا کے تمام شہر فتح کرتا ہُوا یورشلیم تک پہنچ گیا۔ ارطفول اجنادین پر شکست کھا کر ہمت ہار چکا تھا اور خوف زدہ ہو کر مصر کو بھاگ گیا۔ یورشلیم کے مقدس بطریق نے[1] لڑائی کی تاب نہ لا کر صلح کر لینے اور شہر کو مسلمانوں کے حوالہ کر دینے کی خواہش کی۔ مگر اس شرط پر کہ خود حضرت عمر شرائط صلح مقرر کرنے کے واسطے آویں۔ حضرتِ عمر اس کی اطلاع پا کر تیار ہو گئے۔ اگرچہ اصحاب نے اِس امر کی مخالفت کی مگر انہوں نے نہ مانا اور یورشلیم کو روانہ ہوئے اور سیدھے جابیا میں پہنچے۔ یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ خلیفۂ عرب نے حدود عرب سے باہر قدم رکھا ہو۔ ابو عبیدہ۔ یزید اور خالد ان کو ملنے کے واسطے آئے اور بعد ازاں بطریق یورشلیم کی طرف سے ایک سفارت شرائط صلح مقرر کرنے کے واسطے آئی۔ صلحنامہ مرتب کر کے اور دستخط کرا کے بطریق

---

[1] ایک روایت اِس قسم کی ہے کہ بطریق بیت المقدس نے کہا کہ یورشلیم اُس شخص کے ہاتھوں فتح ہوگا جس کے نام میں تین حرف ہونگے۔ اِن کی کتب قدیم سے یہ امر معلوم ہُوا تھا۔ سرولیم میور کہتے ہیں کہ گویا ایک عجیب روایت ہے مگر ممکن ہے کہ اس کی کچھ اصلیت ہو مگر ہمارے نزدیک یہ ٹھیک نہیں ہے کسی ضرورت سے یہ روایت وضع کی گئی ہے جس کی نسبت قیاس کئے جا سکتے ہیں۔ مؤلف

سے اِس خطرے کا مقابلہ کیا۔ خود رستم کے فوج ایران کا سپہ سالار ہونے اور تمام جنگ آزما مشہور سرداروں کے ساتھ ایک عظیم لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلہ میں بڑھنے کی خبریں پہنچ چکی تھیں عراق میں مسلمانوں کے پاؤں جمنے اِس سبب سے مشکل تھے کہ ایران کا دارالخلافت مدائن جو تمام قوت کا مرکز تھا اِس طرف سے بہت قریب تھا حضرت عمر چاہتے تھے کہ ایک بڑے معرکہ میں اُن کی قوت کو شکستہ کردیں اور جانتے تھے کہ مدائن کے فتح ہونے تک تمام کوششوں اور فتحوں کا نتیجہ نقصان دہ ہوگا۔ پس اُنھوں نے ارادہ کیا کہ بذاتِ خود میدانِ جنگ میں جائیں اور لشکر کی سپہ سالاری کریں۔ اپنے خاص اصحاب سے اپنے اِس ارادہ کا ذکر کیا اور مشورہ لیا۔ سب نے اِس ارادے کی مخالفت کی اور نہایت اصرار سے منع کیا۔ آخر یہ قرار پایا کہ نئی فوجیں ایک نئے سپہ سالار کے ماتحت بھیجی جائیں چنانچہ سپاہ اکٹھا ہونے لگی اور پہلا دستہ چار ہزار فوج کا سعد بن ابی وقاص کے ماتحت جو تمام فوج کا سپہ سالار اعظم مقرر کیا گیا تھا بھیجا گیا۔ اور مثنےٰ اور جریر کو اُس کے ماتحت کام کرنے اور اُس کی اطاعت کرنے کی ہدایت کی گئی +

سعد مکہ میں بچپن ہی میں مسلمان ہوا تھا۔ اور اب اُس کی عمر چالیس برس کی تھی۔ سیاہ فام اور پست قد مگر دلیر اور بہادر آنحضرت صلعم کے وقت میں تمام عرب میں یگانہ تیرانداز تھا۔ حضرت عمر نے ضروری ہدایات اور رحم او تلطف کرنے کی نصیحت کر کے روانہ کیا اور متعاقب برابر فوجیں بھیجنے کا وعدہ کیا۔ اور برابر فوجیں بھیجتے رہے طلیحہ اور عمرو بن معدی کرب بنی اسد اور زبید کے لشکروں کے سردار ہو کر گئے جن کی نسبت حضرت عمر نے لکھا تھا کہ اُن میں ہر ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ اشعث الکندی اپنے قبیلہ کی فوج کے ساتھ اسی طرح اور فوجیں اور قبائل عرب بھیجے گئے۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت عمر نے عرب میں کوئی جنگ آور۔ شاعر اور مقرر اور سردار نہ چھوڑا جو اِس فوج کی امداد کے واسطے نہ بھیجا گیا ہو۔ اِس طرح پر سعد کے پاس بیس ہزار فوج جمع ہو گئی۔ اور بعد میں جب شام کی فوج اُس سے آملی تھی تو کل تعداد تیس ہزار تھی۔ غرض اپنی فوج کو ساتھ لئے ہوئے حیرا سے پندرہ بیس میل جنوب کی طرف مثنےٰ کی فوج سے جاملا۔ مگر افسوس کہ مثنےٰ کا ماہ صفر ۱۵ھ

میں انتقال ہو چکا تھا اور اسلامی لشکر کے نئے سردار کے واسطے یہ قول وصیت چھوڑ گیا
تھا کہ دشمن سے حدود صحرا پر جنگ کرے۔ سعد کو اُس کی وفات کی خبر سُن کر نہایت رنج اور
افسوس ہوا اس کے بھائی کی تسکین کی اور مثنٰے کی وصیت کے موافق تھوڑا آگے بڑھ کر
قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوا جو نام دُنیا کی تاریخ میں ایک سلطنت کی قسمت کا
فیصلہ کرنے والے جنگ کا مقام ہونے کے واسطے شہرت پانے والا تھا۔ سعد ایک
عمدہ موقع پر لشکر کو ٹھیرا کر اور ایک نئی ترتیب سے آراستہ کر کے انتظار میں بیٹھ رہا فوج
ایران کا سپہ سالار رستم بھی یہی انتظار کی چال چلنا چاہتا تھا مگر یزدجرد بیصبر ہو رہا
تھا اور رستم کو آگے بڑھنے کے واسطے تاکیدی حکم دیا ؂

سعد اور حضرت عمر کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا حضرت عمر نے سعد سے
اُس علاقہ اور مقام کی کیفیت دریافت کی۔ سعد نے اپنے لشکر اور قادسیہ کے محل کی تفصیلاً
کیفیت بیان کی۔ حضرت عمر کا اِس کیفیت سے اطمینان ہو گیا اور اُس کو خبرداری اور
اُسی جگہ انتظار کرنے کو لکھا اور لکھا کہ سب سے پہلے یزدجرد (یا یزدگرد) کو دعوت
اسلام کرنی چاہئے۔ درحقیقت یہ کلیہ دستور اور قاعدہ تھا اور شام اور عراق وغیرہ میں
مسلمان سردار اُس کی برابر پابندی کرتے رہے ہیں کہ سب سے پہلے دعوت اسلام کرتے
تھے اور دوسرا موقع جزیہ قبول کرنے کا دیتے تھے اُن کے منظور نہ کرنے کی حالت میں
ہتھیار اُٹھانے تک نوبت پہنچتی تھی۔ مگر یہ سلوک ہر ایک شہر سے کیا جاتا تھا۔ یہ ایک
نئی بات تھی کہ اُس زمانہ میں ایک شہنشاہ کو دعوتِ اسلام کی گئی۔ مسلمانوں کے لشکر
سے چودہ مشہور آدمی جن میں نعمان بن مقرن المزنی۔ اور بشیر بن ابی حازم اور عدی
بن سہل اور مغیرہ بن شعبہ اور اشعث الکندی وغیرہ تھے منتخب کر کے یزدجرد کے
پاس بھیجے گئے۔ مدائن پہنچ کر بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے اور قبول اسلام جزیہ
یا جنگ کا پیغام پہنچایا۔ یزدجرد نے نہایت حقارت سے عربوں کو ایک ناچیز قوم اور
گوہ و مار کھانے والی اور پشم شتر پہننے والی اور ایک ننگے بیابان ملک کے بھوکے
آوارہ لوٹیرے کہا اور کہا کہ میں تم کو ایک لقمہ دونگا اور تم راضی ہو کر لوٹ جاؤ گے سلیما

سفیروں نے بڑی متانت سے اس کا جواب دیا کہ آپ سچ کہتے ہیں۔ ہم مفلس اور بھوکے ہیں لیکن خدا ہم کو دولت اور طمانیت بخشیگا۔ آپ نے اب تلوار کو پسند کیا ہے اور وہی ہمارے درمیان فیصلہ کردیگی۔ بادشاہ ان الفاظ سے بھڑک اٹھا اور کہا کہ اگر تم قاصد نہ ہوتے تو میں سب کو قتل کروا دیتا اور ایک مٹی کا ڈھیلا منگوا کر ان کے سامنے رکھ دیا کہ اس کو اٹھائے ہوئے شہر کے دروازے سے نکل جاؤ۔ عاصم اسے اٹھا کر اسی طرح لئے ہوئے قادسیہ پہنچا اور سعد کے سامنے رکھ کر کہا کہ لے تجھے خدا نے ایران کی زمین دی ہے۔

رستم اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ ہاتھی اور سوار اور پیادہ فوج حشرات الارض سے بھی زیادہ اس کے پاس جمع ہو چکی تھی بعضے اس کی تعداد دو لاکھ اندازاً بتاتے ہیں اور بعض ایک لاکھ بیس ہزار بیان کرتے ہیں۔ جس کے سردار رستم کے ماتحت جالینوس ہرمز اور مہران اور فیروزان وغیرہ ایران کے منتخب سپہ سالار تھے۔ باوجود اس قوت اور قوی فوج کے رستم کے دل پر مسلمانوں کا خوف اور ہیبت طاری تھی اور آہستہ آہستہ اس خیال سے بڑھتا تھا کہ مسلمان سامان رسد سے تنگ ہو کر منتشر ہو جاوینگے غرض اسی طرح تین چار مہینے گذار کر نجف سے گذر کر مسلمانوں کی فوج کے قریب پہنچا اور دریا کے مقابل طرف مقیم ہوا مسلمانوں کی فوج اس انتظار اور بےکاری سے تنگ آگئی تھی اور بڑی مشکل سے سعد ان کو روکے ہوئے تھا۔ غنیم کی فوج کے قریب پہنچنے سے بقول سر ولیم میور کے اس طرح مضطرب ہوئے جس طرح ایک شیر اپنی کمین میں خونخوار جست سے حملہ کرنے کے وقت ہوتا ہے رستم کی رضامندی سے مسلمانوں کے تین قاصد ربعہ۔ حذیفہ اور مغیرہ اس کے پاس گئے اور قبول اسلام اور جزیہ۔ یا جنگ کا پیام اسکو پہنچا مگر تلوار ہی کو قبولیت کی عزت حاصل ہوئی۔ سعد تو اپنی جگہ سے جہاں پہلے روز خیمہ زن ہوا ہوا تھا حرکت نہیں کرتا تھا۔ رستم کو دریا عبور کرنا پڑا اور تیس ہاتھیوں اور اپنے تمام لشکر کے ساتھ گذر آیا۔ دریا کے کنارے پر ایک سنہری تخت بچھا کر جہاں سے جنگ کے میدان کو دیکھ سکے اس پر جلوہ افروز ہوا ؛

مسلمانوں کی فوج اپنے سپہ سالار کو نہ دیکھ کر حیران اور شاکی ہوئی۔ مگر سعد بیمار تھا اور

گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ آخر فوج کے درمیان آکر اس کو آراستہ کیا اور اُن کے دل
بڑھانے کی ہر ایک تدبیر عمل میں لایا۔ دوپہر کے بعد لڑائی شروع ہوئی اور مبارزہ اور
دست بدست لڑائی سے آغاز ہؤا غالب اور عاصم اور عمرو بن معدی کرب نے بڑی بہادری
سے اپنے رقیبوں کو مارا۔ غالب اپنے رقیب ہرمز کو جو شاہزادوں میں سے تھا زندہ
پکڑ لایا اور معہ اُس کے تاج کے سعد کے پیش کر دیا۔ رستم نے اِس پہلی بدشگونی سے
بے لطف ہو کر ہاتھیوں کے بڑھانے کا حکم دیا۔ ایرانیوں کا بڑا بھروسہ انہیں مہیب
حیوانوں پر تھا جن پر جھنڈوں اور ہودوں سے بلندی پر بلندی چڑھائی ہوئی تھی۔
اِن رواں قلعوں کو دیکھ کر عرب کے گھوڑے ڈرنے اور بدکنے اور بھاگنے لگے اور
لشکر میں ہلچل اور پریشانی پیدا ہوئی۔ بنی اسد نے بڑھ کر حملہ کو اپنے پر لیا۔ مگر کچھ
فائدہ نہ ہؤا آخر سعد نے عاصم کو کہا کہ جس طرح بن پڑے اِس خطرے سے نجات پانی
چاہیئے۔ بہادر عاصم فوراً اپنی مہم کے ہوشیار تیراندازوں کی ایک جماعت کے ساتھ بڑھا
مہاوتوں اور سواروں کو چن چن کر گرا دیا اور بڑی بہادری سے زیر بند کاٹ کر ہودوں
کو گرا دیا۔ ہاتھی بے مہاوتوں کے بھاگے اور اس آفت سے نجات ہوئی رات کی
تاریکی نے میدان کارزار پر پردہ ڈال دیا اور فوجیں ہٹ کر اپنے اپنے خیموں میں آن پڑیں +
دوسرے دن صبح مقتولوں اور مجروحوں کی تدفین اور خبر گیری میں گذری لڑائی شروع
ہونے تک دن کے کئی گھنٹے گذر چکے تھے۔ پہلے دن کی لڑائی نے مسلمانوں کے دلوں
کو کچھ تقویت نہ دی تھی مگر اس وقت ایک امداد غیبی نے اُن کے دِل بڑھا دیئے +
شام سے جنگ فحل کے بعد جو خالد کی عراق کی فوج قعقاع کے ماتحت عراق کو واپس
بھیجی گئی تھی مسلمانوں کے لشکر سے نظر آنے لگی۔ فوج کا بڑا حصہ تو قعقاع ہاشم کے ماتحت
پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ کہ سہولت سے پہنچے صرف ایک ہزار فوج اُس کے ساتھ تھی جس کو
اُس نے سو سو کے دستوں میں فاصلہ سے میدان میں پہنچنے کو کہا۔ ان دستوں کے
یکے بعد دیگرے اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے ہوئے آنے نے وہی کام کیا جو دس ہزار
فوج کی آمد کر سکتی تھی مسلمانوں کے دِل جس قدر بڑھتے تھے ایرانیوں کے دِل اُسی قدر

ہٹو بیٹے جاتے تھے قعقاع نے سیدھا میدانِ جنگ کی طرف رُخ کیا اور اپنے دوستوں سے ملتا ہُوا دونو لشکروں کے بیچ جا کھڑا ہُوا۔ ذوالحاجب جس نے واقعہ جسرِ ذیل، میں مسلمانوں کو شکست دی تھی۔ اور ابو عبیدہ کو قتل کیا تھا۔ قعقاع سے مبارزہ کے واسطے نکلا قعقاع نے اپنے دشمن کو پہچان لیا۔ اور کہا کہ آج ابو عبیدہ اور اپنے مقتولوں کا بدلہ لونگا۔ اور پہلے ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ ایرانی فوج کے دلیر پے در پے بڑھنے اور قعقاع اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ سے مارے جانے لگے۔ ہاتھیوں کے ساز کی مرمت نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ اُس روز میدان میں نہیں لائے گئے تھے۔ ایرانیوں کے سواروں کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے اور رستم بڑی مشکل سے بچا تاہم پیادہ فوج استوار رہی اور نہایت سخت لڑائی ہوئی۔ دس ہزار ایرانیوں اور دو ہزار مسلمانوں کی لاشیں میدان میں تھیں۔ رات نے اس خونریزی کے کھیل کو بند کر دیا ؛

تیسرے دن کی صبح کا پہلا اندوہناک کام مجروحوں کو عورتوں کی خبر گیری میں سپرد کرنا اور مقتولوں کو میدان سے اُٹھانا تھا۔ ایرانیوں کی فوج کے دل اپنے اُن مردوں سے جو میدان جنگ میں پڑے ہوئے تھے اور اُن کے اُٹھانے اور دفن کرنے کی کسی کو فکر نہ تھی کچھ اچھے نہ تھے۔ لڑائی شروع ہونے کو تھی کہ شام کی بقیہ فوج ہاشم کے تحت آن پہنچی اور میدان سے گذرتی ہوئی سیدھی دشمن کی صفوں کو چیر کر دریا کے کنارے تک پہنچ گئی اور مسلمانوں کے خوشی کے نعروں کے ساتھ واپس آئی۔ یزدجرد نے جس کے پاس ہر ساعت کی خبریں پہنچ رہی تھیں اپنی محافظ فوج بھی فوج ایران کی امداد کے واسطے بھیجدی۔ ہاتھی مسلمانوں کو اپنی کوششوں کی طرف سے پھر مایوس کرنے لگے تھے۔ سعد نے قعقاع کی طرف اشارہ کیا جو اپنی شجاعت اور دلیری میں ایسا نام پا چکا تھا گویا فتح اُسی کے نام ہونیوالی تھی۔ صرف مبارزے میں تیس بہادر ایرانیوں کو قتل کر چکا تھا۔ پس قعقاع اور عاصم اور ایک جماعت دلیر مسلمانوں کی اِس خطرناک کام کے واسطے بڑھے قعقاع نے بڑے سفید ہاتھی کی ایک آنکھ میں

کرا دیا۔ جالینوس کی فوج کا تھوڑا حصہ گذرنے پایا تھا کہ پل کا بند ایرانیوں کی اُس پار کی فوج نے شاید تعاقب سے بچنے کے واسطے کاٹ دیا۔ جالینوس نے فوج کو اکٹھا کر کے مقابلہ کرنے کی بیفائدہ کوشش کی اور خود بھی مارا گیا۔ تمام میدان مقتولوں کی لاشوں سے بھر گیا لاکھ سے کم آدمی قتل نہیں ہوئے تھے پہلے دو دنوں میں اڑھائی ہزار مسلمان قتل ہو گئے تھے۔ اور تیسرے دن اور رات میں چھ ہزار مقتول شمار میں آئے ایرانیوں کے نقصانِ جان اور مال کا حساب کرنا بیفائدہ ہے۔ قادسیہ کی شکست نے اُن کی تمام سلطنت کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا اور وہ مسلمانوں کی تھی۔ اِس عظیم جنگ کے تین دن ارماث۔ اغواث اور عماس کے نام سے اور آخری رات حریر کے نام سے بعض خاص مناسبتوں کے لحاظ سے موسوم کئے گئے ہیں۔

سنہ ۱۶ھ ہجری کے رمضان مہینہ میں جنگ ہوا۔ حضرت عمر نے جس طرح پر اس عظیم اور بے نظیر فتح کی خبر کو سُنا وہ بھی ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ جس قدر زمانہ اِس لڑائی کی تیاری اور جنگ میں صرف ہوا وہ اپنی نظیر آپ ہی تھا تمام ملک بڑی تشویش اور شوق سے اُس کا نتیجہ معلوم کرنے کا منتظر تھا حضرت عمر ہر صبح مدینہ سے باہر آ کر اس خیال سے کہ کوئی قاصد خبر لے کر آ جائے بیٹھ رہا کرتے تھے۔ آخر کار ایک صبح کو ایک قاصد آتا ہوا نظر آیا۔ اور حضرت عمر کے سوال پر اُس نے جواب دیا۔ کہ "خدا نے مسلمانوں کو فتح اور ایرانیوں کو شکست نصیب کی ہے"۔ حضرت عمرؓ بلا شناخت اُس کے ساتھ ساتھ شہر کو چلتے گئے اور تمام کیفیت لڑائی کی پوچھ لی۔ مدینہ میں جب داخل ہوئے تو لوگ حضرت عمر کے گرد جنکے ساتھ قاصد سوار چلا آ رہا تھا مبارکباد دینے کے واسطے جمع ہو گئے۔ تب قاصد نے پہچانا اور نادم ہو کر کہنے لگا کہ "یا امیر المومنین آپ نے پہلے مجھے کیوں نہ معلوم ہونے دیا۔" حضرت عمر کا مختصر اور سادہ جواب یہ تھا کہ "بھائی یہی بہتر ہے"۔ یہ متانت اور سنجیدگی اور وقار اور تحمل اور فراخ حوصلگی اور دُنیا سے استغنا اور بے پرواہی تھی۔ اُس شخص کی جس کے سامنے بقول سر ولیم میور کے "اُس وقت قیصر اور کسریٰ کی بھی کوئی حقیقت نہیں تھی"۔

سعد کچھ زمانہ تک حضرت عمرؓ کے حکم کے موافق قادسیہ میں ٹھیرا رہا۔ جب بالکل تندرست
ہو گیا تو آخر ۱۶ھ میں تیسری دفعہ قبضہ کرنے کے واسطے بڑھا۔ ایران کی فوج مقابلہ
کرتی اور شکستیں کھاتی ہوئی پیچھے ہٹتی جاتی تھی ہاشم نے اُن کو پے درپے شکستیں
دے کر فرات سے دجلہ تک کا میدان صاف کر دیا۔ دراصل قادسیہ کی فتح نے مدائن کا
راستہ صاف کر دیا تھا۔ یہ عظیم الشان شہر جو صدیوں سے ایران کا دارالسلطنت تھا
دریائے دجلہ کے دونو کناروں پر بغداد کی آبادی سے پندرہ میل نیچے پر واقع تھا۔
دائیں جانب کا شہر سکندر اعظم اور اُس کے جانشینوں کا پایہ تخت رہ چکا تھا۔ اور
مقابل کا شہر کسرے ایران کا موسم سرما بسر کرنے کا مقام تھا۔ کیان ایران کی یادگارو
کا مدفن شان اور شوکت میں بابل سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ مسلمان مدائن کی طرف بڑھے
مگر ملکہ بوران کی رگوں میں ایک دفعہ پھر خون نے جوش مارا اور اپنی تمام قوت کو جمع
کر کے مسلمانوں کے مقابلہ میں لے آئی مگر ہاشم نے ایسی فاش شکست دی کہ نقصان
اُٹھا کر بھاگنے کے سوا کچھ چارہ نہ دیکھا۔ اور مسلمانوں کا لشکر مغربی مدائن کی دیوارو
تک پہنچ گیا۔ کئی مہینوں تک محاصرہ رہا اور ایرانی آخری دفعہ مبارزہ کے واسطے اور
مقابلہ کرنے کو نکلا کئے۔ مگر محاصرہ ایسی سختی سے کیا گیا کہ آخر یزدجرد نے مسلمانوں کے
پاس ایک قاصد بھیجا اور کہا کہ دجلہ کے مشرق کے ملک کو اگر نہ چھیڑا جائے تو تمام
مغربی جانب کا ملک رضامندی سے دیدیتا ہوں مگر یہ منظور نہ کیا گیا۔ ایرانی اس عرصہ
میں مغربی شہر کو خالی کر کے مشرقی حصہ میں چلے گئے اور مسلمان بلا مزاحمت مغربی حصہ میں
داخل ہو گئے۔ مغربی اور مشرقی حصہ کے درمیان میں دریا واقع تھا۔ اور کشتیاں وغیرہ
سب ایرانیوں کے قبضہ میں دریا کے اُس طرف تھیں کچھ عرصہ انتظار کر کے اور دریا
کا ایک مقام سے پایاب ہونا معلوم کر کے اگرچہ دریا طغیانی پر تھا سعد نے پار اُترنے کا
خطرناک ارادہ کیا۔ ایک فوج کے چند حصہ کر کے پہلے کو عاصم کے ماتحت دریا میں گھوڑا
ڈال دینے کو کہا ایرانی سامنے سے حملہ کرنے کے واسطے آئے۔ مگر عاصم کی بہادری
نے ایسی نازک حالت میں بھی اُن کے منہ پھیر دیئے۔ پہلے دستہ کا سلامت اُس طرح کنارہ پر

پر پہنچا تھا کہ سعد باقی لشکر کے ساتھ دریا میں کود پڑا اور اُس کنارے پر پہنچ گیا۔ ایرانی بدحواس ہو کر بھاگ گئے۔ یزدجرد پہلے ہی سے حلوان کی طرف خزائن اور اسباب جو لیجا سکا لے کر بھاگ گیا۔ اب مدائن کے مالک مسلمان تھے ۱۶ھ ہجری کا صفر مہینہ تھا وہ ایوان اور وہ محل وہ عالیشان مکانات وہ کوشکیں اور باغات وہ خزائن اور عیش و عشرت کے بے حد و پایان اسباب۔ نہریں اور چشمے دیکھ کر سعد کو خداوند تعالےٰ کا فرمان یاد آیا

کم ترکوا من جنٰت و عیون و زروع و مقام کریم و نعمۃ کانوا فیہا فٰکہین۔ کذالک و اورثنٰہا قوماً اٰخرین۔ فما بکت علیہم السماء والارض وما کانوا منظرین۔

ترجمہ۔ کتنے چھوڑ گئے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور گھر خاصے اور آرام جس میں تھے باتیں بناتے۔ اِسی طرح اور وہ سب ہاتھ میں ڈالا ہم نے ایک اور قوم کے اور پھر نہ رویا اُن پر آسمان اور زمین اور نہ ملی ڈھیل اُن کو۔

غنیمت جو مدائن میں جمع کی گئی وہ حد اور اندازے سے باہر تھی اور عدد و شمار میں نہیں آسکتی تھی۔ خزانے زر و جواہرات۔ سونے اور چاندی کے ذخیرہ۔ جامہ اور سلاح اور فرش قعقاع نے ایک اونٹ یا خچر پکڑی تھی جس پر کسرےٰ کا تاج اور زرہ اور جوشن اور خود اور ساعدین اور ساقین زرین جواہر نگار اور پیراہن مروارید سے بنا ہوا جس میں دو مروارید کے بعد ایک پارہ یاقوت سرخ کا تھا۔ اور جامہ ہائے زربفت حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی تلواریں اور نوادر مرصع تلواریں دُنیا کے مشہور شاہنشاہوں کی تھیں غرض اس بیشمار خزانہ کا شمار اِس طرح سے بھی نہ ہو سکا کہ ایک سونے کا پورے قد کا گھوڑا جس کی آنکھوں اور دانتوں کی جگہ جواہرات لگے تھے۔ اور چاندی کا اونٹ ملا۔ عطر صندل۔ عنبر۔ مشک اور کافور کے خم اور انبار ملے۔ ایک فرش سر بسر مرصع تین سو گز لمبا اور ساٹھ گز چوڑا جس کو دستانی کہتے تھے ملا جس پر زمرد اور یاقوت اور جواہرات سے باغ اور روشیں بنی ہوئی تھیں۔ یہ فرش اور تمام خوشبوئیں اور خمس غنیمت کا حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا گیا اور باقی لشکر میں تقسیم کیا گیا جو ایک بڑا مشکل کام تھا۔ ساٹھ ہزار سوار تھے ان سے ہر ایک کو بارہ ہزار درہم حصہ میں آئے۔ حضرت عمرؓ نے غنیمت کو تقسیم کر دیا۔

فرش شاہی کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹا حضرت علیؓ کے حصہ کے ٹکڑے کی قیمت
بیس ہزار درہم تھی۔ یاد رہے کہ ممکن اختصار کے ساتھ ہم یہ حالات لکھتے ہیں۔

سعد نے مدائن کو اپنا صدر مقام بنایا۔ محلات اور مکانات مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے
شاہی محل میں خود ٹھیرا اور ایوان شاہی کو مسجد قرار دیا۔ جس عالیشان مکان میں کہ
عراق میں سب سے پہلی نماز جمعہ پڑھی گئی۔ مسلمانوں کی فوج نے بہت عرصہ آرام نہ کیا
تھا کہ ایرانیوں نے ایک نئی کوشش فوج کے جمع کرنے کی کی۔ اور جلولا کے قلعہ میں
اکٹھے ہوئے۔ سعد نے یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر ہاشم اور قعقاع
کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ عرصہ تک قلعہ کا محاصرہ رہا کیونکہ حلوان سے تازہ
کمکوں سے قلعہ مضبوط ہوتا جاتا تھا۔ آخر ایک طوفانی دن کو قعقاع نے خطرناک یلغار
کر کے لوٹتی ہوئی فوج کے ساتھ بڑھ کر ایک دروازہ پر قبضہ کر لیا۔ لڑائی سخت ہوئی۔
چنانچہ روایت کرتے ہیں کہ ایرانی ایک لاکھ لاشیں چھوڑ گئے۔ یزدجرد کو اب حلوان میں
ٹھیرنے کی تاب نہ تھی۔ شکستہ فوج کے بقیہ کے ساتھ اپنے شمالی دارالخلافہ رے کو
بھاگا اور قعقاع نے حلوان کی فوج کو شکست دے کر اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ سعد کا ارادہ
رے کی طرف بڑھنے کا تھا۔ مگر حضرت عمر نے احتیاطاً اسی وقت بڑھنے سے منع کیا
مشرقی ایران اور عراق کے درمیان جو پہاڑ تھا اس کو فی الحال اپنی فتوحات کی
حد قرار دینے اور اسی طرف رہنے کی ہدایت کی۔

اب مسلمانوں کا کام عراق عرب پر کماحقہ اپنا تسلط بٹھانے اور مفتوحہ حدود کے اندر
رعایا کو مطیع فرمان کرنے اور اسی قسم کا تھا مگر ان حدود میں جو خلل انداز ہوا اس سے
جنگ کرنا لازمی تھا۔ ہرمزان کا ایک بیٹا فوج لے کر حلوان کے جنوب کی طرف ماسندان
تک بڑھ آیا مگر شکست کھا کر مارا گیا۔ اور ماسندان اور شروان فتح ہو گیا۔ جزیرۂ عراق
اور شام کا درمیانی صوبہ اہل شام اور عیسائی اعراب اقوام کو بغاوت کے واسطے جمع
ہونے کو جگہ دے رہا تھا۔ اور انطاق حاکم صوبہ اپنی قوت بڑھا رہا تھا۔ سعد نے حضرت عمر
سے یہ کیفیت عرض کی۔ انہوں نے عبداللہ بن المعتمر کے ماتحت فوج بھیج دینے کو

حکم دیا تھا۔ تکریت میں جو مدائن سے سو میل اوپر دریا کے کنارے پر ایک شہر تھا انطاق مع مددگار اقوام کے پڑا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی فوج پہنچنے پر محصور ہو گیا۔ مسلمانوں نے چالیس روز تک محاصرہ رکھا۔ عرب اقوام نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور باقی فوج نے لڑائی میں شکست کھائی۔ انطاق کے مارے جانے سے موصل بھی فتح ہو گیا۔ اور سعد نے حضرت عمر کے حکم سے ہت اور قرقیسیا کو بھی فتح کر لیا تھا۔ گویا جزیرہ کے دونوں دریاؤں کے بیچ کے جنوبی حصہ پر قبضہ ہو گیا +

حضرت عمر کو اُس وقت غور کرنے سے معلوم ہوا کہ عراق پر مسلمانوں کا تسلط محفوظ اور مضبوط نہیں ہو سکتا جب تک کہ خلیج فارس کے سرے سے اُس کے مشرقی کوہستانی علاقہ تک ملک فتح نہ ہو جائے۔ پس سعد کی رائے سے عتبہ بحرین کی فوج کے ساتھ مع عرفجہ کے اُبلہ کی طرف بڑھنے کے واسطے بھیجا گیا۔ یہ تجارتی شہر شکست کھا کر مفتوح ہو گیا۔ تب ایرانیوں نے دریا کے مشرقی کنارے پر لشکر جمع کیا اور متعدد لڑائیوں کے بعد اُسکے منتشر کرنے میں کامیابی ہوئی جن میں سے ایک لڑائی میں مسلمان عورتوں کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُنھوں نے ایک نازک وقت میں عجیب طرح سے اپنی فوج کی مدد کی کہ اپنے دوپٹوں کے جھنڈے بنا کر میدانِ جنگ میں جا پہنچیں۔ جس کو دشمن نے مسلمانوں کی ایک تازہ فوج کی آمد سمجھا۔ اور دل چھوڑ کر بھاگ نکلے آخر ایک سخت لڑائی میں مسلمانوں کی قطعی فتح حاصل ہوئی تھی۔ اور عراق پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا تھا تاریخوں کے اعتبار سے یہ واقعات آگے پیچھے لکھے گئے ہیں۔ مثلاً جلولا کی فتح ماہ ذیقعد سنہ ۱۶ ہجری میں ہوئی۔ نیشدان موسم گرما سنہ ۱۶ ہجری میں فتح ہوا۔ ہت اور قرقیسیا سنہ ۱۵ھ میں اور یہ شانۃ العرب کا صوبہ سنہ ۱۴ھ میں فتح ہوا +

درحقیقت فتح مدائن کے بعد فوج کشی کو حضرت عمر نے روک دیا تھا اور عرصہ تک اپنی حدود سے باہر مسلمانوں کے ہتھیار نہیں گئے تھے جنوبی عراق کے مشرق میں ایران کا جنوبی مغربی صوبہ اہواز واقع تھا۔ علاء ابن الحضرمی جو آنحضرت صلعم کے زمانہ سے بحرین کا خود مختار حاکم تھا۔ اُس نے سعد کی ناموری کے رشک سے حضرت عمر کی

بلا اجازت مشرق کی طرف چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور اصطخر پر بڑھا اور نادانی سے شکست کھا کر دشمن کے درمیان میں گھر گیا۔ حضرت عمر اس حال کو معلوم کر کے علاء سے ناراض ہوئے مگر اُس کی مدد کرنی ضروری تھی۔ عتبہ کے نام حکم ہُوا جو بارہ ہزار فوج کے ساتھ بصرہ (بصرہ اور کوفہ اس وقت آباد ہو چکے تھے) سے روانہ ہُوا اور بڑی مشکل سے علاء کی فوج کے ساتھ مل کر دشمن کو شکست دے کر ہٹا دیا اور بصرے کو لوٹ آیا۔ عتبہ کی فوج نے اگرچہ بہت شہرت حاصل کر لی تھی۔ اور حضرت عمر نے اُس کو تحسین اور آفرین کی تھی مگر علاء کی شکست نے ایرانیوں کو پھر حوصلہ دلایا اور ہرمزان جو اہواز کا حاکم ایران کے شاہی خاندان میں سے ایک مشہور شخص تھا۔ اور جنگ قادسیہ وغیرہ میں فوج ایران کا افسر تھا مسلمانوں کی حدود میں بڑھ کر مقامات پر حملہ کرنے لگ گیا۔ ان حملوں کے روکنے کے واسطے مسلمانوں کو فوج کشی کرنی پڑی۔ ہرمزان نے پہلی شکست کھا کر سنہ ۱۷ھ میں اہواز مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔ دوسری شکست رام ہرمز پر کھائی اور اُس پر بھی سنہ ۱۹ھ میں مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور ہرمزان نے تنگ ہو کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا کہ اُس کو حضرت عمر کے پاس اُس کی نسبت فیصلہ کرنے کے واسطے بھیجدیا جائے۔ پس اُس کو بند میں اپنے مفسدوں کا جواب دینے کے واسطے حضرت عمر کے پاس مدینہ بھیجدیا گیا۔ مسلمانوں کی فوج نے اُس کے بعد سوس کو جو ایک نہایت قدیم اور مضبوط شاہی شہر تھا اور جس میں حضرت دانیال کی قبر تھی ایک عرصہ کے محاصرہ کے بعد فتح کر لیا۔ اور اُس کے قرب و جوار کا علاقہ بھی فتح ہو گیا ان فتوحات کی تاریخوں میں اختلاف ہے روایتیں سنہ ۱۷ھ سنہ ۱۹ھ بلکہ سنہ ۲۰ھ بھی بیان کرتی ہیں +

شام میں بغاوت

حضرت عمر کے چھٹے سال خلافت سنہ ۱۷ھ میں شمالی شام میں جزیرے کے عیسائیوں کی باغیانہ ترغیبوں سے ایک آخری اور نہایت سخت کوشش مسلمانوں سے غاشیہ اطاعت کو اپنے کندھوں سے پھینک دینے کی کی گئی۔ مسلمانوں کا اگرچہ بلادِ مفتوحہ کی حدود کے

اندر مضبوطی سے تسلط ہو چکا تھا مگر سمندر کی طرف مغربی بندرگاہ اور صحرائے شام کے مشرقی
کنارے کی قومیں پورے طور پر مطیع نہ ہوئی تھیں جزیرے کے بھی گو بہت سے قبیلے سعد کے
آگے سر جھکا چکے تھے لیکن اعراب کی خانہ بدوش اور آوارہ گرد قومیں اپنے آپ کو کسی
کا مطیع نہ سمجھتی تھیں۔ اور اکثر عیسائی اقوام درمیان میں پڑی تھیں جو مدد کے واسطے
ایران اور اہل روما کی طرف تک رہی تھیں۔ یونانیوں کی بحری قوت بھی اس وقت
تک محفوظ تھی قیساریہ کھلم کھلا اُن کی مدد کے واسطے آمادہ تھا۔ غرض اہل جزیرہ
اور دوسرے عناصر بغاوت نے قیصر سے مدد چاہی اور اُس نے سمندر کے راستہ سے مدد
بھیجنے کا وعدہ کیا۔ پس باغی اقوام نے بے شمار تعداد میں جمع ہو کر حمص کو گھیر لیا جس سبب سے
اس واقعہ کو واقعہ حمص الآخری کہتے ہیں۔ اور قیصر نے بندر اسکندریہ سے انطاکیہ پر
فوج بھیجی۔ ابو عبیدہ حمص میں حاکم تھے۔ حضرت عمر کو اس مفسدہ کی جو درحقیقت مسلمانوں
کی حکومت کو ایک اندیشہ ناک دھمکی دے رہا تھا اطلاع دی خالد کو قنسرین سے بلا لیا
یزید بن ابی سفیان کو دمشق سے اور معاویہ کو قیساریہ سے طلب کیا۔ مگر دشمن کی جمعیت
اتنی زیادہ اور مضبوط تھی کہ اس قلیل فوج پر اعتماد نہیں ہو سکتا تھا اور مدینہ سے مدد آنے
کا انتظار کرنا پڑا۔ حضرت عمر نے سعد کو حکم دیا کہ قعقاع کو ایک مضبوط اور بڑی فوج کے ساتھ
فوراً حمص کی مدد کے واسطے بھیج دے اور رقہ اور رہا اور نصیبین پر بھی فوجیں بھیج کر
مفسدوں کی طاقت کو تقسیم کرنے کی کوشش کرے۔ اسی اثنا میں یونانیوں کی فوج انطاکیہ
میں پہنچ گئی تھی۔ انطاکیہ نے اس فوج پر اپنے دروازے کھول دیئے اور مسلمانوں سے
باغی ہو گیا۔ قنسرین اور حلب بھی بغاوت پر پورے آمادہ ہو گئے۔ غرض بغاوت اور مخالفت
کا ابر گھرا ہو کر چھا گیا۔ اور تردد اور اندیشہ بڑھ گیا۔ ابو عبیدہ نے اپنے اصحاب سے مشورہ لیا
بےدھڑک اور نڈر خالد کی اکیلی رائے جنگ کرنے کی تھی مگر باقی سب مدد آنے تک حمص میں
انتظار کرنے کی صلاح دیتے تھے۔ ابو عبیدہ کی محتاط طبیعت نے اسی کو ترجیح دی اور
حمص میں محصور رہنا پسند کیا۔ حضرت عمر نے بھی یہی حکم دیا مگر اُن کو اس بغاوت سے اس
قدر اندیشہ ہوا کہ خود مدینہ چھوڑ کر فوج کے ساتھ شام کو روانہ ہو گئے جہاں وہ خود میدان میں

پہنچنا چاہتے تھے اور جابیہ تک پہنچ ہی گئے۔ اِسی اثنا میں سعد نے جو حضرت عمرؓ کے حکم سے بلادِ موصل کے شہروں پر چڑھائی کر دی تھی اُس سے اعراب اور عیسائیوں کو اپنے گھروں کا نہایت خطرہ ہوا اور شام میں یونانیوں کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ ابو عبیدہ اِس موقع کو غنیمت سمجھ کر قلعہ سے نکل کھڑے ہوئے اور قعقاع کے پہنچنے سے پہلے ہی دشمن کو شکست فاش دے کر منتشر کر دیا۔ حضرت عمر یہ خبریں سُن کر خوش ہوئے اور جابیہ سے مدینہ کو پھر آئے۔ سعد کی ہمت اور زبردستی پر بھی آفرین کی +

قیصر کی یہ سب سے آخری کوشش تھی کہ مسلمانوں کو شام نکال دے مگر مستحقین سے اُن کا مقسوم اور حق کون چھین سکتا۔ نتیجہ اِس بغاوت کا یہ ہوا کہ مسلمان چوکنے ہو گئے اور جزیرہ تمام تر اُس کی انتہائی حدود تک فتح ہو گیا۔ ایشیا کوچک میں بھی عیادہ کے سپہ سالارانہ ہاتھوں نے فتوحات کو مکمل کر دیا۔ تمام چھوٹے بڑے شہر فتح ہو گئے۔ اور آرمینیا تک مسلمانوں کا تسلط ہو گیا عمرو بن العاص نے معاویہ کی مدد سے آخر کئی سال کے محاصرہ کے بعد قیساریہ کی فتح کو مکمل کر کے شام کو مسلمانوں کے قبضہ میں ایسا محفوظ کر دیا کہ اب کوئی اندیشہ کسی قسم کا نہ رہا

فتح مصر

وبا اور قحط کے سال نے تو گویا مسلمانوں کے ہتھیار کُند کر دئیے تھے جب اِس بلا سے نجات ملی تو مشرق کی طرف ایران میں اور مغرب میں مصر کی جانب مسلمانوں کے قدم بڑھنے لگے عمرو بن العاص قیساریہ کی فتح کے بعد فلسطین میں جن میں وہ پورا تسلط بٹھا چکا تھا بیکاری کے سبب سے شیر کی طرح پنجرہ میں بیقرار تھا اور اپنے چاروں طرف فتوحات کے نئے میدان کے واسطے دیکھ رہا تھا حضرت عمر سے پچھلے سفر شام میں (جس کا ذکر آئندہ ہوگا) عمرو بطریق فلسطین ارطفول کا تعاقب کرنے وغیرہ کے بہانہ سے مصر کی جانب قدم بڑھانے کی اجازت چاہی تھی جس کو حضرت عمر نے اُس وقت گو پختہ طور سے نہیں مگر منظور کر لیا تھا +

مصر اہل روما کے زیر حکومت سب سے بڑا سرسبز اور زرخیز ملک تھا۔ اور قسطنطنیہ کی گویا وہی

پرورش کرتا تھا۔ سکندریہ مصر کا دارالخلافہ اہلِ روما کی سلطنت میں دوسرے درجہ کا شہر تھا۔ مصری باشندوں کے علاوہ اُس میں اہلِ روما اور یونانیوں اور اہلِ عرب اور قبطیوں اور حبشیوں اور یہودیوں کی آبادی اور بہت آمد و رفت تھی۔ شہر کی شان و شوکت جب سے وہ آباد ہؤا ہے کبھی کم نہیں ہوئی۔ جہازوں کا گویا ایک جنگل اُس کے بندرگاہ پر موجود رہتا تھا جو اُس کی روز افزوں تجارت کا ثبوت تھا۔ اور گو اہلِ روما کی سلطنت کا ایک حصہ تھا مگر اُن کی حکومت کو بار سمجھنے لگا تھا۔

عمرو بن العاص ۱۹ سنہ یا ۲۰ سنہ ہجری[1] میں (جس کی ٹھیک تاریخ معین نہیں کی جا سکتی) حضرت عمر کی متردد اجازت لے کر فلسطین سے مصر کو روانہ ہؤا اور اُس کی ساری فوج اُس وقت چار ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت عمر کا ارادہ اس وقت تسخیر مصر کا پہلے بھی مستحکم نہ تھا۔ اور اِس قلتِ فوج سے زیادہ متردد ہو کر عمرو بن العاص کو واپس آجانے کا حکم بھیجا۔ مگر اُس نے زیادہ بڑھ جانے کا بہانہ پا کر اپنے اِس دل خواہ ارادہ سے باز آنا پسند نہ کیا۔ حضرت عمر نے اِس صورت میں قلتِ فوج کے اندیشہ کی طرف سے مطمئن ہونے کے واسطے زبیر بن العوام کو اور فوج دے کر پیچھے سے بھیج دیا جس سے عمرو بن العاص کی فوج مضبوط ہو گئی اور بعض نامور اور جنگ آور بہادر بھی فوج میں شامل ہو گئے۔

عمرو بن العاص مصر میں اریش سے داخل ہؤا اور فرما کے قلعہ کو فتح کر کے بائیں طرف رُخ کیا۔ اور صحرا کو گذر کر دریائے نیل کی سب سے مشرقی شاخ پر پہنچ گیا۔ اور اُسی کے ساتھ شمالی مصر کی طرف روانہ ہؤا۔ راستہ میں اُس نے کئی لشکروں کو جو اُس کو روکنے کے واسطے بڑھے تھے شکست دی جن میں سے ایک لشکر کا سردار ارطفول مفرور بطریق فلسطین تھا جو شکست کھا کر مارا گیا۔ مصر کے اِس بالائی حصہ کا حاکم مقوقس قبطی تھا عمرو بن العاص زبیر کی فوج کے ساتھ جو اب اُس کے پاس پہنچ گئی تھی شہر مصر

[1] تاریخوں میں اتنا اختلاف ہے کہ سنہ ۱۶ ہجری سے لیکر سنہ ۲۵ ہجری تک کے مختلف سال بیان کئے جاتے ہیں۔ قریب تاریخ رکھنے کا خیال نحوظ ہے سال ہیں عمرو بن العاص کا مصر سے غلّہ سے مدد دینے کا ہے اور دور رکھنے کا سنہ ۲۲ ہجری میں یونانیوں سے اسکندریہ کو چھوڑا لینے کی کوشش کا ہے مگر ہم سنہ ۱۹ یا سنہ ۲۰ کو معتبر سمجھتے ہیں۔ مؤلف

(ممفس قاہرہ کے قریب ایک بڑا شہر تھا) کے نزدیک پہنچ گیا۔ جاثلیق جو وہاں کا حاکم تھا
اُس نے اسلامی پیغام کا جواب دینے کے واسطے تین روز کی مہلت حاصل کی جنکے
گذر جانے پر ایک سخت لڑائی ہوئی قبطیوں کی فوج نے مسلمانوں کو اپنی قوت کا
قائل کر دیا تھا۔ مگر آخر شکست کھا کر حصار شہر میں محصور ہو گئے۔ اور خوب جان گئے کہ
جنہوں نے قیصر اور کسریٰ کو اپنے ملکوں اور سلطنتوں سے بے دخل کر دیا ہے اُن کا
مقابلہ کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ شہر پر ایک سخت حملہ کیا گیا جس میں زبیر نے حیرت انگیز
شجاعت سے دیوار پر زینہ لگا کر فوج شہر میں پہنچا دی تھی۔ مگر اسی اثنا میں مقوقس کے
قاصد صلح کی درخواست لے کر پہنچ گئے۔ اور شرائط صلح طے ہو جانے پر شہر چھوڑ دیا
گیا۔ یونانیوں اور اہل نیوبیا نے بھی ایسی ہی شرائط پر صلح خرید لی۔ گو یونانی اپنی
مفتوحہ اقوام کے ساتھ ہم رتبہ ہو کر رہنے کو ناپسند کر کے ساحل سمندر کی طرف بھاگ گئے +
عمرو بن العاص نے اب سکندریہ کی طرف جلد بڑھنے کی کوشش کی تاکہ سکندریہ کو کمک
پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچ جائے۔ اور راستہ میں کئی لشکروں کو جو اُس کا راستہ روکنے کے
واسطے بڑھے تھے شکست دے کر بھگا دیا اور شہر کی دیواروں کے نیچے جا کھڑا ہوا +
شہر بہت مضبوط تھا اور سمندر کی طرف سے کمک حاصل کر سکتا تھا مگر محاصرہ نے بہت
طول کھینچا۔ کیونکہ ہرقل قیصر روم سنہ ۲۰ھ (فروری سنہ ۶۴۱ء) میں مر گیا اور شہر کا ایک حصہ بلکہ
سر کر کے فتح ہو چکا تھا۔ مقوقس نے کمک سے نا اُمید ہو کر اور مقابلہ کی تاب نہ دیکھ کر پہلی قسم
کے جزیہ دینے کی شرائط پر حضرت عمر کی منظوری سے صلح کر لی اور امن و امان قائم ہو گیا +
گر عمرو بن العاص کی بے چین اور جنگجو طبیعت نے اُسے آرام سے نہ بیٹھنے دیا اور
مغرب کی طرف اپنی فتوحات کو بڑھاتا ہوا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بارقا کو فتح کر کے طرابلس تک
پہنچ گیا +

تسخیر ایران

ہرمزان جب قید ہو کر مدینہ پہنچا اور مسلمان ہو کر مسلمانوں کا وظیفہ خوار بن کر مدینہ میں
رہ گیا اُس نے اور نیز اور لوگوں نے ایران کی بغاوتوں اور جھگڑوں کا سبب حضرت عمر کے

ذہن میں یہ امر بیٹھا دیا کہ جب تک شاہ ایران اور اُس کی قوت اور مُلک باقی ہے مسلمانوں کو اپنی حدود میں چین سے نہ بیٹھنے دیگا۔ اور اسی زمانہ میں ایرانیوں کی نئی مخالفت اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری نے اس رائے کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا حضرت عمرؓ اب مجبور ہو گئے کہ صرف ایرانیوں کی مدافعت ہی پر کفایت نہ کریں بلکہ اپنے پہلے خیال کے خلاف فتوحات کو بڑھا کر ایران کو مسخر کر کے آیندہ حملوں کے لائق نہ چھوڑا جائے +

یزدجرد نے اس وقت کسی معمولی حملہ کی تیاری نہیں کی تھی اُسکو مسلمانوں کے ایک عرصہ تک جنبش اور آگے بڑھنے کے ارادہ سے کوئی حرکت نہ کرنے سے خیال ہو گیا تھا کہ قادسیہ اور مدائن کی فتح کو غنیمت سمجھ کر اُس پر کفایت کر بیٹھے ہیں۔ اور بڑے اطمینان کے ساتھ ایک بڑے خیال کے پورا کرنے میں مصروف تھا۔ درحقیقت اُس کو ایک عمدہ موقع اور اپنی حالت درست کر لینے کے واسطے فراغت مل گئی تھی۔ لیکن اصطخر وغیرہ کے مغلوب ہو جانے سے پھر ڈر گیا۔ اور اُس کو اپنے ارادہ میں جلدی کرنی پڑی۔ اُس نے ایک بڑی سے بڑی کوشش حملہ آوروں کو ملک بدر کرنے کے واسطے شروع کی تھی۔ اور صوبہ داروں اور سرداروں سے ہر ایک جگہ سے فوج جمع کر رہا تھا اور اپنی سلطنت کی انتہائی حدود تک ہر ایک شہر اور قریہ سے فوج اکٹھی کر لی جو بے شمار تعداد میں کوہ دماوند کے نیچے میدان میں جمع ہوئی اور ایک لاکھ پچاس ہزار تعداد میں فیروزان کے زیر حکم مسلمانوں کے مفتوحہ حدود کی طرف بڑھی۔ اس فوج کشی کی خبریں بجلی کی طرح کوفہ میں پہنچیں اور سعد نے اس اُٹھتے ہوئے طوفان کے سوانح حضرت عمرؓ کے گوشگذار کئے۔ خبریں ایسی دہشتناک بن بن کر پہنچ رہی تھیں کہ معاملہ کے نازک ہو جانے میں کوئی شبہ نہ رہا مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ جانے سے اُن کے کس قدر زمانہ کی محنتیں اور جان بازی کی کوششیں برباد ہو جائیں۔ تمام فتوحات ہی ہاتھ سے نکل جائیں بلکہ کوفہ اور بصرہ بھی جو اسلامی نوآبادیاں تھیں کھو بیٹھتے +

حضرت عمرؓ جیسے کہ پہلے بڑے خطرناک موقعوں پر انھوں نے ارادہ کیا تھا اب بھی بذات خود جانے کو تیار ہونے لگے۔ مگر پہلی قسم کے ہی دلائل نے اُن کو ایسے ارادے کے ترک کرنے پر مجبور کیا۔ نعمان بن المقرن کو اہواز سے بُلا کر کوفہ اور بصرہ کی حفاظت

تسخیر ایران کے واسطے اطراف و جوانب میں بھیج دیگئی۔ شہر کے بعد شہر اور صوبہ کے بعد صوبہ فتح ہوتا گیا۔ نعمان کی وفات کا حضرت عمر کو نہایت رنج ہوا اور اُس کے بھائی نعیم بن المقرن کو سپہ سالار مقرر کرکے بھیجا۔ یزدجرد کا غرور اُس کو خلافت کے سامنے سر جُھکانے سے روکتا تھا۔ اور حضرت عمر نے ملک کی تسخیر کا ارادہ کر لیا تھا۔ بحیرۂ کاسپین کی جنگجو قومیں رُستم کے بھائی اسفندیار کے ماتحت رَے کی محافظت کے واسطے جمع ہوئیں جو ایران کا ایک شاہی شہر تھا اور بادشاہ وہاں مقیم تھا۔ نعیم اُن کے مقابلہ کے واسطے بڑھا۔ اور ایک دوسری جنگ عظیم میں (۲۲ سنہ ہجری) فاش شکست دے کر رَے پر قبضہ کر لیا۔ اسفندیار آذربیجان کو بھاگ گیا جہاں وہ پھر شکست کھا کر قید ہو گیا۔ یزدجرد رَے سے اصفہان کو بھاگا۔ لیکن جب مسلمانوں نے بڑھ کر اصفہان کو فتح کر لیا۔ تو کرمان کو جا پہنچا۔ جب وہاں بھی نہ ٹھیر سکا تو مرو میں پناہ لی اور وہاں سے خاقان چین اور ترکوں کی مدد کا طالب ہوا لیکن آخر کار ترکوں کو بھی یزدجرد کو ساتھ لئے ہوئے پیٹھ دکھانی پڑی۔ مسلمانوں نے تمام سلطنت کے حصّوں کو یکے بعد دیگرے فتح اور مطیع کر لیا۔ قومس۔ جرجان۔ طبرستان۔ فارس۔ کرمان۔ مکران سجستان۔ خراسان۔ آذربیجان۔ الابواب و بحیرہ یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے اور ایران کی انتہائی حدوں تک جن کے مشرق میں ہندوستان اور شمال میں ترکوں اور زمانہ حال کے روسیوں کی اقوام تھیں اور جن کی اجنبیت کے سبب سے اُن کو یاجوج ماجوج کہا گیا ہے تمام ملک مسخر و مطیع فرمان ہو گیا۔

یہ فتوحات جن کے متعلق روایتیں اور واقعات مبسوط اور مستقل کتابوں کا مضمون ہیں ہم نے چند صفحوں میں بیان کر دی ہیں۔ دنیا کی تین عظیم الشان سلطنتوں کے فتح ہونے کے حالات کو اگرچہ ایسے اختصار سے بیان کرنا تاریخ کا گناہ ہو مگر ہم اپنے مقصد کے لحاظ سے اِس سے زیادہ مفصل نہیں لکھ سکتے تھے۔ ہمارا مطلب نہایت اختصار کے ساتھ مسلمانوں کی سلطنت کی وسعت کو جو حضرت عمر کے زمانہ میں حاصل ہوئی دکھانا تھا۔ تاہم دنیا اِس روشنی کے زمانہ کی نہایت حیرت اور تعجب سے اُن

پانچواں باب

سیاست و انتظامِ سلطنت

زمانۂ جاہلیت میں اگرچہ عرب کے شمالی اور مشرقی اور جنوبی اطراف و اضلاع میں صدیوں سے ایک باقاعدہ سلطنت کی صورت تھی۔ مگر عرب الحجر اور عرب الوادی یعنی مغربی صوبہ حجاز اور ریگستانی عرب میں کوئی خاص سلطنت مسلم نہیں تھی۔ اور مسٹر پالمر[۱] کا یہ قول اُنہیں پر صادق آتا تھا کہ اگر اُن کی گورمنٹ کی نسبت پوچھا جائے تو در حقیقت وہ کوئی گورنمنٹ نہیں رکھتے تھے۔ سب سے اچھی نسل کا اور سب سے بہادر شخص قبیلہ کا سردار تسلیم کر لیا جاتا تھا اور وہ اُن کو میدانِ جنگ میں لے جاتا تھا۔ مگر وہ اُن پر کوئی ذاتی اختیار اور تفوق سوائے شجاعت اور فیاضی کی تعریف کے جو وہ حاصل کرتا تھا نہیں رکھتا تھا۔ بنو اجرہم کی بادشاہی کے دو گذرے ہوئے وقتوں میں گو حجاز بھی بادشاہی سلسلہ کا مطیعِ فرمان رہا ہو مگر جیسا کہ مسٹر سیل کا قول ہے[۲] "بنو اجرہم کے بے دخل کر دینے کے بعد زیادہ صدیوں تک سلطنت ایک بادشاہ کے ہاتھ میں نہیں رہی بلکہ قبائل کے سرداروں میں تقسیم ہو گئی قریباً اسی طریقہ سے جیسے کہ آج ریگستانی عرب حکومت کئے جاتے ہیں" مکہ معظمہ میں گو قریش کی شرافت کا رعب اور اثر تھا اور ایک قسم کی حکومت اُن کو حاصل تھی مگر اُس کا تعلق مذہبی امور سے بڑھ کر بہت کم تھا۔ اور اہلِ مکہ کی حالت گو مستقل یکجا رہائش اور کعبہ کی پرستش کے میلوں اور مجمعوں کے سبب سے کسی قدر اصلاح یافتہ تھی مگر عام طور پر اصول تمدن اور طرزِ معاشرت میں خانہ بدوش بدوؤں سے کچھ ممیز نہ تھی[۳]۔ مثلاً گورمنٹ کی نسبت سر ولیم میور کا قول ہے

[۱] مسٹر پالمر کا انگریزی ترجمہ قرآن کا دیباچہ جلد اول صفحہ ۱۱ [۲] دیباچہ قرآن از مسٹر سیل صاحب صفحہ ۹ [۳] لیف آف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۱۹

حضرت موسٰی کی طرح وقتاً فوقتاً مسلمانوں کے اِس قسم کے امور پر بھی اُن کو توجہ فرمانی پڑی اور اِس سے امور میں فیصلہ کرنے اور معاملات میں برتاؤ کی نظیریں پیدا ہوگئیں۔ مگر جناب ہیرو کائنات نے دنیوی امور سے اِس درجہ تک اپنی بے تعلقی ثابت فرمائی۔ کہ انتظام امور دنیا کے واسطے کسی شخص کو اپنا جانشین موسوم کرنے سے بھی دریغ فرمایا گو اخلاق کی عام تعلیم ہر ایک قسم کے انتظام کا اصول تھی مگر براہ راست کوئی ضابطہ یا آئین یا دستور امور ملکداری کا مرتب نہیں کیا گیا تھا +

حضرت ابوبکر کی خلافت کا قلیل زمانہ اندرونی بغاوتوں کے فرو کرنے اور کسی قدر سرحدوں پر قدم بڑھانے میں گذر گیا۔ نہ اِس قدر فرصت ہوئی اور نہ اس کی ضرورت ہی معلوم ہوئی کہ کسی قسم کے خاص ضوابط و قانون کے تیار کرنے کی طرف توجہ کی جاتی۔ مثلاً اُن کے زمانۂ خلافت میں حضرت عمر قاضی مدینہ مقرر ہوئے تھے مگر سال بھر میں دو سے زیادہ مقدمات فیصلہ کرنے کے واسطے اُن کے سامنے پیش نہ ہوئے لشکر اکٹھا کرنے کے واسطے اسلامی فرائض یاد دلائے جاتے تھے غنیمت کے چار حصے لشکر میں تقسیم ہوکر پانچواں حصہ یا خمس جس قدر آتا تھا ضروری اخراجات پورے کرکے مسلمانوں میں مساوی طور پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اندازاً دو لاکھ درہم حضرت ابوبکر کے زمانہ میں آئے اور خرچ اور تقسیم کر دئیے گئے۔ پہلے سال میں قریب دس اور دوسرے سال میں بیس درہم حصہ میں آئے اُنکی وفات پر بیت المال میں ایک دینار جو لپٹا ہوا رہ گیا تھا ملا۔ غرض حضرت ابوبکر کا زمانۂ خلافت بھی نہایت سادہ دستورات سے گذر گیا +

حضرت عمر اپنی خلافت کے پہلے سالوں میں تو لشکر کشی کے کام میں زیادہ تر مصروف رہے مگر جب فتوحات کو دن بدن وسعت ہوئی اور عرب کی خلافت میں سلطنتوں کی سلطنتیں شامل ہونے لگیں اور غنیمت کے سوا جزیہ اور مالگذاری وغیرہ کی آمدنیوں سے بیت المال بھرنے لگا تو حکمرانی اور ملکداری کے وہ سادہ قواعد کافی نہیں ہو سکتے تھے پس حضرت عمر کو ایک مقنن اور آئین نگار اور مدبر منتظم اور ایک بڑی وسیع سلطنت کی تمام قسم کی ذمہ داریوں کا کام کرنا پڑا۔ یا یوں کہو کہ اُن بےنظیر قابلیتوں کو جو خدا نے اُن کو بخشی تھیں کام میں لانے کا موقع مل گیا +

سب سے پہلا نیا کام اُن کے دیوان اور دفتر کو بیان کرنا چاہیئے جو بیت المال اور خزانہ اور تنخواہوں اور روزینوں کا ایک باقاعدہ انتظام اور اہتمام تھا۔ بیت المال کی آمدنی کی جب افزونی ہوئی تو حضرت عمرؓ کو مال کے تقسیم کرنے میں ایک معین اور مستقل دستور کے ایجاد اور داخل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ انہوں نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا اور کہا کہ مال کے تقسیم کرنے کے بارے میں میری رائے حضرت ابوبکر کی رائے سے مختلف ہے۔ میں بیت المال میں خزانہ کو جمع کرنا۔ اور ہر ایک شخص کا سالانہ وظیفہ اور تنخواہ مقرر کرنا چاہتا ہوں اور جن اصول پر وہ تقسیم کے اس نئے دستور کو مبنی کرنا چاہتے تھے وہ بیان کئے وہ خیال درحقیقت ایک ایسا عظیم الشان اور پُر مشکلات تھا کہ صرف وہی شخص جس کی وسعتِ دماغ نے اُس کو پیدا کیا تھا پورا کر سکتا تھا۔ مسلمانوں کے مراتب حقوق کے موافق اُن میں مال تقسیم کرنے اور اُن کی تنخواہیں مقرر کرنے کے تین اصول قرار دیئے گئے۔

اول۔ اسلام لانے میں سبقت۔

دوم۔ آنحضرت صلعم کے ساتھ قرب اور تعلق۔

سوم۔ فوجی خدمات۔

تمام قبائل عرب اور ہر ایک قبیلہ کے ہر ایک فرد اور ملک عرب کے ہر ایک مسلمان متنفس خانہ نشین بوڑھے شخص سے لے کر نوزائیدہ بچہ تک ہر ایک کی تنخواہ مقرر کرنا اور اس کا باقاعدہ تحریری حساب رکھنا بقول سر ولیم میور کے ایک ایسا کام تھا جو انسان کے کرنے کے کاموں[1] سے بڑھ کر تھا۔ اور پھر ان مقررہ اصولوں کے موافق اُن کے مراتب حقوق کا فیصلہ کرنا ایک ایسی باریک بین نظر کا کام تھا جو ہر ایک کو نہیں نصیب ہو سکتی۔ اور اس بات کا ثبوت کہ یہ تقسیم کامل صحت اور مراتب حقوق کے موافق کی گئی اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ عرب کی وہ بے خوف اور زبان دراز قومیں اور قبائل اور افراد اس سے رضامند ہو گئے۔ اور کسی کو کوئی وجہ شکایت اور ناراضی کی نہ رہی۔ ان کا منصفانہ برتاؤ[2] اور دستور ہی اس قسم کا تھا وہ صرف اَوروں کے ساتھ ہی انصاف نہیں کرتے تھے

[1] انلس آف دی ارلی خلافت صفحہ ۲۲۹

بلکہ اپنی ذات کے ساتھ نسب سے بڑھ کر انصاف بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اپنی حق تلفی روا رکھتے تھے۔ جب تقسیم مال اور تعین وظیفہ کے واسطے مراتب اور حقوق کا فیصلہ ہونے لگے تو عبدالرحمن بن عوف نے جو بزرگ اور اہل الرائے قریش میں سے تھے یہ رائے دی کہ اپنی ذات کو سب پر مقدم قرار دیں یا یہ کہ اپنے سے شروع کریں۔ اور یہ رائے کچھ نامناسب اور انصاف کے خلاف نہیں تھی کیونکہ حضرت عمرؓ نہ تو سبقت اسلام کے لحاظ سے زیادہ پیچھے تھے اور نہ فوجی خدمات میں جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں کی گئیں کسی سے کم تھے۔ اور آنحضرت صلعم کے ساتھ قرب اور تعلق میں سب معاصرین سے بڑھ کر ہونے کی تو یہی دلیل کافی تھی کہ وہ اُن کے خلیفہ اور امت کا انتخاب تھے۔ مگر انہوں نے اس رائے کو ناپسند کیا۔ اور کہا کہ میں اپنے نفس کو اُس کی مناسب جگہ پر رکھونگا اور اپنی ذات اور اپنے قبیلہ کو قریش میں بہت دور آخر کی طرف رکھا اور کسی کی شکایت اور ناراضمندی پر اُس کو بھی چھیڑنے پر تیار رہے۔ مثلاً ابو عبیدہ بن جراح نے جب شکایت کی تو اُسے کہا کہ تم کو بھی میری طرح قانع رہنا چاہیئے لیکن اپنی قوم سے تجھ کو خود فیصلہ کرنے کا اختیار ہے اگر وہ تجھ کو مقدم بنانا چاہینگے تو مجھے کچھ عذر نہ ہوگا۔ لیکن اگر تم قبول کرو تو میں اپنے اور اپنی قوم بنی عدی سے تم کو مقدم کرسکتا ہوں۔ اپنے بیٹے عبداللہ پر اسامہ بن زید کو ترجیح دی۔ اپنے بیٹے کے تین ہزار درہم سالانہ مقرر کئے اور اسامہ بن زید کے چار ہزار عبداللہ نے شکایت کی کہ اسامہ کا باپ میرے باپ سے افضل نہیں تھا اور نہ اسامہ مجھ سے پھر اُس کو ایک ہزار زیادہ کیوں دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اسامہ کا باپ تیرے باپ سے رسول اللہ صلعم کو بہت پیارا تھا +

غرض مراتب اور حقوق میں بنی ہاشم سب سے افضل اور مقدم قرار دیئے گئے جنمیں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھے۔ اور پھر بنی مطلب و عبدالشمس اور نوفل اور بنی اسد عبدالعزےٰ اور عبدالدار اور بنو زہرہ اور بنی تمیم اور مخزوم اور سہم اور جمح اور عدی بن کعب اور بنی عامر بن لوی وغیرہ کو اُن کے مناسب مدارج اور مراتب کے لحاظ سے قرار دیا۔ آنحضرت کے قرابتیوں میں اُمہات المومنین ازواج مطہرات اور اُن کے دوسرے

اقربا کو مقدم قرار دیا حضرت عائشہؓ کے بارہ ہزار درہم یا دوسری اُمہات المومنین کے مانند ہر ایک کے دس ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا گیا۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا اہل بدر کے برابر پانچ پانچ ہزار سالانہ۔ حضرت عباسؓ کے وظیفہ کی نسبت مختلف روایتیں ہیں تین پانچہزار سے لے کر چوبیس ہزار تک بیان کیا گیا ہے مگر بارہ ہزار صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اہل بدر کے واسطے پانچ پانچہزار مقرر کئے گئے اور اہل بدر کے بیٹوں کے دو دو ہزار اور حدیبیہ اور بیعت رضوان میں جو شریک تھے اُن میں سے ہر ایک کے واسطے چار چار ہزار انصار میں سے ہر ایک کے چار چار ہزار مقرر کئے۔ بغاوت اور مفسدہ کے فرو کرنے میں جو شریک ہوئے تھے اُن کے تین تین ہزار۔ شام اور عراق میں جنہوں نے جنگ کئے تھے اُنکے دو دو دو ہزار۔ قادسیہ اور یرموک کی لڑائی میں جو موجود تھے اُن کا ایک ایک ہزار۔ نامور بہادروں کو اُن کی دیرینہ اور موجودہ خدمات کا لحاظ کر کے پانچ پانچ سو سے دو دو سو تک زائد دئے گئے۔ اسی طرح مراتب کے لحاظ سے بعض مہاجرین اور انصار کے دو دو ہزار مقرر کئے۔ اہل مکہ اور بعض لوگوں کے آٹھ آٹھ سو مقرر ہوئے۔ اور مہاجرین اور انصار کے مراتب کے لحاظ سے اُن کی عورتوں کے چھ سو سے لے کر دو سو تک مقرر کئے۔ قبائل اعراب کے وظائف بھی اسی طرح مختلف تھے اور علیحدہ علیحدہ ہر ایک قبیلہ کا دفتر اور دیوان تھا۔ مثلاً حمیر کے فوجی اور دیہاتی امیروں کے واسطے سات۔ آٹھ۔ نو ہزار کے درمیان وظائف مقرر تھے۔ وظائف کے تقرر میں اُن بڑے تین اصولوں کے سوائے اُن کی ضروریات اور کنبوں اور اسی قسم کے اور امور کا بھی لحاظ کیا جاتا تھا۔ یہ وظائف اور تنخواہیں سلسلۂ وراثت میں موروثی تھے اور اسی طرح جو انعام میدان جنگ میں کسی خاص شجاعت اور بہادری کے کام کے واسطے دیا جاتا تھا وہ بھی موروثی ہوتا تھا۔

عورتوں کے واسطے عام طور پر مردوں کے حصہ[۱] کا ایک دسواں مقرر کیا گیا تھا جو بیوی بیواؤں اور بچوں کے جداگانہ وظائف تھے۔ ایک بچہ جس روز پیدا ہوتا تھا درج رجسٹر ہو جاتا تھا اور سو درہم (بعض روایتوں میں دس درہم) سے لے کر ترقی عمر کے ساتھ وظیفہ

[۱] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۲۸ بسند بلاذری۔

پڑھتا چلا جاتا تھا۔ اوّل اوّل میں تو یہ دستور تھا کہ بچّہ کا وظیفہ اُس وقت سے مقرر ہوتا تھا جب اُس کا دودھ چھڑایا جاتا تھا یعنی جب بچّہ کے کسی خفیف عارضہ سے ضائع ہو جانے کا خوف کم ہو جاتا تھا۔ پھر اس دستور کو تبدیل کر کے نوزائیدہ بچّہ کا وظیفہ مقرر کرنے کا قاعدہ مقرر کیا۔ اِس تبدیلی کی وجہ ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات حضرت عمر ایک قافلہ کی حفاظت کے واسطے عبدالرحمٰن کو ساتھ لے کر خود گئے اور رات بھر جاگتے اور عبادت کرتے رہے۔ اِسی اثناء میں حضرت عمر نے ایک بچّہ کے رونے کی آواز سُنی اور دریافت حال کے واسطے اُس طرف گئے۔ بچّہ کو اُس کی ماں کے پاس روتے ہوئے دیکھ کر اور یہ کہہ کر چلے آئے کہ اسے چپ کرا۔ تھوڑی دیر میں پھر وہی رونے کی آواز آئی اور پھر جا کر چپ کرانے کو کہہ آئے۔ تیسری دفعہ جب گئے تو اُس عورت کو کہا کہ میں تجھے اچھی ماں نہیں دیکھتا۔ اُس نے جواب دیا اے بندہ خدا! تو نے مجھے کیوں تنگ کیا ہے۔ میں تو اس سے دودھ چھڑانا چاہتی ہوں۔ اور اس کا عادی بناتی ہوں۔ حضرت عمر نے کہا کہ ایسا کیوں کرتی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ جب تک بچّہ کا دودھ نہ چھڑایا جائے عمر وظیفہ نہیں مقرر کرتا۔ اُس کی عمر پوچھی تو معلوم ہوا کہ چند مہینے کی ہے یہ سُن کر اُس کو صرف اتنا کہا کہ جلدی نہ کر اور چلے آئے صبح کو نماز پڑھ کر جب فارغ ہوئے تو اُس بچّہ کے رونے کی آواز اُسی طرح آ رہی تھی کہنے لگے کہ عمر بہت بُرا ہے جس نے مسلمانوں کی اولاد کتنی ہی مار ڈالی ہوگی۔" اور منادی کرنے کے واسطے حکم دیا اور مفصلات میں لکھ بھیجا کہ کسی بچّہ کا دودھ نہ چھڑایا جائے ہم اول ہی سے اُن کا وظیفہ مقرر کر دینگے[۱]۔

۵۔ عرب کے خون کو غلامی سے آزاد کر دیا کوئی عرب غلام نہیں بنایا جا سکتا تھا[۲]۔ پہلے کے جو غلام تھے اُن کے بھی وظائف مقرر تھے۔ اور اِس سلسلہ کو عرب سے باہر غیر عرب مسلمانوں تک جنہوں نے اسلامی اغراض میں شرکت اختیار کی تھی بڑی فیاضی کے ساتھ وسیع کیا گیا۔ مثلاً ایرانی امیروں اور دہقانوں اور لوگوں کا جو خوزستان میں مسلمانوں کی

---

[۱] ازالۃ الخفا باب تجھا باب گشت۔ [۲] انسائیکلوپیڈیا خلافت صفحہ ۲۲۳۔

فوج کے ساتھ شریک ہو گئے ہزار درہم سے دو ہزار درہم تک وظیفہ مقرر کیا گیا[۵]۔ اسی طرح
جو اسلام اختیار کر کے اُسی پر منحصر ہو گئے اُن کو بھی عطیہ سے محروم نہیں رکھا گیا۔ مثلاً
ہرمزان کو دو ہزار درہم سالانہ وظیفہ دیا گیا۔ اگر سچ پوچھو تو اسلام نے جو برادری اور
اخوت کی تعلیم خیالات کو کی تھی حضرت عمرؓ نے اُس مبارک تعلیم کی عملاً تعمیل کر کے دکھا دی
سر ولیم نے غیر اقوام کو کم وظائف دینے اور برادری اور اخوت کے خیال کو غیر اقوام تک
وسیع کرنے سے دریغ کرنے پر اعتراض کیا ہے مگر افسوس ہے کہ مورخ مذکور نے یہ اعتراض
کرتے وقت اُن اصولوں کو جن پر وظائف کی بنا رکھی گئی تھی نظر انداز کر دیا ہے سبقت
اسلام لانے میں تقرب رسول اللہ صلعم کے ساتھ اور فوجی خدمات۔ یہ استحقاق کس قدر
لوگوں کو حاصل تھے جن کو حق سے محروم رکھا گیا۔ یہ معترض نے نہ بتایا۔ یہ بھی نہ بتایا کہ
عام طور پر کس قدر مسلمان غیر اقوام کے محروم رکھے گئے۔ تعجب ہے کہ معترض اپنی کتاب
انلس اوف دی ارلی خلافت کے صفحہ ۲۵۴ کے نوٹ کو لکھ کر بھی جس میں اُس نے خود
لکھا ہے کہ جس قدر ایرانی مسلمان خرستان کی فوج میں شامل ہو گئے۔ اُن کے ویسے
ہی وظائف مقرر کئے گئے۔ اِس اعتراض کو قلم زن کرنا بھول گیا۔ اصلیت یہ ہے کہ
غیر ممالک میں اول میں تو اسلام اِس قدر شائع نہیں ہوا اور جس قدر مسلمان ہوئے وہ
غیر مسلمان اقوام کی طرح اپنے پیشوں اور اپنے کاموں میں رضامند اور قانع رہے خطرناک

[۵] انلس اوف ارلی خلافت نوٹ صفحہ ۲۵۴ و ۲۲۶ [۶] درہم چاندی کا اور دینار سونے کا سکہ تھا درہم کو اکثر لوگوں نے
۴ ۱/۲ ماشہ کا بیان کیا ہے جس کے حساب سے درہم کی قیمت ہمارے سکہ رائج الوقت میں ۵ سے کچھ زیادہ ہوتی ہے میور نے جو حساب
کیا ہے اُس کی رو سے درہم کی قیمت انگریزی سکہ میں چھ پنس سے آٹھ پنس تک بیان کی ہے فی پنس دو پیسہ کا شمار کیا جائے تو درہم کی قیمت دو آنے
۵ کے قریب ہو گی دینار کی قیمت پندرہ فرینک یا گیارہ شلنگ سے کچھ زیادہ میور نے سمجھی ہے۔ پونڈ دس روپیہ کا شمار کر کے ہمارے
سکہ میں دینار کی قیمت پانچ روپیہ سے کچھ زیادہ ہوتی ہے علامہ شبلی نے دینار کو ۴ روپیہ کا اور درہم ۴ کا بیان کیا ہے المامون جلد دوم
صفحہ ۱۹ بحاشیہ شاہ کے حساب میں سونے کو چاندی سے ۱۲ ۱/۲ کو ایک کی نسبت تھی مسلمانوں میں ۸ یا ۹ بلکہ ۷ کو ایک کی جو بعد میں ۱۴
۱۴ کو ایک کی نسبت بڑھ گئی صوبہ جات شام اور مغربی جزیرے کا سکہ سونے کا تھا اور ایران اور بابل کا چاندی کا (دیکھو
لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۱۲ حاشیہ) مؤلف +

فوجی خدمت کو نہ انہوں نے پسند کیا اور نہ وہ مجبور کیئے گئے لیکن بعض نے جو فوجی خدمت کو پسند کیا اور مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوئے اُنکے اعلےٰ قدر مراتب وظائف مقرر کیئے گئے معترضین کی آنکھوں کے سامنے تعصب کا اندھیرا معلوم ہوتا ہے ورنہ ایسی صاف بات تھی کہ اعتراض کو گنجائش ہی نہ تھی +

اِس عظیم الشان تجویز کو مستقل طور پر رائج کر دینے کے واسطے دفتر مرتب کرنا پڑا جس کا نام دیوان رکھا گیا۔ اور وظائف کے حساب اور فہرستیں تیار کی گئیں۔ اعلےٰ مراتب کے قبائل اور لوگوں کا حساب رکھنا تو کچھ مشکل نہ تھا مگر لکھوکھا عام اقوام اعراب اور اُن کے قبائل اور کنبوں کی فہرستیں اور حساب رکھنا جو فوجی کام اختیار کرنے کے واسطے ہر روز سیل دریا کی طرح اُمڈے ہوئے چلے آتے تھے بقول سر ولیم میور کے ایک ایسا کام تھا جو انسان کے کر لینے کا نہ تھا۔ مگر قبائل کی ترتیب اور افواج کی باقاعدہ تقسیم اور بندش سے اِس کام میں کسی قدر سہولت پیدا ہو گئی۔ ہر ایک قبیلہ یا شاخ قبیلہ کے لوگ اپنے اپنے جُدا دستوں اور حصوں میں تقسیم ہو کر لڑتے تھے۔ فہرستوں کی ترتیب بھی اِسی کے موافق ہو گئی اور ہر ایک متنفس اپنے اپنے قبیلہ میں درج فہرست ہو کر شمار میں آگیا۔ اِس بات کا بتانا مشکل ہے کہ دیوان کی فہرستوں کے شمار اعداد میں کہاں تک پہنچے ہونگے۔ مگر صرف کوفہ اور بصرہ نو آباد شہروں کی آبادیوں سے جو بقول سر ولیم میور کے ڈیڑھ لاکھ اور دو لاکھ تک پہنچ گئی تھیں[۱] اِس کے شمار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے سر ولیم میور نے ایک سرسری اندازہ کیا ہے کہ حضرت عمر کی وفات سے پہلے تقریباً پانچ لاکھ عرب حدودِ عرب سے باہر ایران۔ مصر۔ شام وغیرہ میں نوکر رہتے[۲] تھے۔ ملک کی اندرونی وظیفہ خوار آبادی کو ملا کر اِس کام کی عظمت اور مشکلات اور اس کے کرنے والے کی ہمت پر قیاس کیا جا سکتا ہے عقیل ابن ابی طالب اور مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم کو ان فہرستوں کے لکھنے کے واسطے منشی مقرر کیا گیا تھا اور عبداللہ بن ارقم تحویلدار بیت المال خزانچی تھا جس کو حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ اگر دوسروں کی مانند تجھ کو سبقت حاصل ہوتی تو میں کسی کو تیرے پر مقدم نہ کرتا +

---

[۱] اینلس اوف دی ارلی خلافت صفحہ ۱۹۶ [۲] اینلس اوف دی ارلی خلافت صفحہ ۲۳۰ +

سر ولیم میور نے دیوان کی کیفیت لکھنے کے بعد اُس پر کئی ریمارک کئے ہیں جن میں سے ایک خیال جو اس عنوان سے کہ حضرت عمر کے اِن اصولوں نے قبائل عرب کے باہمی مخالف کے خیالات کو مٹا دیا لکھا ہے اِس مقام پر درج کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ وہ لکھتا ہے کہ "ایک بڑی قوم کو اپنے فتوحات اور اُن کی آمدنیوں۔ خراج اور غنیمت کو پہلے اخوت کے اصولوں پر مساوی طور پر اُس کے بعد جنگی قابلیتوں اور روحانی امتیازات کے موافق اپنے درمیان تقسیم کرتے دیکھنا ایک ایسا نظارہ ہے جس کا نظیر دُنیا میں موجود نہیں ہے۔ اِس تدبیر کا خیال بجائے خود نہایت عمدہ تھا۔ اس کے سوا کسی اور طریقہ سے قبائل عرب کے باہمی رقیبانہ حسد کے خیالات کو دور کر دینا ممکن ہی نہیں تھا۔ صفوان اور سہیل اور دوسرے شرفائے قریش نے جو فتح مکہ تک آنحضرت صلعم کے ساتھ شریک نہ ہوئے تھے کسی سے کم وظیفہ لینے سے اول انکار کیا اور کہا کہ ہم اپنے سے زیادہ شریف کسی کو نہیں دیکھتے اور کسی سے کم نہیں لینگے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ نہیں میں شرافت نسبی کے لحاظ سے نہیں دیتا ہوں بلکہ اسلام لانے میں سبقت کے لحاظ سے مقرر کرتا ہوں اُنھوں نے جواب دیا کہ "یہ ٹھیک ہے"۔ اور اِس لاجواب دلیل کے سوا کسی دلیل سے اُن کا اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ قبائل کے باہمی حسد کے سوا اور بہت سے خطرناک اسباب تھے مثلاً اقوام اعراب اور اصحاب یعنی اہل مکہ و مدینہ کے درمیان جو رقابت تھی اور دوسرے بنی ہاشم اور بنی امیہ اور دوسرے قبائل قریش میں جو رقیبانہ خیالات تھے اور جس حسد نے کہ رفتہ رفتہ پختہ ہو کر خلافت کے وجود ہی کو خطرے میں ڈال دیا تھا لیکن جس کو کہ عمرؓ کے مضبوط ہاتھوں نے روک دیا اور دبا دیا تھا اس وقت روحانی امتیاز کو معیار حقوق قرار دینے سے دور کر دئیے گئے"۔

اصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اِس درجہ کے باریک بین اور حق شناس انصاف اور واقفیت مدارج حقوق کا تصفیہ کیا تھا کہ اِس پر کوئی حرف نہیں رکھ سکتا تھا اور اگر کوئی ناواقفیت سے اعتراض کرتا تھا تو اُن کے جواب سے اُس کا پورا اطمینان ہو جاتا تھا۔ مثلاً عمر بن سلمہ کو جب ایک ہزار زیادہ دیا تو محمد بن عبد اللہ بن جحش نے کہا کہ

کیا ہمارے باپ اُس کے باپ جیسے نہ تھے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ یہ ایک ہزار اُس کی ماں اُم سلمہ کے لحاظ سے زیادہ دیئے گئے ہیں۔ اگر تیری ماں بھی اُم سلمہ جیسی ہو تو تجھے بھی ایک ہزار زیادہ دے دوں۔ اسی طرح جب طلحہ بن عبداللہ کے بھائی عثمان کے اہل مکہ کے ساتھ آٹھ سو مقرر کئے گئے اور نضر بن انس کے دو ہزار مقرر کئے تو طلحہ نے شکایت کی حضرت عمر نے اُسے بتایا کہ اس کا باپ احد کے دن مجھے میدان جنگ میں ملا تھا اور کہتا تھا۔ کہ اگر رسول اللہ شہید ہو گئے ہیں تو خدا تو زندہ ہے جو نہیں مریگا۔ اور بڑھ کر مقاتلہ کیا اور شہید ہو گیا۔ طلحہ اس جواب کو سُن کر خاموش ہو گیا ؛

آئندہ نئے وظائف ہمیشہ مقرر ہوتے رہتے تھے اور اُن میں اضافہ ہوتا تھا اور بھی بعض دلچسپ روائتیں کتابوں میں مندرج ہیں۔ مثلاً ایک دن حضرت عمر نے لبید بن ربیعہ کو کہا کہ مجھے اپنے اشعار سُنا اُس نے کہا کہ جب سے مجھے خدا نے سورۂ بقر اور سورۂ آل عمران سکھلادی ہے میں نے شعر پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ حضرت عمر جو طرز جاہلیت کی شاعری کے نہایت مخالف رہتے تھے اس سے خوش ہوئے اور اس کا وظیفہ دو ہزار سے اڑھائی ہزار کر دیا۔ گویا وہ بھی فیاضی کرتے تھے اور انعام بخشتے تھے مگر اُن کو جو دین اور مذہب میں پکے اور کوئی قابلِ ستائش امر کرتے تھے اس قسم کے انعاموں سے گویا دوسرے لوگوں میں ایسی عمدہ مثال کی تقلید کرنے کی ترغیب ہوتی تھی ؛

بیت المال میں خمس غنیمت کے سوا زکوٰۃ اور عشر اور جزیہ اور مالگذاری اراضی زراعت کی آمدنی تھی اور علاوہ اس کے ممالک مفتوحہ کی جاگیرات خالصہ کی آمدنی داخل بیت المال ہوتی تھی۔ مصارف میں فوج اور دیوانی اور دوسرے متعدد قسم کے انتظامات اور رفاہ عام اور فلاح خواص و عوام کے کاموں کا خرچ بیت المال سے اول لیا جاتا تھا اور بچت کو تقسیم کر دیا جاتا۔ مسلمان آسودہ اور دولتمند ہو گئے تھے اور شاید سیوطی کے اس قول میں کہ خیرات دینے کے واسطے تلاش کرنے سے کوئی لینے والا نہ ملتا تھا بہت مبالغہ نہ ہو۔ پس پر بھی حضرت عمر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر میں زندہ رہا تو سب سے کم وظیفہ والے شخص کو اول درجہ کے تنخواہ والے سے ملا دونگا۔ تمام آمدنی جس قدر کہ ہوتی تھی اُسی کو نسبت

خرچ ہو جاتی تھی۔ اور حضرت عمرؓ کو اس امر کے دیکھنے سے خوشی اور فخر ہوتا تھا ✤

کل خراج اور آمدنی کا تخمینہ بتانا ہمارے لئے مشکل ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ کے مفتوحہ ممالک میں چند مشہور اضلاع حلوان۔ اہواز۔ فارس۔ کرمان۔ مکران۔ خراسان۔ جرجان۔ تومس۔ رے۔ طبرستان ورویان و نہاوند ہمدان۔ بصرہ و کوفہ کے درمیان اضلاع ماسبدان۔ شہرزور۔ موصل۔ آذربیجان۔ جزیرہ معہ اضلاع فرات۔ قنسرین۔ دمشق۔ اردن۔ فلسطین کا خراج خلیفہ ہارون الرشید کے وقت میں دو ارب اور ساڑھے گروڑ درہم کے قریب تھا[۵۱]۔ اور متاع علاوہ تھا۔ اور مصر یمن اور حجاز سے قریب چھبیس ہزار دینار خراج آتا تھا[۵۲]۔ اس پچھلے تین صوبوں کے خراج میں سے تو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بہت کم آتا ہوگا اور مذکورہ بالا اضلاع اور دوسرے مفتوحہ امصار و دیار سے بھی ایسا باقاعدہ خراج نہیں آتا تھا۔ اگرچہ خلفا عباسیہ کے زمانہ میں بھی آمدنی کی شقیں یہی خراج اور عشر اور جزیہ اور زکوۃ ہی تھیں جو حضرت عمرؓ کے وقت میں معین ہو چکی تھیں۔ مگر تمام ممالک مفتوحہ میں اُس کا رواج نہیں ہوا تھا اور عاملوں کو براہ راست ضروری مصارف نکال کر بچت کو بیت المال میں بھیجنے کا اختیار تھا ✤

فوج کا انتظام درحقیقت سب سے مقدم اور اس عظیم الشان تدبیر دیوان کا اصول تھا عرب کی اصلی جنس اور متاع مسلمانوں کی یہی بے روک دست و بازو تھے جن کے معاوضہ میں دنیا کو حاصل کیا تھا اور آیندہ حاصل کرنے اور حاصل کئے ہوئے کو اپنے قبضہ اور حفاظت میں رکھنے کا جن پر بھروسہ تھا پس سب سے زیادہ اہم اور ضروری انتظام فوج کا انتظام تھا اور در اصل یہی انتظام حضرت عمرؓ کی خلافت کا وہ بے نظیر کارنامہ ہے جس کو دنیا ہمیشہ تعجب اور حیرت کی نگاہ سے دیکھا کریگا ✤

تمام عرب کے وظائف اور تنخواہیں اور روزینہ مقرر کر کے اُن کو ضروریات زندگی کی طرف سے بالکل فارغ البال اور بے فکر کر دیا گیا تھا زراعت اور تجارت کی اُن کو ضرورت تھی اور نہ اجازت تھی۔ اُن کا کام اور ہمیشہ ہتھیار اُٹھانا اور میدان جنگ میں کام کرنا تھا

[۵۱] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام [illegible] خلافت صفحہ ۲۲۹ [۵۲] المامون حصہ دوم صفحہ ۱۳ و ۱۴ [۵۳] المامون حصہ دوم ۱۳ و ۱۴

فوجی خدمت کرنے کے واسطے وہ مجبور تھے۔ کوئی عذر اور حیلہ قابل سماعت نہ تھا۔ دیوان کا وظیفہ خوار در اصل خلافت کی فوج کا سپاہی تھا۔ وظیفہ خوار عورت سپاہی کی بیوی اور سپاہی کی ماں تھی۔ نوزائیدہ بچہ جس روز سے وہ درج فہرست ہوتا تھا وہ عرب کی فوج کا سپاہی ہوتا تھا۔ اس انتظام سے عرب کی فوج کا ایک مستقل اور استمراری انتظام کر دیا گیا۔ صرف اسی زمانہ میں نہیں بلکہ اگر وہ انتظام جیسا جاری رہنے کے واسطے بنایا گیا تھا اور عرب کی اقبالمندی کے زمانہ تک جاری رہا اگر اور ہزاروں برس بھی جاری رہتا تو نئی فوجوں کے بھرتی کرنے اور نئے لشکروں کے برپا کرنے کی کبھی فکر اور ضرورت نہ پیش آتی۔ سر ولیم میور اس پر لکھتے ہیں۔ کہ اسلام کی آمدنی خراج کو اس طرح پر اُس جنگی قوم کا ورثہ بنا دینے سے اُن کی جنگی طبیعت اور جوش کو قائم کر دیا گیا اور خلافت کی فوج کی صورت میں اُن کی خدمت اور ملازمت مستقل اور استمراری ہو گئی۔ اگرچہ اُن کی بیکاری اور آرام کے زمانہ میں سازشوں اور فتنہ کا باعث ہوئیں۔ مگر بایں ہمہ وہ اسلام کی پشت و پناہ اور اُس کی فتوحات اور خلافت کے قیام کا راز تھیں۔ اِس طرح پر وہ جنگی قوم قوموں کے فتح کرنے اور اسلام کو شائع کرنے کے مقدس کام کے واسطے علیحدہ کر دی گئی۔ اور اس وقت بھی جبکہ مذہبی ولولے کسی قدر کم ہو گئے حضرت عمرؓ کی اِس پیش بینی اور تدبیر کی وجہ سے عربوں کے جنگی جوش ایک متحد اور متفق قوم کی صورت میں اُن میں اڑھائی سو برس تک پورے طور پر قائم رہے قوم کی قوم گویا ایک فوج تھی جو ہر وقت حرکت میں رہا کرتی تھی چھاؤنیاں اُن کے گھر تھے نہ کہ شہر۔ اُن کا کام جنگ اور لشکر تھا۔ غرض کہ عرب ایسے مسلح اور متحد قوم ہو گئے تھے جو پشت ہا پشت تک ملک گیری کے لئے ایک لحظہ کے نوٹس دینے پر تیار اور حملہ کرنے کے لئے مستعد ہو جاتے تھے۔

حضرت عمر کا یہی مہتم بالشان اصول تھا جس کی بناء پر وہ اہل عرب کو زراعت کرنے اور اطراف میں آباد ہونے اور گھر بنانے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال اُن کا نیا نہیں تھا بلکہ بہت پرانا تھا حضرت ابوبکر کے زمانہ میں عتبہ اور اقرع سے جو سند زمینداری کی لے کر پھاڑ ڈالی تھی اُس کی وجہ کی تہ میں یہی

خیال تھا گو اُس وقت اُس کا ظاہر کرنا قبل از وقت تھا۔ اپنے زمانہ خلافت میں تو وہ علانیہ طور پر
اِس خیال کے پابند رہے اور کسی کو زراعت اور آبادی کے کام میں مصروف نہ ہونے دیا۔
شام اور عراق میں لوگوں نے نہایت خواہش سے چاہا اور اصرار بھی کیا مگر حضرت عمرؓ نے نہ مانا
مصر میں اور اسی طرح دوسرے ممالک میں تاکیدی حکم بھیجے تھے کہ اہل فوج قطعاً زمینداری
اور کاشت نہ کرنے پائیں۔ اِس حکم کے خلاف ایک شخص نے کاشت کی تو آپ نے اُسے
پکڑ بلایا اور نہایت سخت سزا دینی چاہی۔ لیکن اُس نے قطعی توبہ سے اپنا قصور
معاف کرا لیا۔ جہاں کہیں فوجی چھاونیاں قائم ہوئی تھیں اِسی خیال کی بنا پر وہاں
لوگوں کو پکے گھر بنانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ گھاس پھوس کے کچے گھر بنا کر
رہنے کا حکم تھا۔ اگر کوئی پکا گھر بنا بھی لیتا تو اُس کو گروا دیتے تھے۔ غرض کوئی قول
اور فعل حضرت عمرؓ کا اس کے متعلق ایسا نہ تھا جو اسی اصول اور خیال پر مبنی نہ ہو اور
اسی سے یہ اصول ایسے احکام اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہو گیا کہ صدیوں تک جب تک
عربوں کو اُس کے چھوڑنے پر مجبور نہ کیا گیا اُن سے نہ چھوٹ سکا۔

اِس اصول کے اختیار کرنے سے جس قدر کہ اسلامی اغراض کی کامیابی مقصود
تھی اُسی قدر غیر اقوام کے زمینداروں اور کاشتکاروں اور رعایا کے ساتھ اُن کے
حقوق کی حفاظت سے فیاضی کا برتاؤ مقصود تھا۔ کسی ملک کی رعایا کو برباد کرنے کی
تدبیر اِس سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتی کہ اُن کو اپنے املاک، زمینداری اور حقوق
کاشتکاری سے محروم اور بیدخل کر دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں جو اسلام
نے بے شمار احسانات ممالک مفتوحہ کی رعایا پر کئے اُن سب میں بڑا احسان یہی تھا
غرض اس ایک اصول میں ایسی دو بڑی عظیم الشان مصلحتیں مخفی تھیں۔ اس کی پچھلی
بحث کو آیندہ بیان کرنے کا موقع ملیگا۔

فوج کے انتظام کے متعلق ایک بڑی دانشمندی کا کام جا بجا چھاونیوں مقرر کرنے
کا تھا۔ اور یہ چھاونیاں ایسی ضروری اور موقع کی جگہ پر بنائی گئیں کہ اُن کے مقرر کرنے کا
مقصد جن سے بخوبی حاصل ہو سکتا تھا۔ مصر۔ عراق۔ ایران وغیرہ صوبوں میں

آٹھ مرکز اِس قسم کے قائم کئے گئے اور ہر ایک میں بہت کی فوج ضرورت کے وقت کام کرنے کے واسطے رکھی رہتی تھی۔ چار ہزار سوار ہر چھاؤنی میں رہتے تھے[1] اسی طرح پر چارہ اور غلہ اور سامان کا انتظام کیا گیا اور اِس انتظام کا خرچ صوبہ کے خراج پر پہلا خرچ ہوتا تھا[2]۔

گھوڑوں اور اونٹوں کا ایک بڑا ذخیرہ نہایت کوشش سے جمع رکھتے تھے جو شخص خود اپنے واسطے انتظام نہ کر سکتا اُس کو گھوڑا دیتے اور عہد لیتے کہ دانستہ گم نہ کریگا اور کمی خوراک سے ضائع نہ کریگا۔ لیکن اگر لڑائی میں مارا جائے تو وہ ذمہ وار نہیں ہوتا۔ اور سال بھر میں چالیس ہزار اونٹ سواری کے لئے دے دیتے تھے[3]۔

کوفہ اور بصرہ اور قاہرہ بھی درحقیقت چھاؤنیاں تھیں اور اِسی غرض سے مقرر ہوئی تھیں۔ مدائن کی آب و ہوا کے خراب ہونے کے سبب سے سپاہیوں کی صحت میں فرق آنے لگا تھا۔ ایک دفعہ جب ایک جماعت اہل لشکر کی حضرت عمر کے سامنے گئی تو اُنہوں نے اُن کے چہروں پر زردی اور زکردی دیکھ کر حیران ہو کر اِس کا سبب پوچھا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ مدائن شہر اور اُس کی آب و ہوا عرب کی طبائع کے موافق نہیں ہے حضرت عمرؓ نے یہ سنکر کسی ایسے صحت بخش اور موافق آب و ہوا والے مقام کے تلاش کرنے کا حکم دیا کہ ریگستان کی آب و ہوا وہاں سے گذرتی ہو اور قریب ہو اور عمدہ اور صاف پانی کے نزدیک ہو اور مدینہ اور اس مقام کے درمیان کوئی دریا یا ایسی چیز حائل نہ ہو جو مدد کے فوراً وہاں پہنچنے کو روکتی ہو۔ سعد بن ابی وقاص نے کنار ریگستان پر ہر ایک طرف تلاش و تجسس کی۔ اور کوفہ کے میدان سے بڑھ کر بہتر کوئی مقام اُن اوصاف سے متصف نہ پایا جو حیرا کے قریب اور دریا فرات کی مغربی شاخ پر واقع تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اِس انتخاب کو پسند کیا اور لوگوں کو وہاں چلے جانے یا مدائن میں رہنے کا اختیار اور اجازت دی۔ لوگ گروہ کے گروہ وہاں جانے لگے۔ اور گھاس پھوس اور نرسل مٹی گارے سے مکان بنا لینے کی اجازت دی۔ سنہ ۱۷ ہجری کا سال تھا وہ اِس بات کے نہایت مخالف تھے کہ

---

[1] انلس آف خلافت صفحہ ۲۴۴۔ [2] انلس آف ارلی خلافت صفحہ ۲۳۱ [3] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا جلد دو باب سیاست فاروق اعظم۔

مستقل رہائش کے واسطے وہاں پختہ اور دیرپا مکان بنائے جائیں لیکن جب کئی دفعہ
آتش زدگی کی وارداتیں ہوئیں اور مکان جل اُٹھے تو آخر حضرت عمرؓ نے اینٹ سے پختہ
مکانات بنانے کی اجازت دیدی اور لکھا کہ یہ عارضی لشکرگاہ صرف مجاہدین کی رہائش گاہ
ہے لیکن اگر تم وہاں زیادہ مستقل رہائش اختیار کرنا چاہتے ہو تو خیر اجازت ہے مگر
کوئی شخص تین سے زیادہ مکان نہ بنائے اور نہ رسول اللہ صلعم کے گھر سے زیادہ
شان اور آراستگی رکھے"۔ اِس حکم پر شہر از سر نو بنایا گیا اور بازاروں کو سیدھا کر کے باقاعدہ
بنایا گیا۔ مرکز میں ایک بڑا چوک جامع مسجد کے واسطے رکھا گیا جہاں آخر ایک نہایت عظیم الشان
مسجد بنائی گئی۔ تجارت کی منڈی کے واسطے ایک اَور چوک صاف رکھا گیا اور ہر ایک
شخص کو اُس کی ضرورت کے موافق زمین دی گئی +

منڈی کے قریب سعدؓ نے ایک عالیشان مکان اپنے رہنے کے واسطے بنوایا۔ حضرت
عمرؓ نے جب سُنا کہ سعدؓ نے ایک قلعہ نما مکان بڑے دروازہ والا بنوایا ہے تو ناراض ہوئے
اور محمد بن مسلمہ کو اُس کے دروازے کے توڑ دینے کا حکم دے کر بھیجا اور سعدؓ کو لکھا کہ
"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے اپنے لئے ایک محل بنوایا ہے جو تیرا قلعہ کہلاتا ہے اور اپنے
اور لوگوں کے درمیان ایک بڑا دروازہ بنایا ہے۔ یہ تیرا قلعہ نہیں ہے بلکہ دوزخ کا
قلعہ ہے۔ تجھے خزانہ کی حفاظت کے واسطے ایک محفوظ مکان درکار ہے۔ مگر اپنے رہنے
کے واسطے ایسا مکان ضروری نہیں ہے جو تیرے اور خلق اللہ کے درمیان آمد و رفت
کو روکتا ہو اور تجھ کو اُسے گرا دینا چاہئے" +

بصرہ خلیج فارس سے اوپر دریا کے کنارے پر واقع ہے اِس نواح میں بھی حضرت عمرؓ
اِس علاقہ کے فتح ہونے کے بعد فتوحات کی حفاظت اور انتظام اور کسی مخالفانہ حملہ کی
مدافعت کے واسطے ایک فوجی مقام قائم کرنا چاہتے تھے۔ پہلے تو اُبلہ کے کھنڈروں پر
مسلمانوں کے کچھ گھر بن گئے۔ اور وہیں رہنے لگے مگر سمندر کے قرب کے سبب سے آب و ہوا
موافق نہ تھی۔ کئی دفعہ رد و بدل ہو کر آخر بصرہ کا پُر فضا مقام پسند کیا گیا۔ اور عتبہ
بن غزوان نے قریباً اُسی زمانہ میں جب کوفہ بنا ہوا تھا اجازت لے کر اسی وضع پر کچے

پکے گھر بنائے۔ دونوں شہروں کو معافیات اور اراضیات وقف دی گئیں۔ مگر چونکہ کوفہ کی آمدنی زیادہ تھی وہ رونق اور آبادی میں بصرہ سے بڑھتا رہا +

ایک دوسرے مؤرخ کوفہ اور بصرہ کی آبادی اور رونق کی کیفیت کو اِس طرح لکھتے ہیں کہ کوفہ اسلام کی وسعت اور تمدن کا گویا دیباچہ تھا۔ اہل عرب کی روزافزوں ترقی کے لئے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی۔ اِس ضرورت سے حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص کو جو اُس وقت حکومت کسرے کا خاتمہ کر کے مدائن میں اقامت گزین تھے خط لکھا۔ کہ مسلمانوں کے لئے ایک شہر بساؤ جو اُن کا دارالہجرت اور قرار گاہ ہو۔ سعد نے کوفہ کی زمین پسند کی سنہ ۱۷ھ میں اُس کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا اور معمولی سادہ وضع کی عمارتیں تیار ہوئیں اُسی وقت عرب کے قبائل ہر طرف سے آکر آباد ہونے شروع ہوئے یہانتک کہ تھوڑے دنوں میں وہ عرب کا ایک خط بن گیا۔ حضرت عمر نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیوں کے لئے جو وہاں جاکر آباد ہوئے تھے روزینہ مقرر کر دیئے چند روز میں جمعیت کے اعتبار سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ جناب فاروق کوفہ کو "رمح اللہ" "کنز الایمان" "جمجمۃ العرب" فرمایا کرتے تھے اور خط لکھتے تو اِس عنوان سے لکھتے تھے "الٰی راس الاسلام۔ الٰی راس العرب"۔ حضرت علیؓ نے اِس شہر کو دارالخلافت قرار دیا صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص جن میں چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلعم کے ہمرکاب رہے تھے وہاں گئے اور بہتوں نے سکونت اختیار کر لی اِن بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کا درس گاہ بن گیا تھا +

بصرہ بھی اُسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا اور وسعت علم و اشاعت حدیث کے اعتبار سے کوفہ کا ہمسر تھا۔ یہ دونوں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرح علوم اسلامی کے دار العلم خیال کئے جاتے تھے سفیان بن عینیہ جو ائمہ حدیث شمار کئے جاتے ہیں اکثر فرماتے تھے۔ کہ مناسک کے لئے مکہ۔ قرأت کے لئے مدینہ۔ اور حرام و حلال یعنی فقہ

ف علامہ شبلی کی کتاب سیرۃ النعمان صفحہ ۳۳ +

کے واسطے کوفہ ہے ✦

کوفہ اور بصرہ کی رونق اور آبادی کی ترقی درحقیقت تعجب انگیز تھی تھوڑے ہی دنوں میں آبادی کی نوبت لاکھوں تک پہنچ گئی - اور اِن نو آباد شہروں میں سلطنت کے وعویداروں کی قسمتوں کے فیصلہ ہونے لگے ✦

سر ولیم میور نے جو ریمارک کوفہ اور بصرہ پر کیا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہو گا کہ کوفہ اور بصرہ کو جو اپنی بنا میں ایسے عدیم المثال تھے خلافت اور خود اسلام کی قسمتوں پر حیرت انگیز اثر حاصل تھا - آبادی کا بڑا حصہ جزیرہ نما سے آیا اور خالص عرب کی نسلوں سے جو قبائل مع اپنے کنبوں کے ایران کے شکار کے واسطے عراق عرب کی طرف سیلاب دریا کی طرح اُمڈے چلے آتے تھے وہ خصوصًا اِن دونو شہروں میں آباد ہوتے تھے - کوفہ میں یمن اور جنوب کے قبائل زیادہ تر آباد ہوتے تھے اور بصرہ میں شمال کے - بہت جلد یہ بہت بڑے اور پر رونق شہر ہو گئے جن میں سے ہر ایک میں دو لاکھ اور ڈیڑھ لاکھ نفوس سے کم نہ ہونگے۱ - اسلام کے ادب - مذہب اور ملکی معاملات پر باقی تمام اسلامی دُنیا کا اثر نہ تھا جتنا کہ اِن دو شہروں کا تھا - جنگی خدمت گاہ بہ گاہ کرنی پڑتی تھی اور باقی وقت بیکاری میں گذرتا تھا - جس کو وہ امور تہ بیر کے جوڑ توڑ کے مشوروں میں گذارتے تھے اور وقت کے معاملات پر بحث کرتے وقت وہ گذشتہ ایام کی طرف جا نکلنا بہت پسند کرتے تھے اور لڑی ہوئی لڑائیوں کو پھر پھر لڑتے تھے جس سے روایت کا سلسلہ اور اختلاف پیدا ہوا ہے - لیکن یہ مباحثے بعض اوقات قبائل کی باہمی رقابت اور خانگی بدنامیوں تک پہنچ جاتے تھے - رفتہ رفتہ لوگ فتنہ انگیز اور فسادی ہو گئے اور یہ دونو شہر مفسدہ اور ہنگامہ کی جگہ ہو گئے ✦

یہ فتنے جو حضرت عمر کے دانشمند اور مضبوط ہاتھوں نے روکے اور دبائے ہوئے تھے

---

۱ یہ آبادی کا شمار مورخ مذکور نے بلاذری کے قول سے اخذ کیا ہے جو اُس نے ۵۰ ہجری میں زیادہ کے وقت میں کوفہ میں اسی ہزار سپاہی اور ایک لاکھ بیس ہزار کنبوں اور بصرہ میں ساٹھ ہزار سپاہی اور اسی ہزار کنبوں کے موجود ہونے کی لکھی ہے کیونکہ ظاہر ہے [illegible] یہ ہے کہ تمام غیر اقوام وغیرہ کی آبادی مِل کر ہر ایک شہر میں تین لاکھ سے کم نہ ہوگی ✦

کمزور خلفا کے وقت میں پراگندہ ہو گئے اور اسلام کے اتفاق اور یکجہتی کو چیر ڈالا اور تکلیف اور مصیبت کے وقت لے آئے۔

شہر کو بھی اسی طرح بنا کر آباد ہوا ہے۔ مصر کو فتح کر کے عمرو بن العاص سکندریہ کو اپنا صدر مقام قرار دینا چاہتا تھا مگر حضرت عمرؓ نے لشکر سے اتنی دور اور ایسے مقام پر رہنا جس کے راستہ میں دریا کی کئی شاخیں حائل ہوں ناپسند کیا۔ اسی لئے وہ شمالی مصر کو واپس آ گیا۔ عربوں کی ایک جماعت دریائے نیل عبور کر کے مغربی جانب مقام غزیہ پر جا رہی حضرت عمرؓ نے اس شرط پر وہاں رہنے کی اجازت دی کہ ایک مضبوط قلعہ فوج کی حفاظت کے واسطے بنا لیا جائے۔ فوج کا صدر مقام ممفس کے قریب مقرر کیا گیا جہاں فسطاط (فستات) کے نام سے جس کے معنی لشکر گاہ کے ہیں ایک چھاونی قائم ہو گئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ عظیم الشان شہر پیدا ہو گیا جو قاہرہ کے نام سے مصر کا دار السلطنت ہے عمرو بن العاص نے وہاں ایک عظیم الشان مسجد کی بنا رکھی جو اب تک اُن کے نام سے مشہور ہے۔

غرض حضرت عمرؓ کے فوج اور ملک کے پُر حکمت اور شائستہ انتظام سے جو عجائبات پیدا ہوئے اُن میں سے کوفہ اور بصرہ اور قاہرہ بھی تھا۔

حضرت عمرؓ کا ایک مستقل اور مستحکم انتظامی اصول عموماً اور فوج کی نسبت خصوصاً عرب کی سادہ طرز معاشرت اور سادگی عادات قائم رکھنے کا تھا۔ جیسے کہ وہ عربوں کے ممالک غیر میں آباد ہونے یا جاگیر پیدا کرنے کے مخالف تھے ویسے ہی وہ اُن کے اپنی سادگی اور سادہ طرز معاشرت چھوڑ کے دوسرے ممالک کی عادات اختیار کرنے کے عیش و عشرت میں پڑ جانے کے خوف سے سخت مخالف تھے۔

فوج کے انتظام کے بعد صیغۂ مال۔ دیوانی خراج محاصل اور محصولات وغیرہ کا انتظام تھا۔ کوئی شخص دنیا میں اس حیرتناک امر کو تعجب کے بغیر نہ سنیگا کہ حضرت عمرؓ کی دس سالہ خلافت کے زمانہ میں جو ممالک اور صوبہ فتح ہو گئے تھے اُن کا مجموعی رقبہ ہمارے وسیع ملک ہندوستان کے رقبہ کے قریب قریب ہوگا۔ اور اگر عرب کا رقبہ بھی اس میں شامل کر لیا جائے تو روس کو خارج کر کے باقی تمام یورپ کے رقبہ سے زیادہ ہوگا اتنی بڑی سلطنت کا بہ اس قدر

جلد فتح ہوئی انتظام کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا اور ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت عمرؓ کما حقہ انتظام کر لینے میں کامیاب ہوئے۔ بلکہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جو اصول نظم ونسق کے انہوں نے اختیار کئے تھے اُس سے بہتر اور شائستہ اصول ہو سکتے تھے یا نہیں۔ حضرت عمرؓ کا اپنے کام پر اختیار تھا۔ مگر وقت پر اختیار نہیں تھا اُن کو صرف بُنیاد کے قائم کرنے کی مہلت ملی جس پر کہ اسلامی سلطنتوں کی عظیم الشان عمارتیں بنائی گئیں۔ اگر اُن میں کوئی نقص تھا تو وہ اُس بُنیاد سے تجاوز کرنے کا تھا+

فتوحات کے عقب میں ممالک مفتوحہ کا سہل یعنی دیوانی انتظام تھا۔ اِس قسم کے انتظام کے واسطے تقسیم ممالک کی ضرورت تھی مگر کوئی نئی تقسیم زیادہ تر نہیں کی گئی۔ اُنہیں اضلاع اور صوبہ جات میں جن میں کہ وہ پہلے تقسیم تھے اُن کو منقسم رہنے دیا اور ہر ایک شہر میں جو صوبہ یا ضلع کا صدر مقام تھا عمال مقرر کر کے بھیجے۔ یہ عمال عموماً چار قسم کے تھے۔ ایک امیر جس کے تعلق انتظام کل امور ریاست اور فوج کا انتظام تھا۔ دوسرا قاضی جو انفصال مقدمات اور عدالت کا کام کرتا تھا۔ تیسرا تحویلدار جس کی سپردگی میں خزانہ رہتا تھا۔ چوتھے وہ علما جو مذہب کی تلقین اور وعظ کی غرض سے بھیجے جاتے تھے۔ اُن کے اپنے اپنے کام علیحدہ علیحدہ تھے۔ اور ہر ایک اپنے کام کے واسطے جوابدہ تھا اِس طرح پر عہدوں اور اختیارات کو تقسیم کیا اور بڑی دانشمندی کا کام عام انتظامی اور مالی اختیارات اور عدالت کا جُدا کر دینا تھا جس کی ضرورت پر اِس شائستگی کے زمانہ میں بھی معقول بحثیں پیش کی جاتی ہیں+

ملک کا باقاعدہ بندوبست شروع کیا۔ عثمان بن ضیف اور حذیفہ بن یمان کو پیمائش کرنے کے کام پر مقرر کیا۔ سواد کے کُل اضلاع کی پیمائش تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہوئی اسی طرح پر عراق وشام تک اِس سلسلہ کو وسعت دی۔ اور ایک باقاعدہ اصول اور شرح کے موافق خراج اور مالگزاری مقرر ہوئی۔ یہ شرحیں حیثیت اراضی کے موافق مختلف تھیں[1] مگر عام شرحیں لگان کی حسب ذیل تھیں:۔

[1] ازالۃ الخفا باب سیاست فاروق اعظم ۱۰+

نخلستان فی جریب یعنی پون بیگھہ پختہ ۱۰ درم (بعض روایات میں پانچ درم)
انگور " " ۱۰ درم
نیشکر " " ۶ درم
گیہوں " " ایک درم ایک صاع غلہ (پونے چار سیر)
جو " " ایک درم وصاع غلہ
روئی " " ۵ درم

مصر کا خراج فی جریب ایک دینار مقرر ہوا۔ اور عمرو بن العاص نے جو مصر کے امیر تھے یہ عہد لکھ دیا کہ اس شرح سے کبھی زاید نہ لیا جاویگا۔ اس لحاظ سے مصر کا بندوبست استمراری سمجھنا چاہئے۔ ان شرحوں میں بھی اکثر کمی اور تبدیلی ہوتی رہتی تھی[1] گبن یورپ کا مورخ اعظم اس مقام کے ذکر میں لکھتا ہے۔ کہ "ایران کا انتظام آدمیوں مویشیوں اور زمینوں کی پیداوار اور پھلوں کے عملی حساب اور پیمایش پر رکھا گیا خلافت کا یہ قابل یادگار کام جس سے خلیفوں کی ہوشیاری اور خبرداری معلوم ہوتی ہے ایسا تھا کہ ہر زمانہ کے حکیم اور فلاسفر اُس سے سبق اور ہدایت حاصل کر سکتے تھے[2]"

مال تجارت پر محصول مقرر کیا گیا۔ یہ محصول مسلمانوں سے زکوٰۃ کی مختلف شرحوں سے لیا جاتا تھا۔ ذمیوں سے پانچ روپیہ فیصدی کے حساب سے اور حربیوں سے دس روپیہ فی صدی کی شرح سے لیکن زکوٰۃ کی طرح یہ محصول سالانہ ہوتا تھا۔ اور سال میں اسی مال پر پھر محصول نہیں لیا جاتا تھا اگر غلطی سے لیا جائے تو واپس کردیا جاتا تھا۔ ان محصولوں کے وصول کرنے کے واسطے ایک جدا عملہ مقرر تھا جن میں بصرہ کی سمندر کی پیداوار کا محصول وصول کرنے والے عمال بھی شامل ہیں۔

جزیہ صلح اور ذمہ واری حفاظت کا ٹیکس تھا۔ اُس کی مختلف شرحیں تھیں مگر چار درہم ماہوار سے زیادہ نہیں لیا جاتا تھا۔ عام شرحیں ایک درہم اور دو درہم ماہانہ تھے لیکن بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والوں اور عورتوں اور مفلوج معطل العضو

[1] المامون حصۂ دوم صفحہ ۱۹ [2] ہسٹری اوف سراسینس مؤلفہ گبن وادو کی صفحہ ۶۴

نابینا۔ مجنون۔ مفلس یعنی جن کے پاس دو سو درہم سے کم عموماً سب کو معاف تھا +

سر ولیم میور نے پراونشل اور سول اڈمنسٹریشن کو نہایت اختصار سے اِن الفاظ میں
بیان کر دیا ہے "فتوحات کے پیچھے سول (دیوانی) انتظام لیا گیا۔ عراق عرب میں نہروں
کو جال کی طرح پھیلا دینے کا کام ہاتھ میں لیا گیا۔ دجلہ اور فرات کے بند اور پشتے جو زمانہ
دراز سے فراموش ہو گئے تھے اُن کا انتظام دو جُدا جُدا خاص افسروں کے سپرد کیا گیا
شام اور عراق کی ایک ایک کھیت کی پیمائش کی گئی۔ اور ریاست اور رعایا کی دونو قسم
کی اراضی پر ایک متعین اور یکساں قاعدہ کے موافق لگان مقرر کیا گیا۔ عراق میں
دہقانوں یا بڑے جاگیرداروں کی نیابت سے جیسا کہ ساسانیوں کے وقت میں
دستور تھا پولیس اور خراج کے انتظام میں مدد لی گئی[1] +

غرض ملک کی آبادی سرسبزی اور امن و آسایش کو ترقی دینے کے واسطے کوئی دقیقہ فروگذاشت
نہیں کیا گیا"۔ جو لوگ اپنی زمینوں اور املاک کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اُن کے واپس
بلانے کے واسطے حکم بھیجا۔ اور ایک خفیف اور معتدل خراج مقرر کر کے اُن کو اپنی زمینوں
اور املاک میں ذمیوں کے نام سے نہایت پختگی سے آباد کر دیا[2] +

اہل عرب کی درخواستیں شام اور عراق کی زمینیں ضبط کر کے اُن کو دی جانے کی
نامنظور کیں[3]"۔ اُن کی ناراضی بھی گوارا کر لی مگر صحرائے شام کے کناروں سے لے کر
ایران کے سلسلہ کوہ تک کسی ایک ٹکڑہ اراضی وغیرہ کی فروخت منع کر دی گئی اسی طرح
اصلی مزارعین اور رعایا کے واسطے دوگونہ حفاظت کا انتظام ہو گیا جو کسی صورت
میں بھی اپنی زمینوں اور املاک سے خارج نہیں کئے جاتے تھے۔ پس ملک اپنے اصلی
کاشتکاروں کے ہاتھ میں رہ کر اور پرورش پا کر سرسبز اور زرخیز اور مستقل خراج کا ذریعہ ہو گیا[4] +

آبپاشی کے کام کو اعلےٰ شائستگی کی دانشمندی سے نہایت سرگرمی سے ترقی
دی گئی جو ترقی زراعت کا اصول اور جڑ تھی +

---

[1] انسلز اوف خلافت صفحہ ۲۳۰ - [2] انسلز اوف خلافت صفحہ ۱۹۴ - [3] انسلز اوف دی خلافت صفحہ ۱۹۵

[4] انسلز اوف خلافت صفحہ ۱۹۵ +

فتوحات کی وسعت اور فوج کشی کو کئی دفعہ روک کر امن و آبادی اور زراعت کے کام میں مصروف ہونے کا حکم دیا۔ ہرمزان کو جب ایک دفعہ شکست دے کر سردار لشکر عرب نے اُس کا تعاقب کرنے اور اس کے ملک پر قبضہ کر لینے کی اجازت چاہی تو حضرت عمرؓ نے اجازت نہ دی۔ اور حکم دیا کہ آبپاشی کے وسائل اور کام کی درستی اور ترقی خوزستان کی قابل زراعت زمینوں کی آبادی اور زراعت کرانے میں مصروف ہوئے۔ تمام علاقہ میں نہروں کو جال کی طرح پھیلا دیا۔ اور حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ غنیمت سے خراج اچھا ہے یعنی فتوحات توجہ کرنے سے زیادہ ضروری زراعت اور آبادی میں مصروف ہونا ہے۔

تجارت کی ترقی کے واسطے بھی ایسے ہی آزادانہ اور شائستہ اصول اختیار کئے گئے۔ غیر ممالک کے باشندوں یعنی اہل حرب یا حربیوں کو اپنے ممالک مفتوحہ میں آنے اور آزادی سے تجارت کرنے کی اجازت دی اور اُن کی حفاظت کے خود ذمہ وار ہوئے مثلاً اہل منبج نے اسی غرض سے درخواست بھیجی تو اُس کو منظور کر کے اجازت دے دی۔

پولیس اور ڈاکخانہ وغیرہ کی ضروریات کا مناسب انتظام کیا گیا۔ سر ولیم میور خالصہ جاگیرات کو بیت المال میں شامل کرنے کی وجہ میں لکھتے ہیں کہ نہروں کے اُس عظیم سلسلہ کی ضروریات اور ڈاکخانہ اور دوسری قسم کی خدمات کا خرچ آمدنی خراج پر تھا۔

رفاہ عام کے کام بھی نہایت شائستہ اصولوں پر اختیار کئے گئے۔ کعبہ کے احاطہ کی وسعت زیادہ کر دی۔ اور حرم کے نشانوں کی تجدید کی اور بڑے چوک کی تعمیر کی ابتدا کی گئی جو تمام اقوام کی عبادتگاہ ہونے کے لائق ہو۔ جو مکانات احاطہ کعبہ کے بہت قریب تھے اور ساتھ مل گئے تھے اُن کو معاوضہ دے کر اٹھوا دیا گیا۔ مکہ سے لے کر مدینہ تک سڑک پر سایہ اور پناہ کا انتظام کرایا گیا اور حاجیوں اور

---

۱ انلس آف دی خلافت صفحہ ۱۷۱ ۲ انلس آف دی خلافت صفحہ ۱۳۰ ۳ انلس آف دی خلافت صفحہ [illegible]

۴ ازالۃ الخفا باب سیاست ۵ انلس آف دی خلافت صفحہ ۲۳۰ ۶ انلس آف دی خلافت صفحہ ۱۹۰ ۷ ازالۃ الخفا انلس آف دی خلافت صفحہ [illegible] ۸ انلس آف دی خلافت صفحہ ۱۶۳ ۹ انلس آف دی خلافت صفحہ ۲۶۳

مسافروں کے ٹھیرنے کے واسطے مکانات تعمیر کرائے گئے[1] - جہاں جہاں کوئیں موجود تھے اور
بھر گئے تھے یا بند ہو گئے تھے اُن کو صاف کرایا گیا اور جہاں پانی نہ تھا وہاں کنوئیں کھدوائے
گئے اور تمام کنوئیں اور چشمہ قریب کے قبائل کی ذمہ داری میں سپرد کر دیئے گئے[2]
مسجد نبوی کو زیادہ فراخ کر دیا گیا - اور اُس میں فرش بچھانے کا انتظام کیا سڑکیں
اور راستہ نکالے گئے اور آمد و رفت کے وسائل کو ترقی دی گئی - نئے شہر اور مکانات تعمیر
اور آباد کرائے گئے نہریں کھدوائی گئیں دریاؤں پر پل بنائی گئیں مسجدیں تعمیر کرائی گئیں - ایک ہزار
چھتیس شہروں میں جو بقول ایک مورخ کے اپنے توابع اور ملحقات کے فتح ہوئے
چار ہزار مسجدیں تعمیر کرائی گئیں - اور نو سو منبر جامع مسجدوں کے محرابوں میں رکھوائے
گئے[3]

ایک بڑا عظیم الشان کام حضرت عمر کے زمانہ کا بحر احمر اور دریائے نیل کے پانیوں کو ایک
بہت بڑی نہر سے ملا دینے کا تھا - جس سے مصر اور عرب کی باہمی تجارت میں بہت بڑی
ترقی ہو گئی - انگریزی مورخ اس کی کیفیت اس طرح پر بیان کرتا ہے - "ایک قابل یادگار
کام جو عمر بن العاص نے سکندریہ سے فسطاط کو واپس آکر شروع کیا اُس سے مصر سے
عرب کو غلہ بھیجے جانے کے وسائل نہایت سہل ہو گئے - قدیم زمانہ میں جو شمالی مصر میں
دریائے نیل اور بحر احمر کے درمیان سویز پر آمد و رفت کا ذریعہ تھا اُس کی تجدید کر دی گئی -
یہ بڑی نہر دریا کی سب سے مشرقی شاخ سے بلبیس کے قریب سے شروع ہو کر وادی تملات سے
گذر کر اور تمسیہ کے قریب کھاری جھیلوں میں سے ہوتی ہوئی نہر سویز کے نچلے حصّہ کے
پاس بحر احمر سے جا ملی قدیم اور جدید نہر کے مفصل حالات معلوم نہیں ہوئے مگر اس میں
شبہ نہیں کہ حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں قاہرہ سے عرب کے کناروں تک جہاز آتے
تھے - اور دونوں ملکوں کے درمیان باقاعدہ آمد و برآمد قائم ہو گئی تھی خود خلیفہ نے مدینہ
کے بندر ینبوع پر جاکر اپنی آنکھوں سے جہازوں کو وہ اسباب اُتارتے ہوئے دیکھا جو مصر سے

[1] ازالۃ الخفا باب سیاست و انلس آف دی خلافت صفحہ ۲۶۳ [2] ازالۃ الخفا باب سیاست [3] انلس آف دی خلافت صفحہ ۲۶۳ + [4] ازالۃ الخفا بسند روضۃ الاحباب +

میناروں کے سایہ کے تلے اُن پر لادے گئے تھے۔ یہ نہر اسّی برس تک جاری رہی اور پھر ریت اور مٹی سے بھر جانے سے چھوٹ گئی ؎ +

شمار تاریخ اور سنین کے واسطے حضرت عمرؓ نے اسلامی سنہ ہجرت سے مقرر کیا جو سنہ ہجری کے نام سے اسلام کے ساتھ باقی رہے گا +

اِس سے پہلے سالوں کا شمار مختلف طریقوں سے ہوتا تھا اُس میں باقاعدگی اور صحت پیدا کرنے کے واسطے سنہ ہجری مقرر کیا۔ ہجرت اگرچہ چوتھی ماہ ربیع الاول کو ہوئی تھی لیکن حضرت عمرؓ نے محرم کی پہلی تاریخ سے سال کا حساب شروع کیا جو اب تک بدستور رائج ہے +

غرض حضرت عمرؓ نے سلطنت اور خلافت کی بنا ایسے شائستہ اصولوں پر رکھی اور ایسے شائستہ اصول اختیار کئے کہ کوئی مہذب سے مہذب گورنمنٹ بھی اُس سے بہتر اصول رکھنے کا فخر نہیں کر سکتی۔ قوانین کا بنانا۔ فوج کا انتظام۔ پولیس۔ اشاعت مذہب کی تدبیریں۔ ڈاکخانہ۔ باقاعدہ مالگذاری۔ انتظام ملک کے محکمہ اور انصاف کی عدالتیں۔ رعایا کی خبرگیری ارضی و سماوی آفات۔ قحط و وبا کا انتظام یہی چیزیں ہیں جن پر ایک مہذب سلطنت کی بنا ہے قانون اور عدالت کا ذکر ہم آئندہ کرینگے لیکن اس بات کے ختم کرنے سے پہلے ہم ان ناگہانی آفتوں قحط اور وبا کے انتظام کا ذکر کرینگے جس کے مقابلہ کرنے کے واسطے کسی سلطنت کی تاریخ میں اس سے بہتر نظیر نہیں پائی جاتی +

حضرت عمرؓ کی خلافت کا پانچواں سال قحط اور وبا کی دوگونہ آفات کے وبال سے تاریک ہو گیا۔ اس سال کو سال رمادہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے غالباً اِس وجہ سے کہ حجاز کی گرم اور خشک ہوا نے تپی ہوئی اور جلی ہوئی زمین کی مٹی اور خاک کو اُڑا کر آسمان کو گرد و غبار سے آلودہ کر دیا تھا۔ جزیرہ نما کے شمالی نصف میں قحط اور خشکی اِس شدت سے نمودار ہوئی کہ قدرتی روئیدگی کی سبزی اِس طرح جل کر راکھ ہو گئی جیسے اُس کے اوپر آگ جلا ہی جاتی ہے۔ ریگستان کے وحشی اور جنگلی جانوروں کو بھوک اور ضرورت نے ایسا مجبور اور مانوس کر دیا تھا کہ بیدھڑک انسان کے پاس چارہ تلاش کرنے دوڑے آتے تھے۔ گلے اور ریوڑ جانوروں کے بھوک سے مر گئے یا ایسے دبلے ہو گئے کہ پوست و استخوان کے سوا اُن میں کچھ نہ رہا جو انسان کی غذا کے کام آتا۔ بازار خالی

ؔ؎ آلس آف بدی خلافت صفحہ ۲۰

مصیبت سے نجات مل گئی تھی اس سال اور سبزی بہت جلد اگ آئی۔ اور قبائل اعراب اپنے اپنے گھروں کی طرف رخصت کر دئیے گئے۔ اس مصیبت سے ایک یہ فائدہ حاصل ہو گیا کہ ممالک شمالی اور عرب کے درمیان مستقل آمد و رفت اور تجارت کھل گئی اور حجاز کے بازاروں میں زمانہ دراز تک شام اور مصر کا غلہ فروخت ہوتا رہا[۱]۔

حضرت عمرؓ جس مصیبت اور تشویش و تردد سے یہ دن کاٹتے وہ خلق اللہ کی ہمدردی خبر گیری اور غمخواری کی ایک بےنظیر مثال ہے۔ انہوں نے عہد کر لیا تھا کہ جبتک مخلوق خدا کو آسائش اور کشائش نہ حاصل ہوگی گوشت اور گھی اور دودھ نہ استعمال کرونگا[۲]۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ ایک دفعہ اُن کے غلام نے نہایت گراں قیمت کو گھی اور دودھ خریدا حضرت عمرؓ نے اُس کو محتاجوں میں تقسیم کرنے کے واسطے بھیجدیا۔ اور کہا کہ میں کوئی چیز جو مہنگی آویگی استعمال نہ کرونگا۔ کیونکہ پھر مجھے مسلمانوں کی تکلیف اور مصیبت کی خبر نہ رہیگی[۳]۔ زیتون کے ساتھ روٹی کھاتے تھے۔ ایک دن جب ان کا کھانا سامنے آیا تو ایک اونٹ کے گوشت میں سے جو اُس روز ذبح کیا گیا تھا اچھا گوشت چھانٹ کر ان کے واسطے پکا کر ایک پیالہ میں لایا گیا مگر انہوں نے اُس کے کھانے سے انکار کیا اور کھانا منگوایا اور اس گوشت کو اپنے یرفا غلام کو کہا کہ فلاں گھر میں جو تمنع میں ہے جا کر دے آئے ہیں وہاں نہیں گیا۔ اور وہ بھوکے ہونگے[۴]۔

اپنے بیٹے پر ایک دن کھیرا کھانے پر ناراض ہوئے اور گھوڑے کی سواری تک ترک کردی۔ قبائل اعراب کے اکٹھا ہو جانے سے ایک مدینہ کے کئی مدینہ بن گئے۔ حضرت عمرؓ کا معمول ہو گیا کہ دن اور رات گھر گھر اور کوچہ کوچہ اور اعراب کی جماعتوں میں غلہ اور کھانا تقسیم کرتے ہوئے پھرتے اور اپنی ان تکلیفوں کو راحت سمجھتے۔ بیشمار واقعات انکی خدا ترسی مخلوق کی محبت اور ہمدردی۔ رعایا کی خبر گیری اور غمخواری۔ اور اپنے فرائض کو ایک ایسے عجیب و غریب طریقہ میں ادا کرنے کے بیان کئے گئے ہیں اور کتب سیر و تواریخ کے بہت سے

---

[۱] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۳۲ [۲] ازالۃ الخفا باب سیاست و انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۳۲ [۳] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۳۲ [۴] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک - ذم الدنیا۔

صفحوں کا دلچسپ مضمون ہیں مگر ہم ایک دو روایتوں پر اکتفا کرینگے۔ غالباً انہیں دنوں
میں رات کو پھرتے ہوئے ایک گھر میں پہنچے جہاں سے بچوں کے رونے کی آواز آرہی
تھی۔ دیکھا کہ ایک عورت چولھے پر ہنڈیا رکھے ہوئے بیٹھی اُس کے نیچے آگ جلا رہی ہے
اور بچے اُس کے گرد رو رہے ہیں۔ حضرت عمر نے دروازے کے قریب ہو کر پوچھا کہ
یہ بچے کیوں روتے ہیں اُس نے جواب دیا بھوک سے تو کہنے لگے کہ یہ ہنڈیا آگ پر کیسی
رکھی ہوئی ہے اُس نے کہا کہ بچوں کے بہلانے کے واسطے اس میں پانی ڈال کر چھوڑا
ہے کہ اس کو دیکھتے دیکھتے سو جائینگے۔ یہ سُن کر حضرت عمر کے آنسو نکل آئے اور روتے
ہوئے بیٹھ گئے۔ پھر اُٹھ کر بیت المال کی طرف بھاگے اور ایک بوری کو اُس میں آٹا
اور گھی اور چربی۔ خشک کھجوریں اور کچھ کپڑے اور درہم ڈال کر بھر لیا اور اسلم اپنے غلام
کو کہا کہ یہ مجھے اُٹھوا دے۔ اسلم نے کہا یا امیر المومنین میں جو ساتھ ہوں میں اُٹھاؤنگا
حضرت عمر نے کہا کہ خدا کے سامنے اس کا میں جواب دہ ہوں میں ہی اُٹھاؤنگا۔ اسلم
نے وہ بوجھا اُٹھوا دیا اور اُس کو لے کر اُس عورت کے گھر پہنچے خود ہی اُس کی ہنڈیا
میں کھانا چڑھایا اور بیٹھ کر آگ جلا کر پکایا۔ اسلم کہتا ہے کہ آگ کو پھونکنے میں ان کی
ریش دراز سے دھواں نکل رہا تھا۔ جب کھانا پک گیا تو اُن بچوں کو کھلا کر اور باقی
غلہ وغیرہ اُن کو دے کر وہاں سے چلے آئے[1]

ابو ہریرہ کہا کرتے تھے کہ فاروق کی قبر پر خدا کی رحمت نازل ہو کر سال رمادہ میں
میں نے اُن کو دیکھا کہ ایک چرمی تھیلہ طعام سے بھرا ہوا اپنی پیٹھ پر اُٹھائے ہوئے
جا رہے ہیں۔ ہاتھ میں ایک برتن ہے جس میں زیتون ہے۔ اسلم بھی اُٹھانے میں
اُن کے ساتھ شریک ہے میں بھی اُن کے ساتھ ہو لیا یہانتک کہ ہم چشمہ صرار پر
پہنچے میں نے دیکھا کہ بنی محارب کے بیس خانہ بدوش وہاں اُترے ہیں۔ اُن کے
آنے کا سبب پوچھا اُنہوں نے اپنی بھوک اور محتاجی بیان کی اُس وقت بوجھ کو
اُتار کر زمین پر رکھا اور اُن کے واسطے روٹی پکانے میں مصروف ہو گئے۔ اور پکا کر

[1] ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک و ذم الدنیا۔

کھلادی اور لباس اور طعام کے کچھ اونٹ منگوا کر اُن میں تقسیم کر دئیے[۵۱]۔

یہ سلوک اُن کا رعایا اور غیر رعایا سب کے ساتھ برابر تھا دور دراز سے لوگ مزدوری اور تلاش معاش میں آتے تھے اُن کو کھانا اور کپڑا دیا جاتا تھا اور قحط کے رفع ہونے تک جب تک لوگ وہاں ٹھہرے رہے اُنکی ہمیشہ خبر گیری کرتے اور اُن میں پھر کر اُن کی حاجتوں کو رفع کر دیتے تھے[۵۲]۔ غرض نہایت جانفشانی اور مصائب برداری سے اپنی ذات پر تمام تکلیفیں گوارا کر کے لوگوں کی تکالیف کو رفع کرتے رہے۔ زیتون اور روٹی کے مدت تک کھانے اور دودھ گھی کے چھوڑ دینے سے حضرت عمرؓ کے چہرہ کی قدرتی ترو تازگی اور روشن اور صاف رنگ زردی اور سیاہی سے مُبدّل ہو گیا۔ اور لاغر اور دُبلے ہو گئے[۵۳]۔

قحط کے بعد ۱۷ھ میں اُس سے بھی بُری آفت وبا کی نمودار ہوئی۔ یہ وبا شام میں پیدا ہوئی۔ اور حمص اور دمشق وغیرہ مقامات میں جو اہل عرب کے صدر مقام تھے عربوں کی عزیز جانیں اِس آفت ناگہانی کا شکار ہو گئیں۔ اور ملک میں ویرانی اور تباہی پڑ گئی شام سے گذر کر صحرا سے گذرتے ہوئے یہی وبا عراق میں پہنچی اور بصرے تک اپنے مہلک پنجوں سے شکار کر لیا۔ تمام طرف موت اور مصیبت گونج رہی تھی اُس کے بے رحم حملوں کے سامنے چھوٹے اور بڑے خاص اور عام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ کو مدینہ بلا بھیجا۔ مگر اُنھوں نے مسلمانوں کو اِس مصیبت میں چھوڑ کر خود جان بچا کر چلا آنا منظور نہ کیا ابو عبیدہ کا خط پڑھ کر حضرت عمرؓ کو نہایت رنج ہوا۔ اور آخر کار خود شام میں جانے اور لوگوں کی مصیبت میں شریک ہونے اور اُس کا سبب معلوم کرنے اور اُس کے دفعیہ کی کوشش کرنے کا ارادہ کیا اور مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حوالی تبوک میں مقام ینبوع پر ٹھیرے۔ جہاں اصحاب اور دوسرے خاص لوگ آگے سے آن ملے اور نہایت اصرار سے صلاح دی کہ امیر المومنین وہاں سے لوٹ جائیں حضرت عمرؓ نے آخر اِس صلاح کو مان لیا اور

---

۵۱ ازالۃ الخفا باب حکایات گشت ۵۲ ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک ذم الدنیا ۵۳ انسائیکلوپیڈیا ... صفحہ ۳۰۳ و ازالۃ الخفا

چھٹا باب

ذاتی فرائض اور اُن کی بجا آوری

ان تمام حالات اور واقعات سے جو بیان ہوئے ہیں اور ہونگے صاف ظاہر ہے کہ خلافت کا ہر ایک امر حضرت کی ذات ہی سے متعلق تھا اور جس طرح پر وہ اپنے فرائض کو بجا لاتے تھے انسان کے واسطے سبق حاصل کرنے کے لئے وہ سب سے عمدہ نظائر ہیں لیکن اس باب میں ہم اُن کے خاص ذاتی فرائض کے نام سے بعض واقعات اور امور کا ذکر کرینگے +

سب سے بڑا اصول جس پر کہ اُن کے کاروبار کی بنا تھی اور جس کے کہ ہر وقت اور ہر حال میں پابند رہتے تھے وہ ہر ایک چھوٹے بڑے امر میں اصحاب سے مشورہ لینا تھا۔ بلا صلاح اور مشورہ کوئی کام نہیں کرتے تھے اور شاورھم فی الامر کے ایسے ہی پابند تھے جیسا کہ ہونا چاہئے تھا +

ہر ایک جمعہ کو نماز سے فارغ ہو کر امیر المومنین تمام اہم تقررات اور ہفتہ بھر کے واقعات جماعت کے روبرو بیان کر دیتے تھے۔ اور یہی واقعات اور امور اور فیصلے عمالوں اور صوبوں کے امیروں کے پاس تحریری بھیجے جاتے تھے وہ خود اُن کو بطور نظیر سمجھ کر اُن پر عمل کرتے تھے۔ اور لشکر اور عامۃ المسلمین کے درمیان ان کو اعلان اور مشتہر کر دیتے تھے کوئی شخص شہر میں یا لشکر میں امور ملک سے ناواقف نہیں رہتا تھا۔ اور کوئی شخص عوام الناس کی جماعت سے خارج نہیں سمجھا جاتا تھا[۱] +

یہ وہ اصول ہیں جنہوں نے اُن کی خلافت کو جمہوری سلطنت اور دنیا کی بہترین گورنمنٹ کہلایا ہے +

---

[۱] سپرٹ آف اسلام صفحہ ۲۱۴ +

فوج اور لشکر کے انتظام اور اُس کی خبرگیری اور نگرانی کے حالات بیان ہو چکے ہیں۔
اہل عرب کی طرف آپ ہمیشہ ضروری ہدائتیں جاری کیا کرتے تھے۔ کہ مثلاً اپنی اولاد کو
تیرنا۔ اور تیر چلانا اور سواری کرنا اور مصیبتوں میں متحمل ہونا اور تکالیف کا عادی ہونا
سکھاؤ نیک اور مشہور مثلیں اُن کے سامنے بیان کرو۔ نیک اشعار سکھاؤ۔ جبتک
عربوں کی کمان میں تیر رہیگا اور وہ گھوڑوں کی پیٹھ پر ہونگے عزیز رہینگے۔ گھوڑوں
کو سدھاؤ اور اُن کو کام کرنے کے لائق اور دُبلے رکھو[۵]+
سرداران لشکر اور افواج کو سخت تاکید کیا کرتے تھے کہ اپنے آپ کو خطرے میں
نہ ڈالیں اپنی فوج کی جانوں کو عزیز سمجھیں۔ احتیاط اور دور اندیشی سے کام کریں اسی
سبب سے خالد سے ناراض ہوا کرتے تھے کہ وہ لڑائی میں بے احتیاط اور بیدھڑک
تھا۔ آخری دفعہ جب خالد سے ناراض ہوئے تو اِس کا ایک یہ بھی سبب تھا کہ شام
کے غدر کے وقت وہ ابوعبیدہ کو احتیاط چھوڑنے اور حمص سے باہر نکل کر دشمن سے
لڑنے کی رائے دیتا تھا+
غرض خطرے میں پڑنے اور کوئی ایسا کام اختیار کرنے سے جس میں خطرہ کا
اندیشہ ہو بہت بچتے تھے۔ اور جو کام ایک دفعہ خطرناک اور مُضر ثابت ہوں دوبارہ
اُن کو نہ ہونے دیتے تھے۔ چنانچہ ۱۹ سنہ ہجری میں انہوں نے ایک دفعہ جنگی جہاز
تیار کروا کر بحر احمر میں ابی سینیا کی طرف ایک فوج اس غرض سے روانہ کی کہ مسلمانوں پر
جو حملہ ساحل پر یا نیوبیا کے کناروں پر ہوتے تھے اُن کو روک دیا جائے۔ جہاز
شکستہ ہو گئے۔ اور مہم میں بہت ناکامی اور نقصان ہوا اور حضرت عمرؓ نے عہد کر لیا کہ
ایسا خطرناک کام دوبارہ نہ کرینگے+
کسی ایک لڑائی کے فتح ہونے کے بعد فوج کو مہینوں اور بعض وقت سالوں تک
باوجود اُن کے اصرار کے آگے بڑھنے اور حملہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے عموماً
اُن کی لڑائیاں حملوں کے روکنے اور دشمن کو دفع کرنے کے واسطے ہوتی تھیں لڑائی

سے صلح کو زیادہ پسند کرتے تھے اور ایک بڑی احتیاط یہ کرتے تھے۔ کہ جب ایک ملک لڑائی ہوتی تھی تو دوسرے ملک میں جنگ کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے تاکہ ایک ہی وقت میں لڑائیوں میں مصروف ہو کر ایک دوسرے کی امداد کے ناقابل نہ ہو جائیں۔ اسی قسم کی احتیاطوں اور نگرانی کا نتیجہ وہ عظیم الشان کامیابی تھی۔ سپاہیوں کی درستی اخلاق کے لحاظ سے یہ حکم دیا تھا کہ چار ماہ سے زیادہ کسی سپاہی کو لشکر میں رہنے کو مجبور نہ کیا جائے اگر وہ گھر آنے کی رخصت چاہے تو اجازت دیدی جائے +

اُن کا ایک ممتاز اور مستقل اصول جو مسلمانوں کو عموماً اور اہل لشکر کو خصوصاً اپنی قدیم سادگی اور اسلامی ابتدائی سادہ دستورات معاشرت اور طرز زندگی قائم رکھنے کا تھا اُسکی نہایت عجیب وغریب اور دلچسپ طریقہ میں نگرانی کرتے تھے اور اپنے ضروری اور اہم فرائض میں اُس کو شمار کرتے تھے وہ خوب جانتے تھے کہ جو عظیم الشان سلطنتیں ایک مردہ جسم کی طرح اُن کو ملی ہیں وہ عیش وعشرت کے زہریلے سانپ کی کاٹی ہوئی ہیں اور یہی زہر قاتل اگر مسلمانوں میں اثر کر گیا تو وہ رفتہ رفتہ خون مردانگی اُن کے جسم سے نچوڑ لیگا اور ایسے ہی مُردے رہ جائینگے۔ اِسی اصول کے مطابق سب سے اول تو اپنی زندگی عجیب وغریب سادگی سے بسر کرتے تھے جس کے حالات آیندہ بیان ہونگے اور اُس کے بعد اپنے عمال اور عہدہ داروں کو سخت تاکید اِس امر کی کرتے تھے۔ اور اس کی خلاف ورزی کو اِتنا بڑا جرم سمجھتے تھے کہ اُن کو امیری اور عمالی سے معزول اور برطرف کر دیتے تھے جیسا کہ بعض امیروں اور عمال کے حالات سے جو ہم لکھینگے معلوم ہوگا۔ عام طور پر بھی لوگوں کو ایسی غلطی پر نہایت متنبہ کرتے تھے اور اُن کی حقارت کرتے تھے۔ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جن میں سے صرف ایک واقعہ بطور مثال کے ہم بیان کرینگے اور باقی بخوف طوالت چھوڑ دینگے۔ گو بعض اور حالات سے اُن کی اِس اصول کی پیروی واضح طور پر معلوم ہوگی +

احنف بن قیس بیان کرتا ہے کہ فتوحات عراق اور ایران کے زمانہ میں ہم کو عمدہ اور سفید پوشاکیں بھی دستیاب ہوئیں۔ جب ہم مدینہ کو آئے تو ہم اُنہیں پہن کر

حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ حضرت عمرؓ نے ہماری طرف دیکھ کر منہ پھیر لیا اور ہم سے ملنا اور گفتگو کرنا پسند نہ کیا۔ ہم کو یہ بُرا معلوم ہوا اور عبداللہ بن عمرؓ سے ہم نے شکایت کی انہوں نے کہا کہ اس کا سبب یہ تمہارا لباس ہے جس کو وہ پسند نہیں کرتے۔ ہم نے اپنے گھر آکر اُس لباس کو اُتار ڈالا اور معمولی کپڑے پہن کر حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ ہم کو دیکھ کر حضرت عمرؓ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ہم میں سے ہر ایک آدمی پر سلام کیا اور ہم کو گلے سے لگایا گویا اُس سے پہلے اُنہوں نے ہم کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ جب ہم نے مال غنیمت اُن کے سامنے پیش کیا تو اُس کے تقسیم کرنے میں اُس میں سے ایک قسم کی لذیذ اور خوشبودار مٹھائی نکلی۔ حضرت عمرؓ نے اُس کو چکھا اور ہماری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ اے مہاجرین اور انصار کی جماعت۔ یہ وہ طعام ہے جو بیٹے سے باپ کو اور بھائی سے بھائی کو قتل کرائیگا"۔[1]

وہ مٹھائی کسی کو نہ دی اور آخر ایسے مسلمانوں کے بچوں میں تقسیم کرادی جو مہاجرین اور انصار میں سے آنحضرت صلعم کے سامنے شہید ہوئے تھے۔[2]

سرداران لشکر اور عمال کو اِس اصول کی پابندی کی ہمیشہ تاکید کرتے رہتے تھے چنانچہ ابو عثمان نہدی بیان کرتا ہے کہ جب ہم عتبہ بن فرقد کے ساتھ آذر بیجان میں تھے تو حضرت عمرؓ کا نامہ اِس مضمون کا پہنچا کہ سب لوگ تہبند باندھیں چادر اوڑھیں اور جوتے پہنیں۔ اپنے باپ اسمعیلؑ کے لباس کو ضروری سمجھیں۔ عیش و عشرت اور عجموں کے لباس سے بچیں۔ دھوپ برداشت کرنے کے عادی رہیں۔ کیونکہ یہی عرب کا حمام ہے۔ سختی اُٹھانے اور سخت اور موٹے کپڑے پہننے ضروری سمجھیں۔ کپڑے کو پُرانا ہونے تک پہنیں۔ گھوڑے پر جست کر کے سوار ہونے اور نشانہ بازی کرنے کی مشق کرتے رہیں۔[3]

حضرت عمرؓ اپنے اِس خیال کو صرف مسلمانوں اور عربوں کی نسبت ہی پورا نہیں کرتے تھے بلکہ غیر قوم اور غیر مذہب کے لوگوں کو بھی شاندار لباس میں دیکھنا اور اُن سے ملنا پسند نہیں

[1] کلمات حضرت عمرؓ ازالۃ الخفا [2] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک [3]

کرتے تھے۔ سر ولیم میور کے الفاظ میں ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہرمزان گرفتار ہو کر مدینہ پہنچا تو اُس کو حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کرنے کے واسطے لے کر چلے۔ حضرت عمرؓ کوفہ کی سفارت سے ملاقات کر کے جس میں اُنھوں نے صوبہ کے بہت سے انتظامی کام کو انجام دیا تھا تھکن سے بڑی مسجد میں اُسی طرح دُرہ ہاتھ میں لئے ہوئے فرش پر پڑ کر سو گئے تھے۔ ہرمزان جب صحن مسجد میں پہنچا تو ہرمزان نے پوچھا کہ خلیفہ کہاں ہیں اور اُن کے محافظ اور پہرہ دار کہاں ہیں۔ درحقیقت کسریٰ ایران کے عالیشان محلوں کے مقابلہ میں جن کے دیکھنے کا وہ عادی تھا اِس قوی تر خلیفہ کے گرد و پیش کے سادہ سامان کو دیکھنا ایک عجیب نظارہ تھا۔ حضرت عمرؓ آواز سے چونک اُٹھے اور معلوم کر کے کہ یہ اجنبی کون شخص ہے فرمانے لگے کہ حمد ہے اُس خدا کے لئے جس نے تجھے اور تیرے جیسوں کو مغلوب کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس کا یہ شاندار لباس اُتروا کر موٹے کپڑے پہنا کر اُن کے سامنے لایا جائے۔ تب اُسی طرح دُرہ ہاتھ میں لئے ہوئے اُنھوں نے اُس کو اُس کی متواتر عہد شکنی پر ملامت کی۔ ہرمزان نے پانی مانگا۔ حضرت عمرؓ نے پانی پلانے کا حکم دیا۔ اُس نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ پانی پینے سے پہلے کوئی بے خبر مجھ کو مار ڈالے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ پانی پینے تک تیری جان سلامت رہیگی۔ ہرمزان نے یہ عہد لے کر پانی پیالہ سے گرا دیا اور کہا کہ میں تو اِس طرح اپنی جان بچانا چاہتا تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تیرا یہ دھوکا نہ چلیگا۔ مسلمان ہونا یا زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیگا۔ چنانچہ وہ مسلمان ہُوا اور وظیفہ پا کر بڑی حرمت کے ساتھ مدینہ میں رہا۔[1]

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی اُن کے اپنے ذمہ تھی اور عجیب و غریب طریقہ سے اپنے اِس فرض کو بجا لاتے تھے۔ ایک دن احنف بن قیس شرفاء عرب کی ایک جماعت کے ساتھ عراق سے حضرت عمرؓ کے پاس آیا کیا دیکھتا ہے کہ آپ ایک چادر کمر سے باندھے ہوئے بیت المال کے ایک گم شدہ اونٹ کی تلاش میں دوڑے جاتے ہیں نہایت گرمی کا وقت تھا۔ جب احنف کو دیکھا تو کہا آؤ تھوڑی دیر تک اونٹ تلاش کریں کیونکہ اس میں بیوا‌ؤں کا

[1] انلس آف خلافت صفحہ ۲۲۷

نیں۔ ؎ ارادہ کیا کہ اُن کو چراگاہ میں چھوڑ آؤں حضرت عثمان نے کہا کہ آپ سایہ میں ٹھیریں ہم آپ کا کام کر دینگے۔ مگر وہ یہ جواب دیکر آپ ہی سایہ میں سے نکل گئے۔ حضرت عثمان بولے کہ جس نے قوی امین کو دیکھنا ہو وہ ان کو دیکھے ؎ اپنے ہاتھ سے بیت المال کے اونٹوں کو تیل ملتے تھے ایک دن ایک شخص نے کہا کہ اپنے ہاتھ سے یہ کام کیوں کرتے ہو تو کہنے لگے کہ خدا نے مجھے ان کا نگہبان کیا ہے اور مجھ سے ہی اِس کا سوال ہوگا ؎ حضرت علیؓ سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن حضرت عمرؓ کو ایک اونٹ کا پالان اُٹھائے ہوئے ابطح کی طرف جاتے دیکھا اور پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں اُنھوں نے جواب دیا کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ الگ ہو گیا ہے اُس کی تلاش میں جاتا ہوں ؎

بیت المال کی حفاظت اور تقسیم میں اپنے اہل و عیال کے کسی زیادتی کے روادار ہونیکی نہایت احتیاط کرتے تھے بحرین سے ایک دفعہ مشک آئی تو کہنے لگے کہ کسی عورت سے اِسکو وزن کرانا چاہیئے اُن کی بیوی عاتکہ نے کہا کہ میں وزن کر دیتی ہوں۔ مگر اِس خیال سے اُنھوں نے نہ مانا کہ اُس کے کپڑوں میں کچھ لگی رہ جائیگی ؎

شام سے ایک دفعہ جب زیتون آیا پیالہ سے اُس کو تقسیم کیا۔ جب تقسیم ہو چکا تو پیالہ میں جو کسیقدر تیل رہ گیا وہ اُن کے ایک بیٹے نے پونچھ کر اپنے سر کے بالوں کو مل لیا حضرت عمرؓ نے جو دیکھا تو بہت خفا ہوئے اور کہنے لگے کہ تیرے بال مسلمانوں کے مال کی طرف بہت رغبت کرنے والے ہیں اُس کا ہاتھ پکڑے ہوئے حجام کے پاس لے گئے اور اُس کے سر کے بال منڈوا ڈالے ؎

ایک دن اُن کی ایک لڑکی نے جو بیت المال میں کھیل رہی تھی ایک درہم لیکر مُنہ میں ڈال لیا۔ حضرت عمرؓ کو جو معلوم ہوا تو اُٹھ کر بھاگے۔ چادر بھی کندھے پر سے گر گئی۔ لڑکی روتی ہوئی گھر چلی گئی تھی۔ وہاں پہنچ کر اُس کے مُنہ سے نکال لائے ؎ اور کہنے لگے کہ عمر اور عمر کی اولاد کا اِتنا حق نہیں ہے جتنا اور مسلمانوں کا ہے۔ اِسی طرح ایک دن ابو[illegible]

؎ ازالۃ الخفا باب حکایات گشت ؎ طبری صفحہ ۲۷۱۲ ؎۳-۴-۵-۶ ازالۃ الخفا باب حکایات گشت

نے بیت المال کو صاف کرتے ہوئے ایک درہم پایا اور وہ حضرت عمر کے ایک چھوٹے لڑکے کے ہاتھ میں کھیلنے کو دیدیا۔ حضرت عمر کو جب معلوم ہوا تو ابو موسیٰ کو بھی ملامت کی اور درہم لوٹا دیا۔[۵]

حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ نے چراگاہ میں اونٹ چرائے۔ اُن سے محصول میں نصف لے لیا۔[۵۷] غرض ایسے عجیب طریقہ سے اپنی حفاظت اور نگرانی کے فرائض کو ادا کرتے تھے ❊

مدینہ میں تو وہ امیر اور حاکم اور قاضی امام اور کوتوال چوکیدار اور سپاہی اور پیادہ چٹھی رسان وغیرہ ہر ایک کا کام غربیاوہ خود ہی کرتے تھے۔ سعید بن مسیب اور ابو سلمہ بن عبدالرحمان بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کی حفاظت اور خبر گیری کی یہاں تک نوبت تھی کہ آپ خود اُن عورتوں کے پاس چلے جاتے تھے جن کے خاوند لشکروں میں گئے ہوئے تھے۔ اُن کے دروازے پر جا کر سلام کہتے اور پوچھتے کہ تم کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو منگوا لو میں خرید دوں بازار سے خرید دوں۔ تم خرید و فروخت میں دھوکا کھاتی ہو گی۔ اُن کی ضرورت کی چیزیں معلوم کر کے اور اُن کے لونڈی غلاموں کو ساتھ لے کر بازار کی طرف چلے جاتے تھے۔ بازار میں جب پہنچتے تو لوگوں کی لونڈیوں اور غلاموں کا ایک لشکر اُن کے پیچھے ہوتا اور سب کو اُن کی ضروریات کی چیزیں خرید کر دیتے جو بسبب محتاجی کے خود نہیں خرید کر سکتے تھے اُن کو اپنے پاس سے خرید کر دیتے ❊

لشکروں سے جب قاصد چٹھیاں اور خطوط لے کر آتے تھے تو خود بنفسہ جا کر اُن کے گھروں میں خطوط پہنچا آتے تھے اور کہتے تھے کہ تمہارے خاوند خدا کی راہ میں کام کر رہے ہیں اور تم رسول اللہ صلعم کے شہر میں ہو۔ اگر تمہارے پاس کوئی خط پڑھنے والا ہو تو بہتر ورنہ دروازہ کے قریب آجاؤ میں پڑھ کر سنا دونگا۔ چلتے وقت یہ بھی بتا آتے کہ فلاں روز قاصد مدینہ سے روانہ ہوگا۔ اگر خط دینا ہو تو لکھ رکھنا اسی روز پھر اُن گھروں میں جاتے قلم دوات اور کاغذ ساتھ لے جاتے جن نے خط لکھوا رکھا ہوتا اُس سے لے لیتے اور جو

نہ لکھوا سکتے ہوتے ان کو خط لکھ دیتے۔ اور سب جمع کر کے روانہ کر دیتے[1]۔

حضرت عمر ایک مدت تک خود کوتوال اور چوکیدار کا کام بھی کرتے رہے دن کو اور رات کو شہر میں اس رعیت کے درمیان گھومتے تھے اور نگرانی حفاظت اور خبرگیری کرتے تھے اور اس کا کما حقہ انتظام کرنے کے واسطے امتحان کرتے تھے۔

مثلاً ایک رات گشت کرتے ہوئے ایک اعرابی کے پاس سے گذرے جو اپنے خیمہ کے باہر بیٹھا ہوا تھا۔ اُن کے پاس اس کا حال پوچھنے کے واسطے بیٹھ گئے کہ وہ شہر کی طرف کس ضرورت سے آیا ہے۔ اسی اثنا میں خیمہ میں سے رونے کی آواز سُنی تو پوچھا کہ یہ کون روتا ہے اُس نے جواب دیا کہ تمہارے پوچھنے کی کوئی بات نہیں۔ میری عورت کو دردزہ ہو رہا ہے حضرت عمر اس کا یہ جواب سُن کر سیدھے اپنے گھر کو آئے اور اپنی بیوی ام کلثوم سے کہا کہ کپڑے پہن کر میرے ساتھ چلو اور انہیں ساتھ لے کر اُس اعرابی کے پاس گئے۔ اور اس سے اجازت لیکر ام کلثوم کو خیمہ کے اندر بھیجا۔ کچھ عرصہ کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثوم نے حضرت عمر سے کہا کہ یا امیر المومنین اپنے صاحب کو لڑکا پیدا ہونے کی خوشخبری دیجئے وہ اعرابی امیر المومنین کا نام سُن کر ڈرنے لگا اور سامنے آکر معذرت کرنے لگا حضرت عمر نے کہا کچھ مضائقہ نہیں تو صبح میرے پاس آنا وہاں سے گھر چلے آئے۔ اور صبح وہ شخص حاضر ہوا اور اُس کے لڑکے کا وظیفہ مقرر ہو گیا[2]۔

عبدالرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ ایک رات فاروق اعظم میرے گھر میں آئے۔ میں نے کہا کہ آپ نے مجھے کیوں نہ بلا بھیجا تو فرمانے لگے مجھے خبر ملی ہے کہ اس وقت ایک قافلہ آکر مدینہ کے باہر اترا ہے۔ اور قافلہ والے لوگ سفر کی تکان سے بیہوش ہو رہے ہیں چلو ہم چل کے اُن کی حفاظت کریں۔ چنانچہ ہم جاکر ایک ٹیلہ پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور صبح تک جاگتے رہے[3]۔

اس شبانہ گشت سے بعض اوقات نہایت نتیجہ خیز باتیں پیدا ہوتی تھیں مثلاً

---

[1] ازالۃ الخفا حکایات رات [2] ... [3] ازالۃ الخفا حکایات گشت۔

جب ایک دفعہ اسی طرح ایک قافلہ کی حفاظت کرنے کے واسطے گئے تو ایک عورت کے بچے
کا دودھ چھڑانے کی کوشش کرنے میں بچہ کو روتا دیکھ کر اور اس کا سبب معلوم کر کے
بچوں کے دودھ چھڑانے پر وظائف مقرر ہونے کی قید اٹھا دی +
اسی طرح ایک رات مدینہ میں پھر رہے تھے۔ ایک مکان سے ایک عورت کی
آواز آئی جو یہ اشعار پڑھ رہی تھی :-

تطاول ھذا اللیل تسری کواکبہ	آج کی رات لمبی ہو گئی اور ستارے گھوم رہے ہیں۔
وارقنی ان لا ضجیع الاعبہ	اور میں جاگ رہی ہوں کہ میرے پاس میرا ہمخواب نہیں جس سے میں کھیلوں۔
فواللّٰہ لولا تخشی عواقبہ	خدا کی قسم اگر اسکی عاقبت کا خدا سے خوف نہ ہوتا۔
لزعزع من ھذا السریر جوانبہ	تو اس چارپائی کی طرفیں یا چولیں ہل رہی ہوتیں۔
مخافۃ ربی والحیاء یصدنی	اپنے رب کا خوف اور حیا مجھے روکتا ہے +
واکرم بعلی ان تنال مراتبہ	اور اپنے خاوند کی تعظیم کرتی ہوں کہ اس کی جگہ کوئی اور ہو۔

حضرت عمر کے دل میں یہ بات کھٹک گئی اور تحقیق کیا کہ ایک عورت مرد سے کتنا
علیحدہ رہ سکتی ہے۔ آخر چار مہینہ حد مقرر کی اور سرداران لشکر کو لکھا کہ کسی آدمی کو چار ماہ
سے زیادہ بند نہ رکھیں۔ اور اگر اجازت مانگے تو اجازت دیں +
اس قسم کے واقعات کو رات گشت کرنے اور لوگوں کے حالات کو تفحص کرنے اور خبرگیری
کرنے کے بہت سے ہیں۔ مگر صرف رات کی گشت ہی میں لوگوں کے حالات نہیں دریافت
کرتے تھے دن میں بھی گھومتے تھے مدینہ میں پھرنے کے واقعات کے علاوہ جیسے
کہ خفاف بن ایمن غفاری کی لڑکی کے ساتھ سلوک اور رحم کرنے کا واقعہ ہے جو آیندہ
بیان ہو گا سفر میں بھی جہاں موقع ملتا تھا رعایا کا حال دریافت کرتے تھے اور اپنا
فرض ادا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب شام سے واپس آ رہے تھے ابن عمر بیان کرتے
ہیں کہ اپنے ہمراہیوں سے علیحدہ ہو کر ادھر ادھر لوگوں کا حال دریافت کرتے ہوئے
پھر رہے تھے کہ ایک بڑھیا کے جھونپڑے میں داخل ہوئے اور اس سے باتیں کرنے لگے

اُس عورت نے پوچھا کہ اب شخص عمر کا کیا حال ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ شام سے واپس آرہا ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ خدا میری طرف سے اُسے جزائے خیر نہ دے۔ حضرت عمر نے پریشان ہوکر پوچھا کہ کیوں اُس نے جواب دیا کہ جب سے وہ والی ملک ہوا ہے مجھے کچھ وظیفہ او عطیہ نہیں دیا۔ آپ نے کہا کہ اُس کو تیرا حال کیونکر معلوم ہوتا کہ تو تنہا جنگل میں اسی مقام پر رہتی ہے اُس نے جواب دیا کہ سبحان اللہ وہ لوگوں میں گھومے اور میرا حال نہ جانے۔ خوف خدا سے حضرت عمر کے آنسو نکل آئے۔ اور اپنے حال پر افسوس کرنے لگے۔ اور اُس بڑھیا کو کہا کہ تو اپنی شکایت کو کتنی رقم کے عوض بیچنا چاہتی ہے۔ اُس نے جواب دیا اے بندۂ خدا مجھ سے کیوں ہنسی کرتا ہے آپ نے جواب دیا مسخری نہیں کرتا سچ کہتا ہوں دیر تک اُس سے باتیں ہوتی رہیں آخر پچیس دینار مقرر ہوئے اسی حال میں حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعود آ گئے۔ اور السلام علیک یا امیر المومنین کہا وہ عورت امیر المومنین کا نام سُن کر چونکی اور اپنے ہاتھ سر پر رکھ کر پشیمان ہونے لگی۔ حضرت عمر نے کہا کہ کوئی ڈرنے کی بات نہیں اور پچیس دینار اُس کو دیکر اور راضی کر کے چلے آئے[۱]۔

اُن کی خلق اللہ کی خدمت اور خبر گیری کرنے کی بعض مثالیں انتہائی مثالیں ہیں جس سے بڑھ کر کوئی خدمت خیال میں نہیں آسکتی ایک اندھیری رات کو وہ گھر سے نکلے اور طلحہ کہیں جاتے دیکھ کر اُن کی پیچھے ہولیا۔ ایک گھر میں داخل ہوئے تھوڑی دیر کے بعد نکلے۔ اور ایک دوسرے گھر کے اندر چلے گئے۔ صبح کے وقت طلحہ اُسی گھر کی طرف گیا۔ گھر میں ایک بوڑھیا اندھی اور اپاہج عورت تھی اُس سے پوچھنے لگے کہ رات کو ایک شخص تیرے پاس کیوں آیا تھا اُس نے جواب دیا کہ اُس نے اتنی مدت سے مجھ سے عہد کیا ہوا ہے کہ اپنی معذوری کے سبب سے جو کام اپنا میں نہیں کر سکتی وہ کر دے کوڑا اور نجاست گھر سے اُٹھا دے طلحہ یہ سُن کر خاموش چلا آیا اور اس اپنی تفتیش پر نادم ہوا[۲]۔

اس طرح پر خلق اللہ کی خدمت اور خبر گیری کرنا اُن کی اپنی خلافت کے زمانہ سے مخصوص نہ تھا پہلے بھی اس قسم کی نیکی کے کام وہ ہمیشہ کیا کرتے تھے حضرت ابو بکر کے زمانہ

[۱] و [۲]۔ ازالۃ الخفا باب حکایات گشت۔

میں ایک رات وہ اندھی بیوہ عورت کی اس قسم کی خبر گیری کو گئے تو حضرت ابوبکر کو وہاں پایا[۵۱]+
حضرت عمر کے انصاف اور عدالت کی تو قسم کھانی چاہیئے یہی اُن کا عظیم الشان وصف تھا
جس نے جناب سرورِ کائنات سے "فاروق" کا پیارا اور بزرگ خطاب دلوایا تھا اور جو اُن کی
ہر ایک قسم کی قابلیت اور طبیعت کی پناہ اور ہر کام میں اظہر من الشمس تھا مسلمان غیر مسلمان
رعایا۔ غیر رعایا۔ عزیز و بیگانہ۔ ہر ایک کے ساتھ یہانتک کہ اپنی ذات کے ساتھ اُن کے
انصاف اور عدالت کو یکساں تعلق تھا۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ کے واقعات ہم بیان
کر چکے ہیں جن کی بنا پر آنحضرت صلعم کا یہ فیصلہ تھا کہ عمر حق کہتا ہے گو کڑوا ہو۔ اُن کی خلافت
کے واقعات میں چند مشہور واقعات کا لکھنا کافی ہوگا+

جبالہ کا واقعہ اسی قسم کے واقعات میں سے ہے جو غسان کا آخری بادشاہ اور قیصر روم
کا برائے نام نائب در اصل اِس شمالی صوبہ کا خود مختار حکمران تھا۔ ابتداءِ فتوحات شام کے
معرکوں میں جبالہ قیصر کی حمایت میں مسلمانوں سے لڑتا رہا۔ مگر آخر شاہنشاہ کے بھاگ جانے
پر ابو عبیدہ کے پاس آکر مسلمان ہوگیا اور نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مدینہ میں آیا۔
جہاں اُس کے خاندان کی شہرت کے سبب سے بہت کچھ عزّت ہوئی اور حضرت عمر کے ہمراہ
مکّہ میں حج کرنے کے واسطے آیا۔ طواف کی حالت میں ایک غریب اعرابی کا پاؤں اُس کے
فاخرہ لباس پر اتّفاق سے رکھا گیا جس سے اُس کا پاؤں لڑکھڑا گیا۔ متکبّر بادشاہ نے
غُصّہ میں آکر اُس مسلمان کے مُنہ پر تھپیڑ مار دیا۔ اُس نے حضرت عمر کے پاس جاکر فریاد
کی اور جبالہ طلب ہُوا۔ جبالہ اِس طلبی سے بہت حیران ہُوا اور گھبرایا۔ جب حضرت عمر کے
سامنے پیش ہُوا تو انہوں نے جرم کا اقرار کرنے پر اُس اعرابی سے ایک تھپیڑ کھا لینے یا
معاف کرا لینے کا سادہ فیصلہ صادر کیا۔ جبالہ نے متحیّر ہو کر کہا کہ کیا بیابان کا ناچیز اعرابی
میری برابری کریگا جو غسان کا بادشاہ ہوں۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ
مسلمان سب مساوی رُتبہ رکھتے ہیں۔ معافی چاہنے کے بہانہ سے جبالہ اُس وقت چلا گیا اور
رات کو بھاگ نکلا اور قسطنطنیہ میں جا پہنچا اور پھر عیسائی ہوگیا۔ اِس کے بعد وہ پھر

---

[۵۱] اینلس اوف خلافت صفحہ ۱۲۳+

مسلمان ہُوا ہو یا نہ ہُوا ہو حضرت عمرؓ کی عدالت اور انصاف کو اِسی قدر واقعہ سے تعلق تھا۔[۵۹]

حضرت عمرؓ کے اپنے بیٹے ابو شحمہ کو جس کا نام عبدالرحمٰن تھا شراب پینے اور زنا کرنے پر مارنے کا واقعہ اِس قدر اختلاف کے ساتھ بیان ہُوا ہے کہ اُس کی اصلیت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ابن عباسؓ سے جو روایت منسوب کی جاتی ہے اگر صحیح ہو تو حضرت عمرؓ کو اِس واقعہ کی اطلاع پہنچنا۔ اور اپنے بیٹے سے عجیب طریقے سے اقرار کروانا۔ اور پھر دُرّے لگوانا اور غلام کا یہ حکم سُن کر رونا۔ مگر حضرت عمرؓ کا دُرّے لگانے کے واسطے اُسے مجبور کرنا۔ لڑکے کا چیخنا اور بیتابی سے گر جانا۔ لوگوں کا اور خود حضرت عمرؓ کا رونا لڑکے کا پانی مانگنا اور حضرت عمرؓ کا نہ دینا اور آخر آخری درہ پر اُس کے دم کا نکل جانا ایک دردناک افسانہ کا مضمون ہے مگر مختلف روایات کی اصلیت اِس قدر معلوم ہوتی ہے کہ اُن کا ایک بیٹا عبدالرحمٰن المعروف ابو شحمہ نے مصر میں عمرو بن العاص کی حکومت میں اِس قسم کا کوئی قصور کیا تھا وہاں اُس کو حد لگائی گئی ہو یا نہ لگائی گئی ہو حضرت عمرؓ نے اُس کو مارا اور اِس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد وہ فوت ہو گیا۔[۶۰]

قدامہ بن مضعون پر جو ابن عمرؓ اور حضرت حفصہؓ کا ماموں تھا حد جاری کی وہ حضرت عمرؓ کا ایسا قریبی رشتہ دار ہی نہیں تھا ایک معزز اور ذی رُعب آدمی اور بحرین کا عامل تھا اُس کے شراب پینے کی شکایت ہوئی اور ابو ہریرہؓ نے اُس کو مستی کی حالت میں دیکھنے کی شہادت دی اُس کی عورت نے بھی شہادت دی۔ حضرت عمرؓ نے اُس کو دُرّے مارنے کا حکم دیا اور لوگ سب ایسا کرنے کے مخالف تھے کیونکہ وہ بیمار تھے۔ حضرت عمرؓ اِس عذر پر چند روز ٹھہر گئے مگر تھوڑے دنوں بعد پھر اُس کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ اور دُرّے مروا ہی دیئے قدامہ حضرت عمرؓ سے ناراض ہو گیا۔ اور اُن سے کلام کرنی چھوڑ دی۔ حضرت عمرؓ کو گو آخر اُس کو راضی کرنا پڑا مگر انصاف کی تعمیل سے اُن سے درگذر نہ ہو سکا۔[۶۱]

ایک یہودی اور ایک مسلمان کے درمیان تنازعہ ہو گیا اور مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہُوا۔ یہودی سچا تھا اور حضرت عمرؓ نے اُس کے حق میں فیصلہ دیا۔ یہودی صفت وثنا

[۵۹] امیلس پرٹ دی خلافت صفحہ ۲۰۲ بحوالہ سیوطی وغیرہ [۶۰] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء باب تصوف و سلوک

کرتا ہوا گیا[۱] اور حیران تھا کہ اُس کی توقع کے خلاف ہوا کیونکہ مسلمان کی رعایت ہونے کا
اُس کے دل میں خیال تھا +

ایک دن آپ راستہ میں جا رہے تھے کہ ایک شخص کو ایک عورت سے باتیں کرتے ہوئے
دیکھا بداخلاقی کا شبہ ہوا اور اُس کو دُرہ سے ڈرایا۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اُس عورت
کا خاوند تھا۔ اپنے اِس تعرض پر پشیمان ہوئے۔ اور عبدالرحمٰن بن عوف کے سامنے
افسوس کیا اُس نے کہا کہ امیر المومنین آپ ادب سکھانے والے ہیں آپ نے کچھ بیجا نہیں
کیا مگر حضرت عمر کا اِس سے بھی اطمینان نہ ہوا اور اُس شخص کے پاس جا کر دُرہ اُس کے
ہاتھ میں دیا اور کہا کہ تو اپنا بدلہ لیلے مگر اُس نے تسلیم کیا کہ آپ کا حق تھا[۲] اپنی ذات کے
ساتھ انصاف کرنے کی یہ انتہائی مثالیں ہیں +

اِسی طرح ایک دفعہ اُن کے ہاتھ سے غلطی سے یاسر (یا ایاس) ابن سلمہ کو راستہ سے
ہٹانے میں دُرہ کا سرا لگ گیا تھا کچھ زمانہ گذرنے کے بعد یاسر نے ایک دن حج کو جانے
کی اجازت چاہی حضرت عمر نے اُس کو اجازت دی اور چھ سو درہم لے کر اُس کے گھر گئے
اور کہا کہ ایک دن درہ میرے ہاتھ سے تمہارے پہلو میں لگا تھا۔ اُسکی معافی طلب کرتا ہوں
کہ میرے پر اُس کا قصاص ہے یاسر نے کہا کہ امیر المومنین وہ کچھ بات نہ تھی اور میں
اُس کو بھول گیا ہوں حضرت عمر نے کہا مجھ کو تو یاد ہے اور بھول نہیں سکتی۔ غرض اُس سے
معافی لی اور حج کے خرچ کے واسطے چھ سو درہم اپنے پاس سے اُن کو دیئے[۳] +

مقدمات کی تحقیق میں بڑے شائستہ اصولوں کے ساتھ نہایت چھان بین کرتے
تھے۔ شہادت کے جانچنے میں بڑی عمدگی سے عمل کرتے تھے ایک شخص نے اپنی صفائی کا
گواہ پیش کیا حضرت عمرؓ نے بعد استفسار کے کہ نہ وہ اُس کا ہمسایہ ہے نہ ہم سفر ہوا ہے
نہ اُس سے لین دین کیا ہے اُس کی گواہی کو ناقابل اعتبار ٹھیرایا[۴] +

---

[۱] ازالۃ الخفا باب احکام الخلافۃ والقضا [۲] ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک +

[۳] طبری صفحہ ۲۷۱۵ و ازالۃ الخفا کلمات +

[۴] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا باب تصوف وسلوک +

مقدمات میں صلاح اور مشورہ کو نہایت احسانمندی سے قبول کرتے تھے اور یہ بھی انکے ہاتھوں سے بے انصافی نہ ہونیکا ایک بڑا سبب تھا مثلاً ایک دفعہ ایک حاملہ عورت کو سنگسار کرنے کا آپ نے حکم دیا معاذ بن جبل نے کہا کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ بھی اس حکم سے متاثر ہوگا حالانکہ اس سے آپ کو کچھ علاقہ نہیں حضرت عمرؓ نے اپنا حکم منسوخ کر دیا اور کہا کہ اگر معاذ نہ ہوتا تو عمرؓ ہلاک ہو گیا تھا[۱]

اسی طرح ایک دفعہ ایک عورت کے سنگسار کرنے کا حکم دیا حضرت علیؓ نے کہا کہ مجنونہ نابالغ اور سوتے پر شرعاً تعزیر واجب نہیں ہے اور یہ مجنونہ ہے حضرت عمرؓ نے اپنا حکم واپس لیا اور شکر گزار ہوئے[۲]

غرض فیصلوں میں رائے و مشورہ دینے اور ان کے فیصلہ پر نکتہ چینی کرنے کی عام اجازت تھی۔ ان کی مجلس جوان بوڑھے قاریوں سے بھری رہتی تھی اکثر اوقات ان سے رائے لیتے اور کہا کرتے کہ کسی کو رائے دینے کی ممانعت نہیں ہے کیونکہ علم بڑھا اور جوان ہونے پر موقوف نہیں ہے۔ یہ خداداد نعمت ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے[۳]

عوام الناس کو جو خلیفہ وقت کے ساتھ مساوات اور آزادی حاصل تھی اسکی بہت رعایت کی جاتی تھی۔ حضرت عمر ایک رات مدینہ میں پھر رہے تھے ایک گھر سے گانے کی آواز سنی دیوار کی راہ سے اس گھر میں گئے ایک مرد اور ایک عورت کو شراب پینے میں مشغول دیکھا اسے ملامت کرنے لگے اس نے جواب دیا کہ میں نے ایک جرم کیا ہے اور تم نے تین۔ خدا نے تجسس کرنے اور پس دیوار سے گھر میں داخل ہونے اور کسی دوسرے کے گھر میں بلا اجازت جانے سے منع کیا ہے۔ آپ نے یہ تینوں کام کئے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ اگر میں تجھ کو معاف کر دوں تو آئندہ اس فعل سے توبہ کریگا اس نے اقرار کیا یا امیر المومنین پھر ایسی حرکت کبھی نہ کرونگا[۴] گویا ضابطۂ معین تھے خلاف مجرم کو ماخوذ کرنا انہوں نے روا نہ رکھا اور مدعا بھی حاصل ہو گیا

[۱] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا باب تصوف و سلوک [۲] ازالۃ الخفا باب احکام الخلافت و القضا [۳] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت [۴]

اِسی قسم کے بہت سے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ ہم بخوفِ تطویل نہ لکھینگے +

آزادی درحقیقت اِس درجہ کو پہنچی ہوئی تھی کہ حضرت عمرؓ کے روبرو اُن پر اعتراض کیا جاتا تھا اور وہ بڑے تحمل کے ساتھ سُنتے تھے اور جواب دیتے تھے ایک دِن خطبہ پڑھتے ہوئے مہر کے زیادہ باندھنے کی ممانعت کی۔ ایک بڑھیا عورت اُٹھ کھڑی ہوئی اور آیت قنطاراً مقنطرۃ پڑھ کر کہا کہ خُدا جس چیز کو جائز اور مُباح کرے تم کیوں منع کرتے ہو حضرت عمرؓ نے داد دی اور کہا کہ کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات [۵۱] +

ایک دفعہ غنیمت میں یمنی چادریں آئیں اور سب میں تقسیم ہوئیں۔ حضرت عمرؓ اسی چادر کا پیراہن بنوا کر خطبہ پڑھنے کو ممبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ سُنو اور مانو۔ یہ صدا پوری رفتار سے نہیں کر چکی تھی کہ سامعین میں سے ایک بول اُٹھا کہ نہ سُنینگے اور نہ مانینگے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا آخر کیوں؟ اُس نے کہا کہ ایک چادر آپ کے حصّے میں آئی تھی۔ اِس سے آپ کے بدن کا پیراہن کس طرح بن گیا۔ عبداللہ ابن عمرؓ نے کہا کہ جتنا کم تھا میں نے اپنی چادر میں سے دیا تھا تب وہ شخص یہ کہہ کر بیٹھ گیا کہ ہاں اب سُنینگے اور مانینگے [۵۲] +

ہر زمانہ میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں حضرت عمرؓ کے انصاف پر اثر ڈالنے کی کوشش کرنیکا ایک واقعہ بھی موجود ہے۔ انصار میں سے ایک شخص اونٹ کی ران حضرت عمرؓ کو تحفۃً دیا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت عمرؓ کے سامنے کسی کے ساتھ اُس کا مقدمہ پیش ہُوا۔ کہنے لگا یا امیر المومنین میرے مقدمہ کو اِس طرح انصاف کیجئے جس طرح اونٹ کی ران جُدا کی جاتی ہے۔ اُس کے کئی دفعہ کہنے سے حضرت عمرؓ ناراض ہوئے مقدمہ کا فیصلہ تو اُس کے خلاف ہی ہُوا مگر حضرت عمرؓ نے اپنے تمام عاملوں کو تحفہ تحائف لینے سے قطعی ممانعت کردی [۵۳] +

اِسی طرح ایک دفعہ کسی نے اُن کی بیوی سے سفارش کرانی چاہی تو آپ نے اُسے

[۵۱] ازالۃ الخفا۔ [۵۲] المامون حصہ دوم [۵۳] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ +

جھڑک دیا اور کہا تو ایک کھلونا ہے تجھے ان امور سے کیا مطلب[۱] +

جن مقدمات کے فیصلہ میں اُن کو شبہ ہوتا تھا جو مجرم ثبوت کے بہم پہنچنے یا کسی اَور صورت میں بچ جاتے تھے وہ ہمیشہ اُن کی طبیعت میں کھٹکتا رہتا تھا ایک دفعہ ایک شخص کو زنا کرتے ہوئے دیکھا اصحاب سے مشورہ کیا کہ خلیفہ کو اپنی رویت پر تعزیر کرنیکا اختیار ہے یا نہیں حضرت علیؓ نے کہا کہ چار گواہوں کی ضرورت پر نص صریح موجود ہے تو صرف اپنی رویت پر تعزیر کا اختیار کیونکر ہے حضرت عمر اُس وقت خاموش ہو گئے مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر یہی سوال کیا اور حضرت علی نے وہی جواب دیا۔ امام غزالی کہتے ہیں کہ حضرت عمر اِس میں متردد تھے[۲] +

سلیمان بن ربیعہ جب اپنا لشکر ارمینیا کو لیگیا تو لشکر کے واسطے گھوڑے خرید سلیمان سوائے اصیل گھوڑے کے وہ کسی کو پسند نہیں کرتے تھے عمرو بن معدی کرب ایک مخلوط نسل کا گھوڑا لیگیا سلیمان نے ناپسند کر کے واپس کیا اور کہا کہ یہ دوغلہ ہے عمرو نے کہا کہ دوغلہ نہیں ہے یوں ہی سرکش جانور ہے سلیمان نے پھر بھی اُس کو دوغلہ ہی کہا۔ عمرو نے کہا کہ دوغلہ ہی ہوگا کیونکہ دوغلہ دوغلہ کو پہچانتا ہے۔ سلیمان نے حضرت عمر کے پاس شکایت کی اُنہوں نے سلیمان کو ملامت کی کہ تو نے کیوں سزا دینے میں تامل کیا اور حلم روا رکھا اور عمرو کو لکھا کہ تو نے اپنے امیر کی بے ادبی کی ہے تو اپنی تلوار پر بہت نازاں ہے جس کا نام تو نے صمصامہ رکھا ہے مگر تجھے معلوم نہیں کہ میرے پاس بھی ایک تلوار ہے جس کو میں مصمم کہتا ہوں جس روز تیرے کانوں کے درمیان رکھ دونگا تیری کھوپری چیرے بغیر نہ نکلیگی[۳] +

حضرت عمر کے سامنے ایک قتل کی واردات کا مقدمہ پیش ہوا ایک نوجوان شخص کی لاش راستہ میں پڑی ہوئی پائی گئی۔ حضرت عمر نے بہت تفتیش کی مگر پتہ نہ چلا اور نہایت تشویش میں دُعا مانگا کرتے تھے کہ خدایا اس کے قاتل کا پتہ لگا دے ایک سال کے قریب گذر گیا ایک دن پھر اُسی مقام پر جہاں سے لاش ملی تھی ایک بچہ پڑا ہوا ملا نہ

[۱] ازالتہ الخفا۔ [۲] ازالتہ الخفا حکایات گشت [۳] ازالتہ الخفا حکایات گشت +

حضرت عمرؓ نے پرورش کے واسطے ایک عورت کے سپرد کیا اور کہا کہ اگر تو کسی کو اِس کی طرف
متوجہ پائے تو مجھے اُس کی خبر کر دیجیؤ۔ لڑکا جب کچھ بڑا ہو گیا تو ایک دن اُس عورت
کے پاس ایک خادمہ لڑکی آئی اور کہا میری بیوی چاہتی ہیں کہ یہ لڑکا اُن کے دکھلانے
کو لے چلے وہ دیکھ کر لوٹا دینگی۔ وہ لڑکا لے کر اُس کے ساتھ گئی۔ ایک جوان عورت
نے اُس سے لیا اور اُس کا مُنہ چوما اور پیار کیا اور پھر لوٹا دیا۔ اصحاب رسول اللہ
میں سے وہ ایک انصاری کی لڑکی تھی۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ کیفیت اُس عورت سے
معلوم کی تو اُس مکان کی طرف گئے اُس جوان عورت کے باپ کو اپنے دروازے پر
تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا پایا اُس سے پوچھا کہ تو اپنی لڑکی کا حال جانتا ہے اُس نے
جواب دیا کہ ہاں۔ خدا کے حق کو لوگوں کی نسبت وہ اچھا جانتی ہے اپنے باپ کے حق
کو بھی ادا کرتی ہے۔ اور نماز روزہ بھی بجالاتی ہے اور دین دار ہے۔ حضرت عمرؓ
نے کہا کہ میں اُس کے پاس جانا اور نیکی کی نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بوڑھا اندر گیا
اور بیٹی کو مطلع کر کے حضرت عمرؓ کو بُلا لیا۔ حضرت عمرؓ نے سب لوگوں کو جو موجود تھے ہٹا دیا
اور اکیلے اُس سے باتیں کرنے لگے اور کہا کہ بیان کر اُس لڑکے سے تیرا کیا تعلق ہے وہ
عورت متردد ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے ہاتھ تلوار پر بڑھایا وہ ڈر گئی اور کہا یا امیر المومنین آپ
ٹھیر جاویں میں سچ سچ عرض کر دیتی ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ کچھ زمانہ ہوا ایک بڑھیا عورت
میرے پاس آئی اور کام کاج کرنے کو میرے گھر میں رہنے لگی میں بطور والدہ کے اُس کو
رکھتی تھی۔ اور اُس کا ادب کرتی تھی۔ اِسی طرح پر کچھ مدت گذر گئی کہ ایک دن
اُس نے مجھ کو کہا کہ مجھے ایک سفر درپیش ہے اور جانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ میری
ایک بیٹی ہے اُس کی تنہائی کے خیال سے میں سفر سے واپس آنے تک اُسے تمہارے
پاس چھوڑ جانا چاہتی ہوں در اصل وہ اُس کی لڑکی نہیں تھی لڑکا تھا اُس کو وہ
عورتوں کا لباس پہنا کر میرے پاس چھوڑ گئی۔ مجھے کبھی اُس کے مرد ہونے کا شبہ
نہیں ہوا اور اُس سے کسی قسم کا پردہ نہیں کرتی تھی۔ ایک دن سوتے میں مجھ کو غافل پاکر

وہ میرے قریب ہؤا اور مجھ سے مخالطت کی میرے قریب ایک چھری رکھی تھی میں نے ہاتھ لمبا کر کے اسے پکڑا اور اس سے اس کا کام تمام کر دیا اور اٹھا کر بازار میں پھینکدیا مگر میں اس سے حاملہ ہو گئی اور یہ لڑکا پیدا ہؤا خداوند علیم واقف ہے کہ اصل واقعہ یہی ہے حضرت عمرؓ نے کہا خدا تجھے برکت دے تو نے سچ کہا ہے۔ اور اس کو نصیحت کرتے رہے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے آئے اس قتل کے واقعہ کا پتہ نہ چلنے سے جو بوجھ ان کے دل پر تھا ہلکا ہو گیا +

غرض عدل و انصاف کے حامی اور سرپرست تھے اور انصاف کے سامنے کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ عاملوں اور حاکموں کی زیادتیوں اور ظلم کی رعایا اور محکومین کی شکایت پر اُن کو سزائیں دیتے تھے لوگوں کو عام اجازت تھی کہ اپنے عاملوں کے فیصلوں اور حکموں کے اپیل خود اُن کے پاس کریں۔ حج کے وقت تمام عامل اکٹھے ہوتے تھے تو اُن کے احکام کی نسبت شکایت کرنے کی پوری آزادی دی جاتی تھی چنانچہ ایک دفعہ جب مجمع عام میں حضرت عمرؓ نے پکار کر کہا کہ عاملوں کو میں نے تم پر عدل و انصاف کرنے کے واسطے بھیجا ہے اگر کوئی عامل ظلم و زیادتی کرے تو اسکی میرے پاس شکایت کرو۔ یہ سُن کر ایک شخص اٹھکر کھڑا ہوا اور کہا کہ یا امیر المومنین میرے عامل نے مجھے بیگناہ سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کیفیت سُن کر حکم دیا کہ اس کو سو کوڑے مار کر اپنا بدلہ لیلے۔ عمرو بن العاص اس پر معترض ہوئے اور کہا کہ اگر اس طرح پر آپ نے عاملوں کی شکائتیں سُننے کا دروازہ کھول دیا تو بہت واقعات اس قسم کے ہونے لگینگے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ جب رسول اللہ اپنے نفس سے بدلہ لیتے تھے تو میں کیوں اُس سے بدلہ نہ لونگا عمرو بن العاص نے کہا کہ آپ اس طرح سزا نہ دلوائیں ہم اسے راضی کر لینگے۔ یہ بات حضرت عمرؓ نے مان لی اور اس مستغیث کو اس طرح راضی کیا گیا کہ فی کوڑا دو دینار یعنی کُل دو سو دینار اُسے دلوائے گئے[1] اُن کا قول تھا کہ "جو عامل میرے عاملوں میں سے کسی پر ظلم کرے اور مجھ کو اس کے ظلم کا حال معلوم ہو جائے

[1] ازالۃ الخفا باب سیاست +

اگر میں اس کی اصلاح نہ کرونگا تو وہ ظلم میں نے ہی کیا ہو گا[1]

حضرت عمر کے فیصلوں میں نرمی اور رحم بھی شامل ہوتا تھا مگر ایسی نرمی اور رحم جس سے انصاف کے پہلو میں کچھ خلل نہ واقع ہوتا ہو۔ مثلاً ایک دفعہ چند آدمیوں نے مزینہ کے قبیلہ کے ایک شخص کی اونٹنی چرا کر اسے ذبح کر ڈالا۔ ہاتھ کاٹنا اس جرم کی سزا تھی حضرت عمر نے مزنی سے اونٹنی کی قیمت دریافت کی اس نے چار سو درم بتائے۔ مجرموں سے آٹھ سو درم تاوان دلوا کے چھوڑ دیا[2]

ایک قتل کے مقدمہ میں قاتل کو حضرت عمر کے پاس لائے ثبوت جرم پر قاتل کو سزائے موت کا حکم دیا۔ اسی اثنا میں مقتول کے دعویدار عزیزوں میں سے بعض نے معافی دیدی حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ کے مشورہ سے باقی ورثا کو دیت کے طور پر ایک رقم دلوا کر چھوڑ دیا[3]

ابو موسےٰ نے ایک دفعہ ایک شخص کو جو اسلام لانے کے بعد کافر ہو گیا تھا مروا ڈالا۔ حضرت عمر نے جب یہ واقعہ سنا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور کہا کہ اسے بند رکھ کر اس سے توبہ کیوں نہ طلب کی[4]

ایک دفعہ عبداللہ بن عمرو حضرمی اپنے غلام کو حضرت عمر کے سامنے لایا اور کہنے لگا کہ اس نے میری عورت کا آئینہ ساٹھ درم کا چرایا ہے اس کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیجئے حضرت عمر نے کہا کہ یہ تمہارا نوکر ہے۔ اس پر قطع کا حکم نہیں ہے[5]

اس قسم کے بہت واقعات ہیں۔ اور ان کے زمانہ کے مقدمات اور ان کے فیصلے موجود ہیں جن سے حضرت عمر کی فقہ مرتب ہوئی ہے۔ لیکن ہمارا مطلب صرف انکے عدل و انصاف کی چند مثالیں بیان کرنے سے تھا۔ ورنہ درحقیقت حضرت عمرؓ کا منصفانہ برتاؤ ان کے ہر ایک عمل اور کام سے ایسا ظاہر ہے کہ اس پر کسی دلیل اور زیادہ بیان کرنیکی حاجت نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر اور بعض اہل الرائے

---

[1] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک [2] ازالۃ الخفا باب احکام الخلافت و القضا [3] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک [4] ازالۃ الخفا باب حدود [5] ازالۃ الخفا باب حدود۔

صحابہ کے اقوال ہم اس بابت میں بیان کر چکے ہیں سر ولیم میور حضرت ابوبکر کی طبیعت کے ذکر میں لکھتا ہے کہ ان میں حضرت عمر کی سی قوت اور قوت فیصلہ نہیں تھی اور نہ انصاف کی حس ویسا ایک مادہ ایسا تیز اور قوی تھا[۱] اور دونوں خالدوں کا واقعہ اس کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔

حضرت عمر کی طبیعت کے ذکر میں مورخ مذکور لکھتا ہے کہ عدل و انصاف کا مادہ انکی طبیعت میں نہایت پختہ اور قوی تھا خالد کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے قطع نظر کرکے ان کے ظلم یا بے انصافی کا ایک واقعہ بھی نہیں مل سکتا اور خالد کے معاملہ میں بھی اس سے دشمنی کرنے کی یہ وجہ بھی تھی کہ وہ اپنے مغلوب دشمن کے ساتھ بے احتیاطی اور بے رحمی سے سلوک کرتا تھا۔ ان کی سلطنت میں مختلف قومیں اور مختلف جماعتیں اور فرقے جن کے اغراض اور حالات ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد تھے ان کی قابلیت میں انتہا درجہ کا اعتبار و اعتماد کئے ہوئے تھے اور ان کے مضبوط بازوؤں نے انتظام اور قانون اور عدل کی تعمیل کا سکہ بٹھایا ہوا تھا[۲]۔

سر ولیم میور کے یہ الفاظ کسی ادنے غور یا سرسری نگاہ سے دیکھ کر نہیں کہے گئے ہیں مگر تعجب ہے کہ گو خالد سے ناراضی کی وجہ کو اس نے خود بیان کر دیا ہے مگر اس کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا اس کو حضرت عمرؓ کے بے لوث اور پاک جامہ انصاف پر ایک ایسا دھبہ دکھاتا ہے اور ان کے عام اور سراسر انصاف سے اس واقعہ کو مستثنے کرتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ سر ولیم میور کی رائے پر کیا منحصر ہے خالد کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ بظاہر نظر شاید دوسروں کو بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہو۔ خالد کی بے نظیر بہادری اور شجاعت جو ہمدردی اس کی نسبت اس کی حالات پڑھنے والوں کے دلوں میں پیدا کر دیتی ہے وہ بہت جو اس کے ساتھ اس قسم کے سلوک کرانے کو دکھاتی ہے۔ یہ مانا کہ خالد سیف اللہ بہادر تھا اور دلیر ایسا کہ چشم فلک نے اس جیسے کم دیکھے ہیں شجاع تھا اور بے خوف ایسا کہ دنیا کی تاریخ میں تلاش کرنے سے اس جیسے نہیں پائے جائینگے کار آزمودہ سپہ سالار اور تجربہ کار جرنیل۔ فنون جنگ سے ایسا ماہر کہ دنیا کے سب سے بڑے سپہ سالار اس کی

[۱] انلس اوف خلافت صفحہ ۱۲۳ ۔ [۲] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۰۴ ۔

شاگردی پر فخر کرتے۔ اُس کی خونخوار تلوار اور اُس کی تیغ بے دریغ فتح اور نصرت کی دلیل
اور ضمانت تھی اُس کی ذات اور موجودگی بقول انگریزی مصنف کے قوت اور ہیبت کا
ایک برج تھی اُس کے نام سے کسریٰ اور قیصر کے شاہنشاہی محل کانپتے تھے اسلامی
فتوحات اُس کی شجاعانہ جانبازی کی کچھ کم ممنون نہیں ہے شجاعت اور بہادری
کے دفتر میں اُس کا نام سنہری حرفوں میں سب سے اوّل لکھا ہوا ہے اور اُس کی یاد
اب بھی مسلمانوں کی رگوں میں عربی خون کو جوش میں لے آنے کا ایک طلسم ہے +

مگر باینہمہ جیسا کہ اُس کے اِن بےنظیر اور یگانہ اوصاف کے واسطے لازمی تھا اور
جیسا کہ دُنیا کے سب سے بڑے جرنیلوں کے حالات میں ہم پاتے ہیں اُس کی بد احتیاطی
بے رحمی تک پہنچ جاتی تھی اور ناعاقبت اندیشی اور بیخوفی خوف خطر میں رکھتی تھی۔
اُس کے ذاتی افعال غیروں کی نظروں میں اسلامی خلافت کے نائب کے افعال
تھے اور خود اسلام اُس کے برتاؤ اور کردار کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا تاوقتیکہ
اُس کو مقاصد اسلامی کا ایک جزو سمجھا جاتا تھا۔ بسا اوقات انصاف اور اسلامی تعلیم کے
خلاف اُس سے ایسے امور سرزد ہوتے تھے جنکی تلافی بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ خود
آنحضرت صلعم کو خالد کی تندمزاجی اور بداحتیاطی پر افسوس کرنا پڑا تھا۔ بنی جذیمہ
کا واقعہ تاریخ کے مضمون سے مٹ نہیں سکتا۔ آنحضرت صلعم نے خالد کو سنہ ہجری
میں بنی جذیمہ کی طرف اسلام کی ہدایت کے واسطے بھیجا تھا مگر وہ پہلے سے مسلمان
ہو چکے تھے اسلام کا اقرار کرتے وقت اُن کے مُنہ سے "اسلمنا" کی جگہ غلطی سے "صبانا"
نکل گیا جس سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے اپنا پہلا دین چھوڑ دیا ہے۔ خالد نے
نہ سمجھا اور اُن کو قید کر لیا اور صبح کے وقت اُن کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ مہاجرین
اور انصار کے پاس جس قدر قیدی تھے وہ اُنہوں نے نہ مارے اور چھوڑ دئیے مگر
بنی سلیم نے بہت سے قیدیوں کو قتل کر دیا۔ آنحضرت صلعم کو جب اِس واقعہ کی خبر ہوئی
تو آپ کو نہایت سخت صدمہ گذرا اور خالد کے کام سے ناراض ہوئے۔ اور فرمایا کہ
اے خدایا جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اُس سے بری ہوں۔ اِسی طرح ایک دفعہ خالد نے

عمار بن یاسر پر سختی کی اور سخت و سست کہا جس سے وہ ناراض ہو گئے۔ اور آنحضرت صلعم
کے روبرو شکایت کی۔ آنحضرت نے خالد کو فرمایا کہ عمار سے تیرا کیا کام تھا وہ تو ایک جنتی
آدمی ہے جو بدر میں حاضر ہوا ہے عمار کو بھی سمجھایا اور خالد نے معافی مانگی +

حضرت ابو بکر کے زمانۂ خلافت میں خالد سے جو زیادتیاں ہوئیں وہ کسی طرح ناقابل
توجہ نہ تھیں۔ مالک بن نویرہ کے مسلمان ہونے اور بےگناہ قتل کا واقعہ حضرت عمرؓ کے
نزدیک ثابت تھا۔ اگر خالد کا حکم سمجھنے ہی میں غلطی ہوئی تھی تو کم سے کم اسکی حسین
عورت سے اسی وقت نکاح کرنا۔ جب کہ اُس کے مقتول شوہر کا خون زمین پر خشک بھی
نہیں ہوا تھا نہایت سرد مہر اور بے ضبط طبیعت کا کام تھا جس کو اسلامی تعلیم روا
نہیں رکھ سکتی تھی۔ خالد کا عراق میں بے دریغ و بلا امتیاز قتل کا حکم دینا بھی حضرت
عمر کی انصاف پسند طبیعت پر ایک بار تھا۔ لیس کی لڑائی میں قتل عام کا حکم دینا
اور اسی طرح خون کا دریا بہانے کی قسم کھا لینا کوئی معمولی قابل چشم پوشی امور نہ تھے
خالد کی تمام زیادتیوں اور بے احتیاطیوں کو شمار کرنا ایک طویل اور غیر ضروری کام ہے
وہ خود ہی لوگوں میں انعام و اکرام بھی تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ حضرت عمر نے ایک دفعہ حضرت ابو بکر
سے لکھوایا کہ بغیر ہماری اجازت کے کسی کو کچھ نہ دے جس کے جواب میں اُس نے لکھا
کہ مجھ کو میرے کام پر چھوڑ دیجئے جو چاہوں کروں اور جس کو چاہوں دوں حضرت
عمر ایسے جواب کو کب سننے والے تھے۔ فوج کو بے سردار چھوڑ کر بے اطلاع اور بلا اجازت
مکہ معظمہ کو حج کرنے چلا آنا بھی کچھ معمولی بے احتیاطی نہ تھی۔ حضرت عمرؓ کے انصاف
اور دور اندیشی اور احتیاط کے نزدیک اِس قسم کی تمام زیادتیاں اور بے احتیاطیں
ناقابل معافی تھیں۔ مگر حضرت ابو بکر کا درگذر کرنا اور خالد کو تنبیہ کر کے چھوڑ دینا بھی
ایک ایسا فیصلہ تھا جس کے خلاف یا انحراف کرنا حضرت عمر اِس تعظیم اور ادب کے
لحاظ سے جو وہ اپنے زمانۂ خلافت میں بھی حضرت ابو بکرؓ کا کرتے تھے روا نہیں
رکھ سکتے تھے پس سب سے پہلے جو منصفانہ تدبیر اور دور اندیشی کی تجویز کی وہ یہ تھی
کہ خالد کو سپہ سالاری عراق سے روک کر حضرت ابو عبیدہ کے ماتحت شام میں مقرر کیا

خالد کی جزوی بے احتیاطیوں کی شکایت رہتی تھی مگر معاف کر دی جاتی تھی۔ شام کے فتح
ہو جانے پر خالد قنسرین کا امیر اور عامل مقرر ہو گیا۔ مگر اُس کی طبیعت نہیں بدل سکتی
تھی۔ زمانہ اور تجربہ اور عمر نے اُس پر بہت کم اثر کیا۔ حضرت عمر کا قیاس کہ میں آلِ مغیرہ
کو آتشین طبیعت کا سمجھتا ہوں غلط نہیں تھا۔ شام کی لڑائیوں کے زمانہ میں خالد
کا ابو عبیدہ کو حصار سے باہر نکل کر جنگ کرنے کی رائے دینا حضرت عمر کی نظروں میں سخت
بے احتیاطی اور ناعاقبت اندیشی اور اپنی قوت پر غرور کا اظہار تھا اس سے ناراض
ہوئے ہی تھے کہ دو اور اہم شکائتیں اُس کی نسبت پہنچیں اول یہ کہ حمام میں جا کر
خالد شراب ملی ہوئی خوشبو استعمال کرتا ہے۔ اور دوسرے اشعث بن قیس الکندی ایک
شاعر کو اپنی تعریف میں ایک قصیدہ کے صلہ میں ایک ہزار دینار[1] خالد نے انعام دیا ہے
پہلے الزام سے تو خالد نے قسم کھائی اور بری ہو گیا دوسری شکایت بلحاظ واقعہ کے صحیح
تھی۔ ہزار دینار بہت بڑی رقم تھی اور حضرت عمر نے اُس کی تحقیقات کرنی چاہی۔
ابو عبیدہ کے نام حکم بھیجا کہ خالد کو حمص میں بُلا کر مسلمانوں کی جماعت کے سامنے
اُس کے ہاتھ باندھ کر اُس سے دریافت کرے کہ یہ روپیہ بیت المال سے صرف کیا ہے
یا اپنی گرہ سے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ خالد نے کہا کہ میں نے اپنی گرہ سے خرچ کیا
ہے۔ اُسی وقت ہاتھ کھول دیئے گئے اور اُس کی وہی تعظیم و تکریم کی گئی[2]۔

خالد کا اپنی گرہ سے بھی اتنی بڑی رقم ایک شاعر کو انعام دینا حضرت عمر کے نزدیک
فضول خرچی کا ایک ناقابل معافی جرم تھا اُس کو قنسرین کی حکومت سے مدینہ بُلا لیا مگر
اطراف میں سب جگہ لکھا کہ خالد کی معزولی بہ سبب خیانت کے نہیں ہوئی بلکہ اس سبب سے
کہ اُن کے دل میں خیال تھا کہ یہ سب فتوحات اُس کی مدد سے حاصل ہوئی ہیں
حالانکہ یہ سب خدا سے منسوب کرنا چاہیے[3] ہو سکتا ہے کہ اصل مطلب حضرت عمر کا اسکی
نسبت اِس قسم کی شکایات کے سلسلہ کو منقطع کرنیکا ہو۔ خالد آخر حمص میں جا رہا۔ اور

[1] سر ولیم میور ایکہزار دینار اور طبری دس ہزار درم لکھتا ہے۔ انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۲۰ اور طبری صفحہ ۲۸۹
[2] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۲۰ و ازالۃ الخفا باب سیاست۔ [3] ازالۃ الخفا باب سیاست۔

حضرت عمر کی خلافت کے آٹھویں سال میں اُن کا انتقال ہوا رضی اللہ تعالےٰ عنہ ؎
غرض یہ واقعہ ہے خالد اور اُس کے ساتھ سلوک کئے جانے کا اور تعجب ہے کہ کوئی
شخص اُس کو حضرت عمر کی بے انصافی پر محمول کرے جو خدا اور اپنے پاک مذہب کے روبرو
خلق اللہ کے ساتھ انصاف اور عدل اور رحم اور فیاضی سے برتاؤ کرنے کے اپنے آپ کو
جوابدہ سمجھتے تھے اور کسی کی کارآمد بہادری اور شجاعت کو انصاف کے روبرو ہیچ
جانتے تھے - اس واقعہ کے سوا اور بہتیرے واقعات اسی قسم کے ہیں جو غور کرنے سے
معلوم ہو سکتے ہیں ؎

حضرت عمر جیسے کہ انصاف اور سچائی کے حامی اور پُشت و پناہ تھے ایسی ہی اس
صفت والوں اور حق کے پہچاننے والوں کے عاشق تھے - مثلاً ایک رات کو آپ اپنے
غلام اسلم کے ساتھ مدینہ میں گشت کر رہے تھے کہ دم لینے کے واسطے ایک مکان کی دیوار
کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ گئے - ایک بڑھیا کی آواز سُنی کہ وہ اپنی لڑکی کو کہہ رہی ہے کہ
اُٹھ پانی دودھ میں ملا دے - لڑکی نے جواب دیا کہ تو نے نہیں سُنا کہ حضرت عمر نے
ڈھنڈورا پٹوایا ہے کہ دودھ میں پانی مت ملاؤ - اُس کی بڑھیا ماں نے جواب دیا
کہ اس وقت نہ امیر المومنین دیکھ رہا ہے نہ اُس کا ڈھنڈورچی - لڑکی نے جواب دیا
کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ ظاہرا اطاعت کریں اور درپردہ گناہ کریں - حضرت
فاروق اعظم اس کو سُن کر بے انتہا درجہ خوش ہوئے اور اپنے غلام کو اُس مکان کا
نشان یاد رکھنے کو کہہ کر چلے آئے اور اگلے دن اُس لڑکی کو بلوایا اور اپنے بیٹے عاصم
سے نکاح کروا دیا ؎ - کہا کرتے تھے کہ اگر مجھ کو عورت کی ضرورت ہوتی تو میرے سوا اس کے ساتھ
کوئی نکاح نہ کرتا - اسی کی نسل سے حضرت عمر بن عبد العزیز وہ عادل اور خدا ترس خلیفہ
تھے جن کو خلفاء الراشدین میں پانچواں خلیفہ شمار کرتے ہیں ؎

غرض حضرت عمر کا عدل و انصاف دنیا میں یادگار رہا اور ہمیشہ یادگار رہیگا
مظلوم اُن کے نام سے فریاد کرتے رہے ہیں اور کرتے رہینگے - خلیفہ مامون الرشید کے

؎ ازالۃ الخفا باب گشت ؎

وقت میں ایک دِن کسی سپاہی نے ایک شخص کو بیگار میں پکڑا - وہ دردناک آواز سے چلّایا "واعمراہ" یعنی ہائے عمرؓ تم کہاں ہو - مامون کو اطلاع ہوئی اُس شخص کو طلب کیا اور کہا کہ کیا حضرت عمر کا عدل تجھ کو یاد آیا اُس نے کہا ہاں مامون نے کہا خدا کی قسم اگر میری رعیّت حضرت عمرؓ کی سی رعیّت ہوتی تو میں اُن سے بھی زیادہ عادل ہوتا - خیر یہ تو ایک کہنے کی بات تھی دراصل حضرت عمرؓ کی رعایا بھی اِس سبب سے ایسی تھی - کہ حضرت عمرؓ نے اُس کو ایسا بنایا تھا - مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نام سے جو فریادیں کی جاتی تھیں وہ سُنی بھی جاتی تھیں کیونکہ مامون نے اُس کو انعام دلوایا اور سپاہی کو موقوف کر دیا[۱] +

عمّال اور امیروں اور حاکموں اور ہر ایک قسم کے عہدہ داروں کا مقرر کرنا ایک نیا اور مشکل کام تھا اور اُس کے واسطے نہایت واقفیّت اور مردم شناسی درکار تھی حضرت عمر کے عہدہ انتخاب اُن کی کامیابی سے ظاہر ہونگے +

عہدہ داروں کے تقرر کے وقت عموماً اس قسم کی ہدائتیں اُن کو کرتے تھے +

دروازے پر چوبدار اور حاجب نہ رکھیں مستغیث کو آنے کی کوئی روک نہ پیدا کریں گویا ہر وقت عدالت کا دروازہ کُھلا رہنے کا حکم تھا +

جب کوئی استغاثہ کرے اُس کو سُننا اور مدعی سے گواہ عادل اور منکر سے قسم لیکر اُس کو فیصلہ کریں - عادل وہ سمجھا جائے جس پر حدِ شرعی جاری نہ ہوئی ہو یا جھوٹی شہادت میں مشہور نہ ہو اُس پر محبّت اور وراثت کی تُہمت نہ ہو - اگر گواہوں کی حاضری کے واسطے مہلت مانگی جائے تو مُہلت دیں +

فیصلہ کتاب اور سُنّت کے رو سے کریں - اور جن امور کی نسبت کتاب اور سُنّت میں حُکم نہ ہو اپنی فہم اور رائے سے فیصلہ کریں +

مُقدّمات کا فیصلہ جلد کریں تاکہ مدعی دیر کے سبب اپنا دعوے چھوڑ دینے کو مجبور نہ ہو باہم مصالحہ اور رضامندی کو بشرطیکہ اُس سے تحلیل حرام اور تحریم حلال نہ ہو منظور کریں

[۱] المامون حصّہ دوم صفحہ ۲۹ +

جو فیصلہ ایک دن کیا گیا ہو اُس پر نظر ثانی کرنی جائز ہے اور اگر نظر ثانی میں پہلا فیصلہ غلط معلوم ہو تو اُس کو باطل ٹھہرا دے +

متخاصمین پر سختی اور درشتی اور غصہ نہ کریں +

رُعب قائم رکھیں مگر نہ اتنا کہ وہ منجر بہ جبر ہو اور اخلاق و نرمی کریں مگر نہ اتنی کہ حکومت میں سستی اور بے رُعبی ہو +

ہمیشہ عدل اور انصاف اور حق کو قائم رکھیں[۱] +

جس مقدمہ کا فیصلہ نہ ہو سکے اور وقت واقع ہو اُس کو میرے پاس بھیج دیں +

غرض اسی قسم کی ہدایات کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً ضروری ہدایات کے متعلق تحریری احکام جاری کرتے تھے +

عمیر بن ثابت سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ جس وقت کسی شخص کو عامل مقرر کرتے تو اُس سے انصار و اصحاب کے روبرو چار اقرار لیتے اول یہ کہ گھوڑے پر سوار نہ ہو۔ باریک کپڑے کو نہ پہنے اور لذیذ و نفیس کھانے نہ کھائے۔ تیسرے حاجت مند لوگوں پر دروازہ بند نہ رکھے چوتھے حاجب اور دربان نہ مقرر کرے[۲] +

اہل فوج کے واسطے یہ ضروری ہدایات تھیں کہ جاڑوں میں دھوپ کھانا نہ چھوڑیں گھوڑوں پر رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں اور موٹے کپڑے استعمال کریں[۳] +

جیسے کہ آپ اکثر ضروری اور مفید ہدایات تحریری جاری کرتے تھے ایسے ہی خطبوں میں پند و موعظت عاملوں کے واسطے فرماتے تھے +

ایک دن خطبہ میں فرمایا کہ اے خدا میں تجھ کو شہروں کے امیروں پر شاہد کرتا ہوں میں نے اُن کو اس واسطے بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو اُن کا دین سکھلاویں نبی کی سُنت سے آگاہ کریں غنیمت کو تقسیم کریں اُن میں عدل پھیلائیں۔ اور کسی امر میں اگر دقت واقع ہو تو اُس کو میری طرف بھیج دیں[۴] +

پھر فرمایا کہ اے لوگو۔ خدا کی قسم ہے میں نے اپنے عاملوں کو تمہاری طرف

[۱] ازالۃ الخفا باب احکام الٰہی بابت القضا و تہذیب الاخلاق جلد اول صفحہ ۱۳۱ [۲] ازالۃ الخفا باب سیاست [۳] ازالۃ الخفا باب سیاست +

اِس لئے نہیں بھیجا کہ تمہاری کھال اُتاریں یا تمہارے مال چھینیں بلکہ اس واسطے بھیجا ہے کہ تم کو تمہارا دین اور سُنّت سکھلائیں پس جس شخص کے ساتھ اس کے خلاف سلوک ہو وہ میرے پاس مرافعہ کرے خدا کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اُس سے بدلہ لونگا"[۱]

عمرو بن العاص نے ایک دن اسی پر اعتراض کیا اور کہا تھا کہ اگر کوئی عامل اپنی رعیت کو ادب سکھانے کے واسطے کچھ کہیگا تو آپ اُس سے بھی بازپرس کرینگے۔ آپ نے جواب دیا کہ بیشک کرونگا اور بدلہ لونگا۔ میں نے رسول اللہ صلعم کو اپنے نفس سے بدلہ لینے دیکھا ہے میں اُن سے کیوں نہ لونگا +

عاملوں کو اِس امر کی تاکید کیا کرتے تھے کہ مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے واسطے نہ ماریں۔ اُن کو صدود پر گھر آنے سے روکے نہ رکھیں کہ وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاوینگے اُن کے حقوق اُن سے نہ روکیں کہ وہ باغی ہو جاوینگے[۲] ایسی ہی پند و موعظت اور ہدایت اُن کے اکثر خطبوں میں موجود ہے۔ تحریری احکام اور ہدایت میں بڑے امیروں کو خصوصاً اور تمام عہدہ داروں اور اہلکاروں کو عموماً نیکی اور خدا پرستی اور خدا ترسی اور بھلائی کرنے اور سادگی عادات کو نہ چھوڑنے کی ہدایت اور نصیحت کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر تم نیک ہو گے تو تمہاری رعیت بھی نیک ہو گی ورنہ اِس کا برعکس ہو گا۔ زیادہ ستانی اور جبر سے منع کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ عاملوں کو صدقہ کے بارہ میں لکھا کہ جب زکوٰۃ وصول کرو تو لوگوں کو بند نہ کئے رکھو جن کا کام پہلے ہو جائے اُنہیں جانے دو۔ کیونکہ اُن کے مویشی بند رہنے سے ہلاک ہونگے۔ جب مال مویشی میں سے صدقہ لو تو نہ بہت عمدہ منتخب کر کے لو اور نہ بہت کم درجہ کا بلکہ اوسط قسم سے صدقہ لینا چاہئے۔ اگر کسی کو ایک سال کا جانور دینا ہو اور وہ اُس کے مویشیوں میں نہ ہو تو اُسی حیثیت کا مال یا قیمت لے لینی چاہئے نیز دُم اور حاملہ جانور نہ لینے چاہئیں اس سے اُن کا بہت نقصان ہوتا ہے[۳]

---

[۱] ازالۃ الخفا باب سیاست۔ [۲] ازالۃ الخفا باب سیاست [۳] ازالۃ الخفا بیکلمات حضرت عمرؓ

غرض تمام امور میں اور ہر ایک قسم کی ضروریات کے متعلق جزئیات تک ہدائتیں فرماتے تھے جو انصاف اور عدل پر مبنی ہوتی تھیں عمال کے واسطے پہلا ضابطہ اور دستور العمل اور قانون کتاب اور سنت تھے اس کے بعد حضرت عمرؓ کی ہدایات اور قواعد تھے جو وہ مقرر کرکے اُن کو اطلاع دیتے رہتے تھے۔ اور حضرت عمر کے فیصلوں اور طریق کے نظائر تھے جن سے وہ آگاہ ہوتے رہتے تھے۔ اور اس کے بعد ضرورتاً وہ اپنے فہم اور رائے اور قیاس کو کام میں لاتے تھے جس پر نظر ثانی اور مرافعہ کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ گویہ دستورات اپنی سادہ اور ابتدائی حالت میں تھے مگر عدل اور انصاف اور امن اور آسائش کے واسطے جو اُن کی غرض تھی پوری ضمانت تھی +

امیروں اور عاملوں کے تقرر اور اُن کو ہدائتیں کرنے کے بعد حضرت عمر کا کام اُن کی نگرانی اور خبر گیری کرنے کا تھا جو وہ عجیب وغریب طریقہ میں ہر ایک ممکن وسیلہ سے کرتے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ "جو عامل میرے عاملوں سے کسی پر ظلم کرے اور مجھ کو اُس کے ظلم کا حال معلوم ہو جائے اگر اُس کی اصلاح نہ کروں تو وہ ظلم میں نے ہی کیا ہوگا"۔ پس وہ نگرانی اور خبر گیری میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتے تھے نگرانی کے مختلف طریقوں میں سے ایک عمدہ تدبیر حضرت عمر کی یہ تھی کہ حج کے وقت تمام صوبوں کے امیر حج کرنے کے واسطے مکہ آتے تھے۔ اور عامہ مسلمین بھی جمع ہوتے تھے سب کو اپنے حالات عرض کرنے کی اجازت دی جاتی تھی۔ مدینہ کے راستہ سے واپس ہوتے ہوئے ان امیروں کو اپنے صوبہ کے حالات اور ضروریات بیان کرنے اور حضرت عمر کو ہدایات جاری کرنیکا مزید موقع ملتا تھا۔ بقول سرولیم میور کے "درحقیقت یہ موقع لوکل گورنمنٹ کی زبانی سالانہ رپورٹ سُنا دینے کا بہت ہی عمدہ کام دیتا تھا"[1] حضرت عمرؓ نے اُن برکتوں سے جو خداوند تعالےٰ نے حج کے پُرحکمت فرض میں رکھی تھیں اس عملی صورت میں ایسا قیمتی فائدہ اُٹھانے کی ایک عمدہ تدبیر نکالی تھی +

---

[1] اناس اوف خلافت صفحہ ۲۶۳ +

اِس کے سوا نگرانی کی غرض کے واسطے اپنے اور صوبوں کے عہدہ داروں کے دربار میں ایلچی اور کارندہ اور جاسوس اور اُن کے حال کی نگرانی کرنے کے واسطے خاص لوگ مقرر کئے تھے جو عموماً اُن کو خبریں دیتے رہتے تھے۔ اِس کے علاوہ جو موقع اُن کے دریافت حال کا ملتا اُس سے بھی فائدہ اٹھاتے تھے جو مسلمان مختلف صوبوں سے مدینہ کو آتے تھے اُن سے صوبہ کے امیر کا حال اپنے طور پر دریافت کر لیتے تھے اگرچہ ہر ایک شخص کے واسطے اپنی سادگی اور سادہ خوراک اور خورش اور پوشش میں اعتدال رکھنے کا عام طور پر تاکیدی حکم تھا مگر عاملوں اور امیروں کو چونکہ ایسے عادات اور اطوار کو چھوڑ دینے اور تعیش اور آرام طلبی میں پڑ جانے کا زیادہ موقع تھا اس لئے اُن کی اِس امر میں خاص نگرانی کرتے تھے اور خصوصیت سے اقرار بھی لے لیتے تھے۔

ایک دن کسی شخص نے شکایت کی کہ عیاض بن غنم تیری شرطوں کو پورا نہیں کرتا ہے۔ باریک کپڑے پہنتا ہے اور دربان رکھتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو جو عاملوں پر اُن کی طرف سے قاصد مقرر تھا بلایا اور حکم دیا کہ عیاض کو تو جس حالت میں پائے میرے پاس لے آ۔ چنانچہ قاصد نے جا کر دیکھا تو واقعی دروازے پر حاجب تھا اور عیاض باریک کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ قاصد کے پیغام سے مطلع ہو کر اُس نے کچھ فرصت چاہی مگر نہ ملی اور اسی حال میں حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کے باریک کپڑے اُتروا کر اُون کا کرتہ اُس کو پہنایا۔ ہاتھ میں ایک عصا پکڑا دیا اور ایک بکریوں کا ریوڑ چرانے کے واسطے اُس کے سپرد کر دیا۔ گرمی کا موسم تھا تنگ ہوا اور چلا اُٹھا کہ الموت خیر من ہذا حضرت عمرؓ نے کہا کہ تیرے باپ کا نام تو غانم (گڈریا) تھا اور بکریاں چراتا تھا تو اُس کو اور میری ہدایات اور اپنے اقرار کو بھول گیا غرض اُس کو حکومت سے معزول کر دیا۔

حضرت عمرؓ اپنے عمال کو بعض وقت اتنے قصور پر بھی معزول کر دیتے تھے کہ

ملے ازالۃ الخفا باب سیاست۔

مریضوں کی عیادت یا خبر گیری نہ کرتا ہو اور مفلس لوگ اُسکے پاس دخل نہ پا سکتے ہوں[۱]۔

کسی عمال کا اپنے واسطے جاگیر وغیرہ پیدا کرنا جس کی عام ممانعت تھی ایسا ہی قصور تھا یعلی بن امیہ کی بہ نسبت جو یمن کے بعض شہروں پر امیر تھا اسی قسم کی شکایت گذری تو اُس کو حکم بھیجا کہ مدینہ تک پاؤں چلتا آوے پانچ چھ دن کا راستہ وہ پاؤں چلا تھا کہ حضرت عمرؓ کے وفات پانے کی خبر پا کر وہ سوار ہو لیا[۲]۔

اپنے عمال کی نسبت وہ بد اخلاقی کے شبہ کو بھی روا نہیں رکھتے تھے نعمان بن عدی کو میسان کا امیر مقرر کیا۔ اُس نے اپنی عورت کو میسان کی طرف ساتھ لے جانا چاہا مگر اُس نے انکار کیا۔ نعمان نے وہاں پہنچ کر ایک خط میں کچھ اشعار اپنی عورت کو ترغیب دینے کے واسطے لکھے جن کا مضمون اس قسم کا تھا کہ تیرا خاوند چینی اور کانچ کے پیالوں میں پانی پیتا ہے۔ گاؤں کے دہقان اور حسین عورتیں اُس کو گانا سناتی ہیں وغیرہ۔ حضرت عمرؓ کو یہ حال معلوم ہو گیا اور اُس کو معزول کر کے واپس بلا لیا۔ اُس نے مدینہ آ کر عذر کیا کہ میں کسی ایسے فعل کا مرتکب نہیں ہوا صرف اشعار میں یہ بیان کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہی صحیح ہوگا مگر تجھ کو ہمیشہ کے واسطے عامل رہنا ضروری نہیں ہے[۳]۔

بعض بیرونی مصلحتوں کے خیال کا اظہار اُن کو اپنے خیالات سے روک بھی دیتا ہو مگر یہ شاذ واقعہ ہے جو ہر ایک سے نہیں ہو سکتا تھا۔ یزید بن ابی سفیان جب فوت ہو گیا تو اُس کی جگہ اُس کے بھائی معاویہ کو شام میں امیر مقرر کیا۔ حضرت عمر شام کے سفر میں جب وہاں پہنچے اور معاویہ بڑے لشکر کے ساتھ اُن کو آ کر ملا۔ حضرت عمر کی نظروں میں یہ بات کھٹکی اُس کی نسبت یہ بھی سنا تھا کہ وہ دروازے پر حاجب رکھتا ہے۔ اُس سے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتا ہے معاویہ نے جواب دیا کہ شام کا ملک جہاں میں رہتا ہوں اس قسم کا ہے کہ دشمن کے جاسوس وغیرہ بہت آتے ہیں۔ میں اس امر کو پسند کرتا ہوں کہ سلطان کی عزت کو اس طرح ظاہر کروں جس سے

[۱] ازالۃ الخفا باب سیاست [۲] ازالۃ الخفا باب سیاست [۳] ازالۃ الخفا باب سیاست صفحہ ۲۷۔

لوگ ڈریں اگر آپ حکم دینگے تو میں ایسا کرونگا ورنہ چھوڑ دونگا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا
کہ تیری باتیں ایسی مدلل ہی ہوتی ہیں۔ جو کچھ تو نے کہا ہے اگر یہ سچ ہے تو ایک
معقول بات ہے۔ اگر جھوٹ ہے تو دانا کی فریب دہی ہے[۵۱]۔

اپنی گشت میں بھی لوگوں سے اُن کے امیروں کا حال پوچھتے رہتے تھے۔
ایک دن اہل حمص سے اُن کے امیر کا حال پوچھا اُنھوں نے بیان کیا کہ یا امیرالمومنین
وہ امیر اچھا ہے مگر اتنی بات اُس نے کی ہے کہ اپنے رہنے کے واسطے بالاخانہ بنایا
ہے حضرت عمرؓ نے اُس کو مدینہ بُلالانے کے واسطے خط دیکر قاصد بھیجا اور کہا کہ
اُس کے بالاخانہ کے دروازے کو جلا دینا۔ قاصد نے جب وہاں پہنچ کر دروازہ
جلانے کے واسطے لکڑیاں اکٹھی کیں تو لوگوں نے امیر کو خبر کی۔ وہ قاصد سے ملا
اور خط اُس کے ہاتھ سے لیلیا اور اُسی گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کو روانہ ہوا۔
حضرت عمرؓ نے تنبیہاً اُس کو یہ سزا دی کہ تین دن دھوپ میں کھڑا رکھا اور چوتھے دن
اُسے ساتھ لے کر صدقہ کے جانوروں کے مکان کی طرف گئے اور اُسے کہا کہ ان اونٹوں
کو پانی پلا اور جب تک وہ تھک نہ گیا اسے نہ چھوڑا۔ پھر پوچھا اے ابن قرط۔ یہ
کام کو تو نے کتنی مدت تک کیا ہے اُس نے جواب دیا کہ اے امیرالمومنین بہت
مدت تک۔ کہنے لگے کہ اس لئے تو نے بالاخانہ بنایا ہے۔ کہ مسلمانوں اور یتیموں
اور رانڈوں پر اپنی بڑائی ظاہر کرے۔ خبردار پھر ایسا عمل نہ کیجو اُسے اپنی حکومت
پر واپس بھیجدیا[۵۲]۔

اگرچہ حضرت عمرؓ سادگی اور قدیم سادہ اطوار و عادات کے قائم رکھنے کی تاکید کرتے تھے
مگر اُس کو ایسے درجہ پر پہنچا ہوا دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے جو لوگوں کی نظروں میں
ذلیل اور خوار دکھائی دے۔ یمن کا ایک عامل جب ایک دفعہ اُن کے پاس آیا تو ایک
قیمتی چادر اوڑھے ہوئے تھا بالوں میں تیل لگائے ہوئے اور کنگھی کیے ہوئے تھا
حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اُس کو اُون کے کپڑے پہنا دئیے جائیں۔ اُن کی حکومت کا

---

[۵۱] ازالۃ الخفا باب سیاست [۵۲] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت

جب حال دریافت کیا تو بہت عمدہ معلوم ہوا اور اُس کو واپس بھیج دیا۔ دوسری دفعہ جب وہ آیا تو اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر گرد و غبار پڑا ہوا تھا کپڑے میلے اور پھٹے ہوئے تھے حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہمارے عاملوں کو ایسے حال میں بھی نہیں رہنا چاہئے کہ کپڑے میلے اور پھٹے ہوں اور بال بکھرے ہوئے ہوں۔ کھاؤ اور پیو اور تیل لگاؤ تم جانتے ہو میں کون سی بات کو بُرا جانتا ہوں[۱]۔

امیر اور مختلف کاموں کے عامل اپنے اپنے کام کے ذمہ دار اور خود مختار تھے معلمان مذہب کسی کی تابعداری سے آزاد اور خود مختار تھے۔ ایک دفعہ معاویہ اور عبادہ بن صامت کے درمیان کسی امر میں اختلاف اور تکرار ہو گیا۔ معاویہ نے اُنکو سخت سُست کہا عبادہ ناراض ہوئے اور شام سے چلے آئے کہ معاویہ کے ساتھ ایک جگہ کبھی نہ رہینگے۔ جب مدینہ پہنچے تو حضرت عمرؓ نے اُن کے چلے آنے کی وجہ دریافت کی اُنھوں نے تمام ماجرا بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے اُن کو کہا کہ اپنے کام پر واپس چلے جائیں کہ ملک کو اُن کی ضرورت سب سے زیادہ ہے اور معاویہ کو لکھا کہ عبادہ پر تیری کسی قسم کی حکومت نہیں ہے[۲]۔

عاملوں کے صحیح الحواس اور تندرست ہونے کا بھی خیال رکھتے تھے مگر ساتھ ہی اُن کے اوصاف کی قدر کرتے تھے۔ سعید بن عامر جحمی کو شام میں عہدے دیکر بھیجا۔ کچھ عرصہ بعد سُنا کہ اُس کو مرگی آتی ہے اس کو واپس بلا بھیجا۔ جب وہ آیا تو اپنی پوری سادہ حالت میں تھا ایک پیالہ اور ایک توشہ دان اُس کا کل اسباب تھا۔ اُس سے دریافت کیا کہ تیرے بیہوش ہو جانے کی خبر کہاں تک صحیح ہے اُس نے جواب دیا کہ جب خبیب سولی پر چڑھایا گیا تھا تو میں حاضر تھا اُس نے قریش کے حق میں بددعا کی جن میں میں بھی تھا جب وہ واقعہ یاد آتا ہے تو ناطاقتی سے بیہوش ہو جاتا ہوں حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر اُس کو اپنے عہدے پر واپس جانے کو کہا مگر اُس نے اصرار سے انکار کیا اور حضرت عمرؓ نے معاف کر دیا

---

[۱][۲] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

اور بعض روایات میں اُس کو حمص کا امیر بنا کر بھیجا[5]

حضرت عمرؓ کے اچھے عاملوں کا نمونہ جیسے کہ اُن کے اکثر عامل تھے عمیر بن سعد انصاری کے حالات سے دیکھا جا سکتا ہے۔ عمیر کو انہوں نے حمص کا امیر بنا کر بھیجا جہاں وہ ایک سال تک رہا مگر اس عرصہ میں کوئی خبر نہ آئی۔ حضرت عمرؓ نے خط بھیج کر اُسے بلا بھیجا وہ اپنا توشہ دان اور پیالہ اور لوٹا اور عصا لئے ہوئے پاؤں چلتا ہوا مدینہ پہنچا سفر میں چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ منہ پر گرد و غبار جما ہوا تھا اور بال بڑھے ہوئے تھے جب وہ حضرت عمرؓ کے سامنے پہنچا تو حضرت عمرؓ نے اُس کا حال پوچھا اُس نے کہا یہی حال جس میں آپ دیکھتے ہیں۔ اُس سے پوچھا کہ تو پیادہ کیوں آیا ہے۔ اگر تیرے پاس اپنی سواری نہ تھی تو کسی سے مانگ لی ہوتی اور مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ وہ تجھے سواری دیتے اُس نے جواب دیا کہ نہ میں نے کسی سے مانگی اور نہ کسی نے دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا وہ بُرے مسلمان ہیں۔ عمیر نے جواب دیا آپ بُرا کیوں کہتے ہیں وہ نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تو نے اپنی حکومت میں کیسا عمل کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ آپ کے بتائے ہوئے پر عمل کیا جو کچھ آپ نے لکھا اُس پر بھی عمل کیا۔ شہر میں صالحین لوگوں کو مال جمع کرنے پر مقرر کیا اور محل مناسب پر خرچ کیا۔ اگر اُس میں سے کچھ بچتا تو آپ کے پاس لے آتا۔ حضرت عمرؓ نے کہا تُو تو کچھ نہیں لایا۔ اُس نے کہا نہیں حضرت عمرؓ نے اُسے پھر امیر بنا کر بھیجنا چاہا۔ مگر اُس نے عذر کیا اور کہا کہ میں اس کام کو نہیں کرونگا۔ نہ اب اور نہ پھر کبھی۔ میں نے ایک دن ایک ذمی نصرانی کو کہا تھا کہ "اللہ تجھے خوار کرے"۔ اور آج تک پچھتاتا ہوں کہ میں نے کیوں کہا اگر تو مجھے امیر نہ مقرر کرتا تو میں کیوں ایسا لفظ کسی کو کہتا۔ وہ دن بُرا تھا جس روز میں تیرے پاس آتا تھا۔ عمیر اجازت لے کر اپنے گھر کو جو قبا میں تھا چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے کچھ دنوں کے بعد حارث کو سو دینار دے کر عمیر کی طرف بھیجا اور اُس کو کہا کہ یہ

---

[5] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ۔

دینار لے کر عمیر کے پاس جا۔ اگر اُس کو آسودہ پائے تو دینار واپس لے آئیو اور اگر تنگ حال
میں پائے تو اُس کو دے دیجو۔ حارث جب عمیر کے گھر پہنچا وہ دیوار سے تکیہ لگائے بیٹھا
ہوا اپنے کپڑے صاف کر رہا تھا۔ حارث اُس سے ملا اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگا اور بتایا
کہ میں مدینہ سے آیا ہوں۔ عمیر نے پوچھا کہ تو نے امیر المومنین کو کس حال میں چھوڑا
اُس نے جواب دیا اچھے حال میں۔ پھر پوچھا مسلمانوں کا کیسا حال ہے کہا اچھا ہے
غرض حارث وہاں تین دن تک رہا اور دیکھا کہ جو کی روٹی اسی قدر اُن کو میسر آتی
جتنی وہ اُس کو کھلا دیتے ہیں اور خود بھوکے رہتے ہیں۔ اور اب تنگ آ گئے ہیں۔
حارث نے وہ دینار نکالے اور کہا کہ یہ امیر المومنین نے تمہارے پاس بھیجے ہیں ان کو
اپنے کام میں لاؤ اور اپنی گذر کرو۔ عمیر چلا کر کہنے لگا ان کو لے جا مجھے ان کی حاجت
نہیں ہے۔ مگر اُس کی عورت کے کہنے سے اُس نے لے لیئے اور معًا باہر جا کر مسکین لوگوں
میں تقسیم کر دیئے۔ حارث حضرت عمرؓ کے پاس لوٹ آیا اور سب کیفیت بیان کی کچھ عرصہ کے بعد
عمیر فوت ہو گیا تو حضرت عمر کو بہت رنج ہوا اور اپنے اصحاب کی ایک جماعت کو ساتھ
لے کر بقیع غرقد کی طرف پاؤں چلتے گئے۔ حضرت عمر کہتے تھے کہ لوگوں کو مختلف خواہشیں
ہونگی مگر مجھ کو یہی خواہش ہے کہ عمیر جیسا شخص مجھ کو ملتا کہ مسلمانوں کے کام میں
اُس سے مدد لیتا[۵۱] اس قسم کے تھے حضرت عمر کے عامل اور اس طرح سلوک کرتے تھے
اُن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

حضرت عمر اُن عاملوں سے بہت خوش ہوتے تھے جو اپنے صوبہ سے مال کم جمع کر کے
لاتے تھے۔ کیونکہ جو زیادہ لاتے تھے اُن پر زیادہ ستانی کا شبہ ہوتا تھا۔ یہانتک کہ
ایک دفعہ ابوہریرہ جن کو بحرین پر عامل بنا کر بھیجا تھا پانچ ہزار کی ایک تھیلی لائے تو
حضرت عمر نے کہا کہ اتنا مال اور کوئی جمع کر کے نہیں لایا۔ اس میں یتیموں اور بیواؤں
اور مظلوموں کا مال ہوگا۔ ابوہریرہؓ نے رنجیدہ ہو کر کہا کہ یہ نہیں ہے آپ تحقیق کر لیں
اور خرچ میں دونگا[۵۲] اسی قسم کے حالات اور واقعات اُن کی نگرانی۔ خبرگیری عمال کے ہیں۔

۵۱ ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ ۵۲ ازالۃ الخفا باب سیاست۔

سامنے جوابدہی کے واسطے حاضر ہونا پڑا مگر الزام مہمل تھے اور بری ہو کر اپنے کام پر چلے گئے جہاں
وہ سوائے ایک سال کے جب وہ کوفہ کی گورنری پر تبدیل کر کے بھیجے گئے تھے حضرت عمر
کی خلافت کے وقت تک نہایت کامیابی سے کام کرتے رہے[51] +

کوفہ کی حکومت کئی سال تک اُس کے بانی اور عراق عرب اور مدائن کے فاتح سعد کے
ماتحت رہی لیکن حضرت عمر کی خلافت کے نویں سال میں اُس کے خلاف بھی شکائتیں
پیدا ہونے لگیں غنیمت کے غیر مساوی تقسیم۔ دلیر نہ ہونے اور جنگ میں عاجز ہونے کے
اُس پر الزام لگائے گئے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ سے بھی جو امیروں کے خلاف تحقیق
کرنے پر متعین تھا کوفہ میں اِن شکایات کی اصلیت کی تحقیق کرائی مگر بے اصل ثابت
ہوئیں۔ اِس الزام کا تو سعد پر کوئی اثر نہ ہوا۔ لیکن ایک دوسری شکایت اُس کی نسبت
نمازوں میں سستی کرنے کی ایسی پیدا ہوئی کہ حضرت عمر اُس کو کبھی معاف کرنے والے
نہ تھے اور سعد کو معزول کر دیا۔ لیکن اُس کی نسبت جو بددیانتی اور عاجزی کا شبہ تھا
اُس کے دور کرنے کے واسطے سب جگہ لکھ بھیجا کہ اِس قسم کا کوئی الزام اُس کے ذمہ نہیں ہے بلکہ
دفع اختلاف کے واسطے اُس کو بلا لیا گیا ہے[52] +

سعد کی جگہ عمار ابن یاسر کو مقرر کیا لیکن یہ انتخاب بھی کوفہ والوں کو رضامند نہ کر سکا
اور حضرت عمر نے ابو موسے اشعری کو بصرہ سے کوفہ تبدیل کر دیا لیکن جب اُن کی نسبت
بھی شکائتیں پیدا ہوتی دیکھیں تو ایک سال کے بعد بصرہ کو واپس بھیج دیا۔ کوفہ کی
گورنری ایک بہت تکلیف دہ مسئلہ ہو گئی۔ اور جابر بن مطعم کو بھیجنے کا ارادہ کر چکے تھے
کہ مغیرہ اِس کام کے واسطے زیادہ موزوں معلوم ہوا مغیرہ اپنے اخلاق کے مشتبہ
ہونے سے معزولی کی سزا بھی پا چکا تھا اُس کی لیاقت سے حضرت عمر کی باقی دہ سالہ
خلافت میں کوفہ سے کوئی شکایت انتظامی نہ پیدا ہوئی +

غرض حضرت عمر عمال اور امیروں کی نگرانی اور خبرگیری کو اپنے ذاتی فرائض کا ایک
نہایت اہم حصہ سمجھتے تھے اور نہایت فکر اور توجہ سے اُن کی نگرانی کرتے تھے اُن کے

[51] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۶۸ [52] ازالۃ الخفا باب سیاست +

اخلاق کا چونکہ رعایا پر اثر پڑتا تھا اور اُن کے واسطے عوام الناس کے درمیان ایک عمدہ نظیر
اور نمونہ ہونا ضروری تھا پس اس قسم کے ادنےٰ اشتباہ پر بھی اُن کو معزول کر دیتے تھے اور
اخلاقی قصوروں میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ اُن کے تقرر میں بہت بڑی واقفیت
اور مردم شناسی سے کام لیتے تھے۔ عمرو بن العاص مصر میں اور مشرقی صوبوں کے امیر
اپنے فرائض امارت کے ساتھ فتوحات کو بھی وسیع کرتے جاتے تھے شرجبیل شام کے
مشرقی اضلاع پر حاکم تھا اور تمام ملک میں امن اور آسائش اور عدل و انصاف کا
دور دورہ تھا۔ سرولیم میور کا قول ہے کہ "اُن کے کپتانوں اور گورنروں کا تقرر کسی ذاتی تعلق
یا لحاظ و اُلفت سے بالکل پاک ہوتا تھا اور مغیرہ اور عمار کے سوا اُن کے تمام انتخابوں میں
اعلےٰ درجہ کی کامیابی ہوئی کوفہ اور بصرہ کے سازشی شہروں کے امیروں کی تبدیلی میں
ایک قسم کی کمزوری خیال کی جاتی ہے گو ایسا بھی ہو لیکن اس سے قریش اور اعراب کے
رقیبانہ اور مخالفانہ دعوے پورے ضبط اور انسداد میں رکھے گئے اور اُن کی وفات تک
کسی نے اسلام میں خلل پیدا کرنے کی جرأت نہ کی"۔

حضرت عمر اگرچہ باقاعدہ وعظ و نصیحت اور پند و موعظت سے اُس[۱] دینِ اعظم کے خلیفہ
ہونیکا حق ادا کرتے تھے مگر عملاً اور فعلاً بھی اُن کو مسلمانوں کی درستیِ اخلاق کی طرف نہایت
توجہ رہتی تھی اور کسی جزوی بداخلاقی کے امر کو بھی روا نہیں رکھتے تھے اور فوراً انتظام اور
انسداد کرتے تھے مثلاً ایک رات حضرت عمر مدینہ کے بازاروں میں پھر رہے تھے کہ ناگاہ ایک
عورت کی آواز آئی جو یہ شعر پڑھ رہی تھی شعر

الا سبیل الی خمر فاشربھا   ام لا سبیل الی نظر بن حجاج

"کاش شراب کے ملجانے کی کوئی صورت ہوتی۔ یا نظر بن حجاج کے ملنے کی کوئی سبیل ہوتی"۔
جب صبح ہوئی تو حضرت عمر نے پوچھا کہ نظر بن حجاج کون ہے معلوم ہوا بنی سلیم کا ایک
خوبصورت جوان شخص ہے۔ اُس کو بلایا اس کے بال خوبصورت تھے۔ نائی کو حکم دیا کہ
اُنہیں مونڈ دے۔ مگر دیکھا کہ اُس کی خوبصورتی ویسی ہی ہے تو کچھ خرچ دیکر مدینہ سے باہر
بھیجدیا۔ یہ شخص آخر خیانت سے متہم ہوا[۱]۔

[۱] ازالۃ الخفا باب گشت صفحہ ۱۷۸

جہینا کے ایک شخص کا دستور تھا کہ حاجیوں کے آنے کے زمانہ میں پیشدستی کر کے کجاوے
خرید لیتا تھا اور پھر گراں بیچتا تھا۔ حضرت عمر کو جب معلوم ہؤا۔ جب اُس نے مفلسی کا اظہار
کیا۔ حضرت عمر نے اُس کے قرضخواہوں کو بُلا کر اُس کا مال قرضہ کی نسبت اُن میں تقسیم
کر دیا۔ اور اُس کی اِس دین فروشی کی نہایت مذمت کی اور ہدایت کی کہ کوئی اِس طرح پر
دین فروشی اور برگشتگی کا کام نہ کرے[1]۔

گالیاں دینے اور فحش زبان میں گفتگو کرنے پر بھی سزا دیتے تھے ایک دفعہ ایک
شخص نے دوسرے شخص کو طنزاً کہا کہ میرا باپ اور میری ماں زانی نہیں ہیں حضرت عمر نے
اُس کو بھی کوڑے مارے کہ اس کے سوا الفاظ میں وہ اپنے ماں باپ کی تعریف
کر سکتا تھا[2]۔

بغوی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر کے روبرو ایک شخص نے دوسرے کو گالی
دی تو انہوں نے اُسے کچھ نہ کہا۔ لیکن حضرت عمر کے روبرو ایسا ہؤا تو اُنہوں نے سزا دی[3]۔

زانیوں اور شرابخوروں کے تو سخت دشمن تھے آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر نے
تو شراب پینے کی سزا میں چالیس دُرّے لگائے حضرت عمر اَسّی دُرّے لگایا کرتے تھے اور کسی کو
کسی طرح معاف نہیں کرتے تھے اپنے بیٹے کو اِسی جُرم میں سو دُرّے مارے اپنے ایک
معزز رشتہ دار کو دُرّے مارے بحرین کے امیر مدامہ کو دُرّے مارے۔ آزاد ہو یا غلام کوئی سزا
سے نہیں بچتا تھا سر ولیم میور لکھتا ہے کہ اِس جُرم (شرابخواری) میں گورنروں کے
معزول ہونے کی بھی کچھ کم مثالیں موجود نہیں ہیں۔ حضرت عمر سزاؤں کے دینے میں
نہایت سخت تھے۔ اُس نے بیٹے اور نہایت دلی رفیق کو شرابخواری کے جرم میں دُرّے
لگوانے کا حکم دینے میں تامل نہیں کیا۔ دمشق میں ایک دفعہ ایسی بداخلاقی ظہور میں
آئی کہ ابو عبیدہ کو انصار کی ایک جماعت اور ضرار اور ابو جندل جیسے معروف شخصوں کو طلب
کرنا پڑا۔ ابو عبیدہ کو ایسے واقعہ میں قانون کی تعمیل کرنے اور سزا دینے میں تامل ہؤا۔
حضرت عمر سے واقعہ عرض کیا اور لکھا کہ چونکہ سب نے اپنے گناہ سے توبہ کی ہے اُن کو

---

[1] ازالتہ الخفا احکام الخلافت والقضا۔ [2-3] ازالتہ الخفا حدود۔

معاف کر دیا جاوے۔ حضرت عمرؓ نے بڑی ناراضی سے اس کا جواب لکھا اور حکم دیا کہ ایک جماعت
مسلمانوں کی اکٹھی کر کے اُن کے سامنے سب کو بلایا جائے۔ اور پھر اُن سے پوچھا جائے
کہ آیا شراب کا پینا حرام ہے یا حلال۔ اگر وہ حرام کہیں تو اسّی درے مارے جائیں اور
اگر حلال کہیں تو اُن کے سر اڑا دیئے جائیں۔ غرض ابو عبیدہ نے اسی طرح کیا۔ اور
اسّی اسّی درے سب کو مارے[1]۔

اِسی خیال سے وہ اُن شاعروں کے جو اشعار میں ہجو یا جھوٹی خوشامد یا عشقیہ مضامین
باندھتے تھے ہمیشہ نہایت مخالف رہتے تھے۔

ایک شاعر نے اپنے شعر میں زبرقان کی ہجو کی حضرت عمرؓ کے پاس اُس کی شکایت گذری
ثابت ہوا شعر میں ہجو کی گئی ہے شاعر کو قید کر دیا۔ آخر عبدالرحمٰن بن عوف نے اُس کی
سفارش کی تو اُس کو اس سے یہ عہد لیکر چھوڑ دیا کہ آیندہ کسی کی ہجو نہ کریگا[2]۔

حطیہ شاعر کو قید سے چھوڑا تو اُسے ہدایت کی کہ شعر کہنا چھوڑ دے اُس نے کہا
یا امیر المومنین یہ میرے کُنبہ کا گذارہ ہے میں اسے چھوڑ نہیں سکتا اور سوائے اس کے
میری زبان پر چیونٹیاں چلتی ہیں تو آپ نے کہا کہ اپنے کُنبے کی پرورش کر مگر مدح مجحفہ سے
بچتے رہنا۔ اُس نے کہا کہ مجحفہ کیا ہوتی ہے تو فرمانے لگے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا
اور کہنا کہ فلاں شخص فلاں سے اچھا ہے میں اُس کی مدح کرتا ہوں۔ شاعر نے جواب دیا
کہ یا امیر المومنین خدا کی قسم مجھ سے اشعر (زیادہ شاعر) ہے[3]۔ ایک شاعر نے ایک دن
سوال کیا تو اُسے کچھ دیا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہ دیا کہ خوفِ خدا سے دیتا ہوں شعر کیواسطے نہیں دیتا[4]۔

اِسی طرح عام واقعات میں لوگوں کو بھلی باتوں کی نصیحت کرنے کا حق ادا کرنے سے
نہیں چوکتے تھے۔ کفایت شعاری کو بھی ایسا ہی ضروری سمجھ کر لوگوں کو اُس کی ہدایت
کرتے تھے۔ ایک دن عبداللہ بن عمیر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُس کا مطلب وظیفہ لینے کا
تھا۔ حضرت عمرؓ کے دریافت کرنے پر بتایا کہ میں عبداللہ بن عمیر ہوں اُس کا باپ حنین کے
دن شہید ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے غلام یرفہ کو حکم دیا کہ اُسے چھ سو دینار دیئے جاویں۔

---

[1] انلس اوت خلافت صفحہ ۲۷۳ [2] ازالۃ الخفا باب سیاست صفحہ ۷۳ و صفحہ ۲۰۸ - [3] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ ۱۹۲
[4] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمر صفحہ ۱۹۶۔

عمیر نے چھ سو دینار لینے میں عذر کیا تو ایک چادر اُس پر پڑھا دینے کا حکم دیا۔ عمیر نے دینار اور چادر لیکر اُس نئی چادر کو اوڑھ لیا اور اپنی پُرانی چادر اُتار کر پھینک دی۔ حضرت عمرؓ نے اُسسے کہا کہ یہ غلطی کی بات ہے اپنی اِس چادر کو بھی پاس رکھ گھر کے کاروبار میں یہ کام آویگی اور زینت کے موقعوں پر نئی چادر سے کام لینا۔ لِہٰ عوام کے اخلاق کو بھی جذبات تک نگاہ رکھتے تھے اور درست کرتے تھے۔ ایک دن ایک سائل رات کے کھانے کا سوال کرتا ہوا آیا حضرت عمرؓ نے غلام سے کہا کہ اُسے رات کا کھانا دلوا دیا اِس کے بعد عشا کے پیچھے صدقہ کے اونٹوں کی طرف گئے تو اُس سائل کو وہی رات کے کھانے کا سوال کرتے ہوئے دیکھا آپ نے پوچھا کہ کیا اِس کو کھانا نہیں دیا گیا غلام نے کہا کہ دیدیا تھا اُس سائل کو پاس بلا کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اُس کے پاس روٹیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلہ ہے آپ نے کہا کہ یہ سائل نہیں ہے تاجر ہے اور روٹیاں اُس کی اونٹوں کو کھلا دیں۔ گویا اُسکے سوال کرنے کی بدعادت کو کھونا چاہا۔[۱]

اِسی طرح دین میں ایک نہایت قیمتی نصیحت ایک دفعہ اصلاح اخلاق کی کی مغیرہ بن سوید بیان کرتا ہے۔ کہ ایک دفعہ حج میں ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ گئے۔ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر اُنہوں نے دیکھا کہ لوگ ایک مسجد کی طرف دوڑے جا رہے ہیں پوچھا کہ اِس کا کیا سبب ہے معلوم ہوا کہ ادھر ایک مسجد ہے جسمیں آنحضرت صلعم نے نماز پڑھی تھی لوگ اُدھر جا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پکار کر آواز دی اور کہا اِسی طرح تمہارے سے پہلے اہل کتاب ہلاک ہوئے اُنہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو معبد بنا لیا جس شخص کو جس مسجد میں نماز پیش آئے وہاں پڑھے ورنہ اپنا راستہ لے۔[۲]

اعتقادی امور میں بعض وقت وہ نہایت حکمت سے کام لیتے تھے مصر میں آبپاشی کا مدار دریائے نیل کی طغیانی پر تھا۔ اور لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جب تک ایک کنواری لڑکی کی بھینٹ دریا کو نہ دی جائے دریا نہیں چڑھتا پس ایک لڑکی کو دُلہن بنا کر اور آراستہ کر کے دریا کی بھینٹ دیتے تھے مصر کو جب مسلمانوں نے فتح کر لیا تو قبطیوں نے اپنی پُرانی رسم ادا کرنی چاہی۔ عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ اِس معاملہ میں کیا کرنا چاہیے حضرت عمرؓ نے اِس کے جواب میں دریائے نیل کے نام ایک خط لکھ کر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ اگر تیرا چڑھاؤ

---

[۱] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ۔ [۲] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ۔

تیرے اختیار میں ہے تو ٹھیر رہ اور اگر خدا قادر مطلق کا اختیار ہے تو ہم اُس سے دعا کرتے ہیں کہ تیرے
پانی چڑھیں اور پھیلیں۔ اور لکھا کہ اِس خط کو دریا میں پھینکدیا جائے اور بھینٹ دینے سے
روکا جائے۔ دریا حسب معمول طغیانی پر آگیا اور وہ بداعتقاد لوگوں کا جاتا رہا۔ اور درحقیقت
ایسے موقع پر ایسی ہی حکمت عملی سے کام چلتا ہے۔ مسٹر ابن مصر کی اِس رسم کا ذکر کرتا ہے مگر اُس کا
بیان ہے کہ ایک کنواری لڑکی کی مورت بنا کر اور اُس کو دُلہن کی مانند سجا کر دریا میں پھینکتے تھے
بہر حال اسلام کسی ایسے مشرکانہ خیال کی چونکہ اجازت نہیں دیتا حضرت عمرؓ نے عمدہ تدبیر سے
کام لیا۔ سر ولیم میور بھی مانتے ہیں کہ اِس واقعہ سے مسلمانوں کا وہ اعلےٰ وصف ظاہر ہوتا ہے
جو ہر امر میں خدا کی قدرت کے یقین کا اُن میں ہے۔[۱]

حضرت عمرؓ کی کثرت ازدواج اور لونڈی غلام رکھنے کے خیال کی مخالفت کو اسی ضمن میں بیان
کیا جاسکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک جماعت اُن کے پاس آئی اور کُنبہ کی کثرت اور مفلسی کی شکایت
کی حضرت عمرؓ نے کہا تم نے خود ہی اپنے لئے یہ پیدا کیا ہے تم نے گھروں میں جوروئیں جمع
کیں اور اللہ کے مال سے نوکر رکھنے لگے۔ گویا ان کو مفلس کرنے والے اسباب کو وہ خوب
جانتے تھے اور اس کے مخالف تھے۔

حضرت عمرؓ کی ایک عجیب و غریب عادت اور دستور یہ تھا کہ جب لوگوں کو کسی امر کی ممانعت
کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو پہلے اپنے اہل و عیال کو جمع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں فلاں
امر سے لوگوں کو منع کرنا چاہتا ہوں لوگ تمہاری طرف اِس طرح دیکھینگے جیسے جانور گوشت
کی طرف دیکھتا ہے۔ واللہ تم میں سے کسی کو یہ کام کرتے ہوئے نہ دیکھوں ورنہ سخت عذاب
دونگا غرض گھر سے اصلاح شروع کرتے تھے۔ اور تب عوام کو منع کرتے تھے۔[۲]

غرض حضرت عمرؓ کی درستی اخلاق و اطوار کی طرف توجہ صرف انہیں واقعات سے نہیں
ظاہر ہوتی بلکہ اور بے شمار واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اپنے اِس فرض کو وہ
کس قدر سعی اور توجہ سے ادا کرتے تھے۔

خاص وعام واقعات۔ یکجہتی اور نیک روی کی ترغیب دیتے تھے سنہ ۱۹ ہجری میں

---

[۱] انس اوف تھاقت صفحہ ۲۴۶ [۲] ازالۃ الخفا۔

حضرت عمرؓ کی خلافت میں ایک خاص واقعہ ہوا کہ مدینہ کے نزدیک ایک پہاڑی سے جس کا نام لیلا
تھا آگ اور دھواں نکلنے لگا۔ حضرت عمر نے غربا اور مساکین کے درمیان خیرات تقسیم
کرنیکا حکم دیا۱؎

حضرت عمر کے سفروں کو بھی ہم اُن کے فرائض کے ضمن میں بیان کرسکتے ہیں اُنکا
پہلا سفر ۱۵ سنہ ھ میں یروشلیم کی طرف تھا جس کے مسلمانوں کے حوالہ کرنے کے واسطے خود
حضرت عمر کے وہاں تشریف لانے کی درخواست کی گئی تھی۔ حضرت عمر مانع اعتراضوں پر
عمل نہ کرکے بلا خوف و تردد فوراً شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جابیا میں پہنچنے پر ابو عبیدہ
یزید اور خالد اُن کی آمد کی خبر پاکر استقبال کے واسطے آئے۔ بڑے تزک و احتشام سے خوشنما
لباس پہنے ہوئے اور آراستہ کئے ہوئے گھوڑوں پر سوار یہ سردار اپنے ہمراہیوں کے ساتھ
آرہے تھے۔ حضرت عمر اِس شان و شوکت کے سامان کو دیکھ کر غصہ سے بھڑک اُٹھے
اور جھک کر سنگریزوں کی ایک مٹھی بھر کر اُن کے مُنہ پر ڈالی اور کہا کہ تم ایسے لباسوں
میں مجھ سے ملنے کے واسطے آئے ہو۔ کیا دو ہی سالوں میں تم اس قدر بدل گئے
ہو۔ بخدا اگر دو سو برس کے بعد بھی تم ایسا کرتے تو تم ذلیل کئے جانے کے لائق ہوتے
اُنھوں نے جواب دیا کہ یا امیر المومنین یہ جو آپ دیکھ رہے ہیں اوپر ہی اوپر ہے۔
اُنھوں نے کپڑوں کو اُتار ڈالا اور دکھایا کہ نیچے اپنا فوجی لباس پہنے ہوئے تھے
مگر حضرت عمر کی ناراضی اِس عذر سے بھی رفع نہ ہوئی اور فرمایا کہ بس جاؤ اور وہ جابیہ
میں اُتر پڑے۔ بطریق یروشلیم کی سفارت نے جب شرائط صلح طے کرلیں اور عہدنامہ
لکھا گیا تو عمرو بن العاص اور شرجبیل بھی حصول ملازمت کے واسطے حاضر ہوئے۔
حضرت عمر آگے بڑھ کر اُن سے جا ملے۔ انھوں نے حضرت عمر کی رکاب کو بوسہ دیا اور
حضرت عمر نے اُتر کر اُن کو گلے سے لگا لیا۔ اور سرداروں کو تو حضرت عمر نے اپنے اپنے
کام پر رخصت کردیا اور عمرو بن العاص اور شرجبیل کو ساتھ لے کر یروشلیم کی طرف روانہ ہوئے
حضرت عمر سے اُن کے اُن سرداروں نے گھوڑے پر سوار ہونے اور شاید اپنے کپڑوں کو

۱؎ انلس اوف خلافت صفحہ ۲۱۸؎

تبدیل کرنے کی درخواست کی اُنہوں نے اُس کو منظور کیا اور اُن کے واسطے ایک گھوڑا لایا گیا
اور اُن کے اُون کے کپڑے اُتروا کر جس میں چودہ پندرہ پیوند لگے ہوئے تھے اُنکو سفید پوشاک
پہنائی گئی۔ شام کا گھوڑا تھا اور وہیں کا سکھایا ہوا وہ خراماں خراماں چلنے لگا اور اُسکے
گھنگروں کی آواز آنے لگی۔ حضرت عمر کو یہ حرکت اس سے بد کہ تکبر کا وسوسہ ہوتا تھا
بُری معلوم ہوئی اور کہنے لگے کہ اِس جانور کو کیا تکلیف ہے۔ اور کس نے اِس کو عجیب
حرکت سکھلائی ہے۔ پس اُس گھوڑے سے اُتر پڑے اور پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے۔
یروشلیم میں پہنچ کر بطریق اور عیسائیوں کے ساتھ جو سلوک کیا اُس کا ذکر آئندہ ہوگا جس
کام کے واسطے اُنہوں نے یہ سفر اختیار کیا تھا اُس کو بخوبی سرانجام کر کے وہ مدینہ کو لوٹ
آئے۔ دوسری دفعہ وہ شام کی بغاوت کے واقعہ سے متردد ہو کر پھر شام کی طرف روانہ ہوئے
تھے مگر جابیا میں پہنچ کر اُن کو بغاوت کے فرو ہونے کی خبریں ملیں اور وہیں سے مدینہ کو واپس آئے
تیسری دفعہ وہ شام کی وبا کے خوفناک زمانہ میں شام کی طرف روانہ ہوئے تھے مگر
اِس دفعہ بھی راستہ سے لوٹ آئے +

چوتھی دفعہ وہ وبا کے دور ہونے پر مدینہ سے ۱۸ سنہ ھ میں اس ارادے سے روانہ ہوئے
کہ تمام ممالک مفتوحہ میں سفر کریں اور رعایا اور عمال کے حال کو بچشم خود دیکھیں شام میں چونکہ
اُس بیرحم وبا کے ہاتھوں سے بے انداز نقصان ہوگیا تھا اور متوفی مسلمانوں کے
ترکوں کی تقسیم اور انتظام کی ایک بڑی دقت درپیش تھی وہ اپنے درد بھرے دل سے
پہلے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ قیصر اور کسرے کے ملکوں کے مالک ایک اونٹ پر سوار
تھے۔ اور غلام بھی اُسی سواری میں اُن کا شریک اور حصہ دار تھا کہ باری باری سے اسی پر سوار
ہوتے تھے ایلہ میں جو عیسائیوں کا ایک شہر راستہ میں تھا پہنچے تو شہر کے لوگ امیرالمومنین
اور اُس کی آمد کے سامان کو دیکھنے کے واسطے غول کے غول شہر سے نکلے اور حضرت عمر
ہی سے جو آگے جا رہے تھے پوچھا کہ حضرت عمر کہاں ہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا ھو اماملو
کہ وہ تمہارے آگے ہے لوگوں نے سمجھا کہ خلیفۂ اعظم کہیں پیچھے آرہے ہیں وہ اور آگے بھاگے

ــــــــــــــــ

لے ازالۃ الخفا تصوف و سلوک +

ہوئے چلے گئے اور حضرت عمر اکیلے بڑھے ہوئے اسقف ترسا کے گھر میں دوپہر بھر آرام کرنے کے واسطے جا اُترے اور پھر وہاں سے روانہ ہو کر جابیا ہو کر شام میں پہنچے تمام شہروں کو جن میں مسلمان اور عمال تھے دورہ کر کے دیکھا۔ انتظام میں جو تغیر و تبدل ضروری معلوم ہوا کیا اور امیروں اور عہدہ داروں کو نصیحتیں اور ہدائتیں کیں۔ جن لوگوں کے ترکوں اور مال و اسباب کی تقسیم کی نسبت تنازعات اور دعوے تھے اُن کو فیصل کیا چونکہ یزید بن ابی سفیان والی دمشق اور ابو عبیدہ "امین الامت" والی حمص دونوں وفات پا گئے تھے معاویہ کو شام کا امیر مقرر کیا۔ غرض مختلف امور کے انتظام اور تمام شہروں کے اندر دورہ کرنے میں چار ماہ تک شام میں رہنا پڑا جس کے بعد وہ مدینہ کی طرف لوٹے اور سرحد شام پر آ کر شام سے جو لوگ اُن کی ہمراہ تھے اُن کو واپس کر دیا اور اُن کی اِس اطمینان بخش تصدیق سے کہ جس قدر کام آپ کے کرنے کے تھے آپ سب کر چلے ہیں۔ حضرت عمرؓ مدینہ کو واپس آئے مَمالک مشرقی میں آپ تک وبا کے پھیلے ہوئے اور سفر میں اکثر شب بیداری کرنے سے آپ عراق وغیرہ ممالک میں سفر کے ارادہ کو پورا نہ کر سکے[1]

حضرت عمرؓ کے جماعت کے ساتھ سفر کرنے کے طریقہ کی کیفیت بھی کچھ کم دلچسپ نہیں ہے اُس میں بھی خاص فرائض اپنے ذمہ لیتے تھے اور اُن کو ادا کرتے تھے۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر کوچ کرتے اور کوچ کرنے کے وقت لوگوں کو آواز دیتے کہ اے لوگو! کوچ کا وقت آ گیا ہے۔ جو لوگ اُن کے قریب ہوتے اور اُن کی آواز کو سُنتے وہ پکار کر دوسرے لوگوں میں کہ دیتے کہ امیر المومنین نے آواز دیتے ہیں۔ اُٹھ کھڑے ہو۔ کجاوے باندھو اور کھانے پینے کا سامان درست کر لو پھر دوسری دفعہ حضرت عمر آواز دیتے تو لوگ پکارتے کہ سوار ہو جاؤ امیر المومنین نے دوسری آواز دی ہے جب لوگ اسباب باندھ لیتے تو حضرت عمر اُٹھ کھڑے ہوتے اور اپنا اونٹ پر اپنا اسباب لادتے۔ اسباب اُن کا سفر میں دو تھیلے ہوتے تھے جن میں سے ایک میں ستو اور دوسرے میں خشک کھجوریں بھری ہوئی ہوتی تھیں اور سامنے کی طرف ایک پانی کا مشکیزہ اور ایک بڑا پیالہ بندھا ہوا ہوتا تھا جب کہیں اُترتے تو اسی پیالہ میں ستو گھول کر اپنا چمڑے کا

[1] انفس اوف خلافت صفحہ ۲۲۶ و ۲۲۷ و طبری صفحہ ۹۰۴

عورت ایک دن اُس کے پاس رہے اور دوسرے دن اس کے حصہ دار کے پاس آ رہے۔ اُس کو
بھی بُلایا اور پوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ میں بوڑھا اور ضعیف آدمی ہوں۔
ایک جوان شخص نے مجھ کو کہا تھا کہ تیرے اونٹ چرا لایا کرونگا اور اُن کی ہر طرح نگہبانی کرونگا
اپنی عورت میں مجھے اپنے ساتھ حصہ دار بنالے۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عمرؓ
نے کہا کہ تجھے معلوم نہیں کہ مسلمان کے واسطے ایسا فعل حرام اور قبیح ہے اُس نے کہا مجھے نہیں
معلوم تھا اور آئندہ کے لئے اِس سے توبہ کرتا ہوں[1]۔ ایسی ہی عیسائیوں اور غیر اقوام
کے ساتھ سلوک اور مروت کرنیکی روائتیں ہیں جو دوسری جگہ بیان ہونگی +

اِس کے بعد بھی حضرت عمرؓ کا ارادہ تھا کہ تمام ممالک میں ایک بڑا دورہ کریں اور
فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں زندہ رہا تو ایک سال تک رعیت میں پھرونگا کیونکہ میں جانتا ہوں
کہ لوگوں کی حاجتیں اور ضرورتیں میرے سوائے منقطع ہوتی ہیں۔ اُن کے عامل اُن کو میرے
پاس نہیں بھیجتے اور بعض ایسے ہیں کہ مجھ تک پہنچ نہیں سکتے۔ دو مہینہ تک شام میں ہونگا
خدا کی قسم یہ سال بہت اچھا ہوگا[2]"۔ مگر اُن کو اپنی خلافت کے تھوڑے دنوں میں جو باقی
تھے اِس ارادے کو پورا کرنے کا موقع نہیں ملا +

غرض اُن کی اِس طرح پر اپنی رعایا اور مسلمانوں کی خبر گیری اور نگرانی کرنے اور اپنے
بیشمار فرائض کو ادا کرنے کے حالات کہاں تک بیان کئے جائیں۔ اگر سچ پوچھو تو انہوں نے
اپنے اُس قول کو جو خطبہ میں فرمایا تھا سچ کر کے دکھا دیا تھا کہ "قسم ہے اُس ذات پاک کی
جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر کوئی اونٹ فرات کے کناروں پر ضائع ہو جائے
تو میں ڈرتا ہوں کہ خدا آل خطاب (اپنے سے مراد ہے) سے اُس کا سوال کرے[3]" +

آنحضرت صلعم کے ازواج مطہرات اور اولاد کی خبر گیری اور خدمت کو جو اُن کا جزو ایمان
تھا اپنے ضروری فرائض سے مقدم جانتے تھے۔ بنی ہاشم کی فضیلت ہر امر میں ثابت اور
قائم رکھتے تھے۔ بنی ہاشم کے ہر ایک شخص کا نکاح اپنے اہتمام اور توجہ سے کرا دیتے تھے
اور جن کے پاس نوکر نہ ہوتے اُن کو خدمتگار دیتے تھے[4]۔ اور ازواج رسول اللہؐ کی جن کے

---

[1] فتوح الشام واقدی صفحہ ۲۸۵ [2] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ [3] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ
[4] ازالۃ الخفا باب کیفیت +

بڑے وظائف اُن کو کسی شئے کا محتاج نہیں چھوڑتے تھے باقی امور ضروریات میں خدمت
اور خبرگیری کرتے تھے ۔ جب اُنھوں نے حج کرنے کے واسطے جانا چاہا تو حضرت عثمان اور
عبدالرحمن بن عوف کو اُن کے ساتھ خبرگیری اور خدمت کے واسطے روانہ کیا اور تمام قسم
کی ضروری ہدایات راستہ اور مقام کرنے کی اُن کو کر دیں[۵] ۔ ام سلمہ نے ایک دن ایک شخص
کی کہ اُن کو تنگ کرتا تھا شکایت کی تو حضرت عمر نے اُس کو سزا اور تنبیہ کی ۔ غرض
اپنے اِس فرض کو بھی وہ ایسا ہی ادا کرتے تھے کہ آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق
صادق اور سعادتمند کہلانے کے مستحق تھے +

حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے جس درجہ کی محبت اور پیار کرتے غالباً یہی اُن کی
محبت کی حد تھی ۔ اُن کی فضیلت اور استحقاق اعلےٰ کو کسی طرح کم نہیں ہونے دیتے تھے ایک دفعہ
یمن سے چادریں آئیں اور حضرت عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان تقسیم کر دیں ۔
چادریں بڑی تھیں ۔ اور اُن میں سے کوئی حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے لائق نہ تھی
تو حضرت عمر نے والی یمن کی طرف لکھا کہ اُن کے اندازہ کے موافق چادریں بنوا کر بھیجے
جب وہ چادریں آئیں اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے پہنیں حضرت عمر چادریں اُن پر
دیکھ کر بہت خوش ہوئے ۔ اور کہا کہ جب تک چادریں اُن پر نہ دیکھیں طبیعت کو خوشی نہ ہوئی
امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو اکثر اپنے پاس آنے کے واسطے کہا کرتے تھے کسی روز نہ دیکھتے
تو پوچھتے کہ آج تم کیوں نہیں دکھائی دیئے تھے[۶] ایک دن حضرت عمر نے پوچھا تو وہ کہنے لگے ۔
ابن عمر (عبداللہ حضرت کے بیٹے) کو لوٹتے دیکھ کر میں بھی لوٹ گیا تو حضرت عمر نے
جواب دیا کہ ابن عمر سے میرے پاس آنے کی اجازت حاصل کرنے کے تم زیادہ مستحق تھے
ہماری بزرگی تو خدا کے بعد تمہیں سے ہے ۔ اِسی طرح[۷] ایک دن امام حسنؑ یا امام حسین گئے
اور دیکھا کہ عبداللہ اپنے بیٹے کو اُس وقت اندر نہیں بلایا تو وہ بھی لوٹ گئے حضرت
عمرؓ کو جب معلوم ہوا تو آدمی بھیج کر اُن کو بلایا اور کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے تم
کیوں لوٹ گئے کیا میرے سر کے بال تمہارے ہی اگائے ہوئے نہیں ہیں[۸] +

۵ ازالۃ الخفا گشت ۶ ازالۃ الخفا باب گشت کے ضمن میں ۷ ۳ ازالۃ الخفا باب گشت +

ایک دن مال غنیمت تقسیم کرنے لگے تو امام حسنؓ سے شروع کیا اور اُن کو ہزار درہم دیئے پھر امام حسینؓ کو بھی ہزار درہم دیئے جب اُن کے بیٹے عبد اللہ کی باری آئی تو پانچ سو درہم ان کو دینے کو کہا۔ اُنھوں نے کہا یا امیر المومنین میں تو ہی آدمی ہوں جس نے رسول اللہ کے سامنے تلوار ماری ہے امام حسنؓ اور امام حسینؓ دو لڑکے ہیں جو مدینہ کی گلیوں میں کھیلتے پھرتے ہیں اُن کو ہزار ہزار درہم دیا گیا اور مجھ کو پانچسو یہ میرے حق سے کم ہیں۔ حضرت عمر جوش میں آ گئے اور فرمانے لگے کہ جا تو بھی اُن کے باپ جیسا باپ اُنکی ماں جیسی ماں اور اُن کے نانا جیسا نانا اور اُن کی نانی جیسی نانی۔ اُن کے چچا جیسا چچا اُن کے ماموں جیسا ماموں اور اُنکی خالہ جیسی خالہ لے آ۔ جس کو تو نہیں لا سکیگا۔ تجھے معلوم نہیں اُن کا باپ علی المرتضےٰؓ۔ اُن کی ماں فاطمۃ الزہراؓ اُن کے نانا محمد مصطفےٰؐ۔ اُن کی نانی خدیجۃ الکبریٰ۔ اُن کا چچا جعفر بن ابی طالب طیار۔ اُن کا ماموں ابراہیم بن رسول اللہؐ اور اُن کی خالہ ام کلثوم اور رقیہ رسول اللہ صلعم کی بیٹیاں ہیں“[1] عبد اللہ یہ سُن کر خاموش ہو گئے +

حضرت عمر اپنی ذات کے ساتھ تو جو سلوک کرتے تھے سو کرتے تھے اُن کا اپنی خلافت کا ایک ممتاز اور مستحکم اصول تھا کہ اپنے متعلقین اور خصوصاً اپنی اولاد کو نہ کسی پر فضیلت دیتے تھے اور نہ امور خلافت اور امارت میں اُن کو دخل دیتے تھے +

ایک دن اصحاب رسول اللہ میں چادریں تقسیم کر رہے تھے۔ ایک چادر بچ رہی تو کہنے لگے کوئی ایسا آدمی بتاؤ جس نے خود اور اس کے باپ نے ہجرت کی ہو۔ یہ چادر اُس کو دونگا۔ لوگوں نے کہا عبد اللہ ابن عمر۔ آپ کہنے لگے کہ نہیں سلیط ابن سلیط ایسا ہے اور وہ چادر اُس کو دیدی +

عبد اللہ ابن عمر وہ شخص تھے جو رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فدایانہ عشق رکھنے میں مشہور اپنے کمال اور علم وفضل میں معروف اور سر برآوردہ تھے اور قابلیتوں میں کسی سے دوسرے درجہ پر نہ تھے مگر حضرت عمر نے کبھی کوئی کام اُن کے سپرد نہ کیا اور نہ کسی کام میں دخل دینے دیا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے اہل کوفہ کی شکایت کر رہے

---

[1] ازالۃ الخفا باب گذشتہ کے ضمن میں +

تھے کہ انہوں نے مجھے تنگ کر دیا ہے اگر نرم طبیعت کے شخص کو اُن کا عامل مقرر کرتا ہوں تو اُس کو ضعیف سمجھتے ہیں۔ اور اگر سخت آدمی کو بھیجتا ہوں تو اُس کی شکایت کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی شخص جو قوی اور امین ہو اُس کو اُن پر عامل مقرر کر دوں ایک شخص نے اُن میں سے کہا کہ میں ایسا آدمی بتاتا ہوں جو قوی اور امین ہے حضرت عمرؓ نے پوچھا وہ کون ہے اُس نے جواب دیا کہ عبداللہ ابن عمر۔ حضرت عمر یہ سن کر غصہ سے بھڑک اُٹھے اور کہا خدا تجھے ہلاک کرے تو نے کوئی بھلی بات نہیں کہی۔ میں اُس کو اُن پر اور کہیں بھی عامل نہ مقرر کروں گا تو نادان ہے اِس بات کو نہیں جانتا میرے سامنے سے اُٹھ جا غرض نہایت ناراض ہوئے۔ اور وہ شخص سامنے سے چلا گیا[1]۔

اِسی طرح پر جب اپنی وفات سے پہلے اُنہوں نے اپنا جانشین مقرر کرنیکے واسطے مشورہ کیا تو مختلف آدمیوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ ایک شخص کے مُنہ سے عبداللہ بن عمر کا نام نکل گیا۔ حضرت عمر چلا اُٹھے۔ اور کہا "اسکت قاتلک اللّٰہ"۔ خدا کی قسم تو نے یہ بات نہ خدا کے لئے کہی ہے اور نہ مسلمانوں کی بھلائی کی کہی ہے[2]۔

سر ولیم میور حضرت عمر کی طبیعت کی نسبت ایک آخری اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سادگی فرض کا ادا کرنا اُن کے دوراہ نما اصول تھے اپنے بڑے عہدے کے فرائض ادا کرنے میں انصاف اور بیغرضی اور بے طرفداری اور کمال مصروفیت کے سبب سے وہ ممتاز تھے اور ذمہ واری اور جوابدہی کا اُن کی طبیعت پر اتنا بوجھ تھا کہ وہ بعض اوقات کہہ اُٹھتے تھے "کہ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور کاش میں ایک گھاس کا تنکا ہوتا"۔

اِن حالات پر جو بیان ہوئے ہیں اور اِس قسم کے تمام واقعات پر غور کرنے سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کی خلافت کی بے نظیر کامیابی جس قدر کہ وہ اُن کے اصول خلافت اور حکومت کی شائستگی سے حاصل ہوئی اُسی قدر اُن کے ذاتی فرائض کے ادا کرنے کے عدیم المثال طریقوں میں مخفی تھی۔ فرائض ادا کرنے کا اُن کا عجیب و غریب طریقہ سلطنت کے شائستہ ترین اصول مسلمانوں کی یک جہتی اور اتفاق۔ حق شناسی اور اُن کے

[1] ازالۃ الخفا تصوحۃ سلوک [2] طبری صفحہ ۲۵۱۵

حقوق کی مساوی تقسیم اُن کے ساتھ بے نظیر عدل و انصاف کا برتاؤ۔ رائے اور مشورہ دینے میں اُن کو آزادی۔ اُن کی بے مثل انتظامی لیاقتیں مضبوط ہاتھ قوم اور افراد قوم کے حالات کی عام واقفیت غرض اس قسم کے امور تھے جن سے اُن کو اپنی خلافت میں ایسی کامیابی ہوئی جس کی نظیر دنیا میں موجود نہیں ہے۔ حضرت عمر کا وہ قول جو انہوں نے زمام خلافت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے دن ممبر پر کھڑے ہوکر فرمایا تھا کہ "قوم عرب چھیدے ہوئے ناک والے اونٹوں کی قطار کی مانند ہے جن کی نکیل میرے ہاتھ میں دیگئی ہے میں اُن کو سیدھے رستہ پر چلانے والا ہوں اور اس پر خدا سے مدد مانگتا ہوں"[۵] اور وفات کے وقت فرمایا کہ تمہارے درمیان میں اونٹوں کی قطار کی روش چھوڑ چلا ہوں کہ خبردار کوئی قوم ٹیڑھی نہ ہو جائے ورنہ خود روش ٹیڑھی ہو جاویگی۔ ایسا قول تھا کہ عرب پر حکومت کرنے کے واسطے اِس سے زیادہ سچی ہدایت مشکل سے کسی قول میں مل سکتی تھی اور عرب کے ہر ایک بادشاہ کے واسطے یہ پر معنی قول اور اس کے قائل کے اصول عمل یکساں راہ نما ہو سکتے تھے۔ انہوں نے جو اصول اپنے اس خیال کے مطابق اختیار کئے تھے وہ اُن کی نہایت درجہ کی احتیاط اور ہوشیاری ظاہر کرتے تھے۔ مثلاً اسی خیال کے مطابق وہ شام میں جہاں قریش اور اصحاب رسول اللہ صلعم بہت زیادہ تھے عموماً قریش اور شرفا میں سے عامل اور امیر مقرر کرتے تھے۔ اور شرقی صوبوں میں چونکہ اعراب اور قبائل اعراب کثرت سے تھے اُنہیں میں سے لائق سردار اور عہدہ دار مقرر کرتے تھے۔ کسی شخص کی نسبت اختلاف یا شکایت ہونے پر اُس کو احتیاطاً واپس بلا لیتے تھے۔ اور باینہمہ جیسا کہ سر ولیم میور نے لکھا ہے قبائل عرب میں جا بجا اُنکے جاسوس پھرتے تھے۔ اور اُن کے حالات اور خیالات سے حضرت عمر کو مطلع کرتے ہوتے تھے۔ مثلاً ایک دفعہ قلعہ صفین میں جو جزیرہ میں واقع تھا بنی تمر اور بنی تغلب محصور تھے اور بنی بکر نے مسلمانوں کی طرف سے محاصرہ کر رکھا تھا۔ بنی بکر کے حملہ سے محصورین قلعہ سے بھاگ نکلے اور راستہ نہ پاکر دریا میں کود کر غرق ہونے تک پہنچ گئے۔ اور چلائے کہ

[۵] ازالۃ الخفا باب سیاست و کلمات۔

ہائے ہم ڈوبے" بنی بکر نے جواب دیا کہ "ہاں جلانے کے بدلہ میں ڈوبتے ہو" نہ یہ اشارہ جاہلیت کے ایک واقعہ کی طرف تھا جس میں بنی تغلب کے کچھ آدمی زندہ جلا دیئے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے جاسوسوں نے اُن کو خبر کی اور اُنہوں نے بنی بکر سے اس قصور کا جواب طلب کیا کہ مسلمان ہو کر جاہلیت کے حالات اور واقعات کو کیوں زندہ کرتے ہیں مگر وہ اس قول کو دین اسلام کے مقاصد کے موافق بیان کر کے بچ گئے ؎

کوفہ کے عامل کو آپ لکھا کرتے تھے کہ اگر قبائل اعراب جھگڑا اور فساد کریں تو اُن کو تلوار سے مارنا چاہیئے یہانتک کہ وہ توبہ کریں۔ کیونکہ یہ شیطان کی شرارت ہے حضرت عمر کا یہ مضبوط اور قوی اصول اور قول اگر اُن کے جانشینوں کو یاد رہا ہوتا تو وہ مصیبتیں بہت کم پیدا ہوتیں جو آخر پیدا ہو گئیں +

افراد قوم اور قبائل سے اُن کی عام واقفیت بھی ضرب المثل تھی۔ مثلاً ایکدن عدی بن حاتم حضرت عمر کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا ہوں کہ آپ مجھے پہچانتے ہوں۔ حضرت عمر نے کہا کہ میں تجھے کیونکر نہ پہچانوں کہ سب سے پہلا صدقہ جس سے رسول اللہ خوش ہوئے تھے وہ تمہارے قبیلہ کا تھا۔ میں تجھے خوب پہچانتا ہوں جب اَوروں نے کُفر کیا تھا تو تو صادق الایمان رہا تھا۔ جب اَور روگرداں ہو گئے تھے تو تم نے مُنہ نہیں پھیرا تھا۔ جب اَوروں نے غدر کی تھی تو تم نے وفا کی تھی ؎

القصہ اِس قسم کے عجیب و غریب اسباب اور وسائل اور دستور اور اصول اور عمل اور طریق حضرت عمر کی خلافت کی کامیابی کے تھے۔ اُن سب کا شمار کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ درحقیقت ہر ایک واقعہ ایک خاص وسیلہ اور اصول کی مثال ہے۔ لیکن اِس باب کے خاتمہ پر ہم ایک عالم کے اقوال سے جو اُس نے ابتدائی خلافت کی نسبت تحریر کئے ہیں وہ حصہ لکھینگے جو حضرت عمر کی خلافت سے متعلق ہے۔ اور جس میں اُن کی خلافت کی کامیابی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "لیکن حضرت عمرؓ کی حکومت کے ساتھ جو ایک حقیقی بزرگ شخص (گریٹ مین) تھے محکوم اور مفتوح رعایا کی وہ بیخوایانہ خبرگیری

ﻟﮧ انسلس آف خلافت حاشیہ صفحہ ۱۳۹ ﻟﮧ ازالۃ الخفا باب کلمات حضرت عمرؓ +

اورنگرانی شروع ہوئی جس کے سبب سے اسلامی ابتدائی گورنمنٹ ممتاز اور مخصوص ہے ابتدائی
خلفا کے ماتحت مسلمانوں کی جو پولیٹیکل حالت تھی اُس پر غور کرنے سے ایک ایسی جمہوری
سلطنت دکھائی دیتی ہے جس پر ایک انتخابی سردار محدود اختیارات کے ساتھ حکومت
کر رہا ہے۔ امیر وقت کے اعلےٰ اختیارات انتظامی امور مثلاً پولیس کی ترتیب لشکر
کے اہتمام امور خارجہ کی انجام دہی اور مال و اموال کی تقسیم اور خرچ وغیرہ تک محدود تھے
لیکن وہ قانون مسلمہ کے خلاف کسی صورت میں عمل نہیں کر سکتا تھا +
حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں ایک واقعہ ہؤا جس سے اسلام میں تمام آدمیوں
کی کامل آزادی کی کیفیت ٹھیک طور پر معلوم ہوتی ہے (اس مقام پر جبالا کا واقعہ
مفصل بیان کیا گیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ واقعہ اور اس کا فیصلہ ابوعبیدہ بن جراح
کو لکھا گیا) ابوعبیدہ نے وہ نامہ اپنے لشکر کے روبرو پڑھا۔ اس قسم کی تحریریں
اور اعلان ابتدائی خلافت کے زمانہ میں عام معادم ہوتی ہیں کوئی شخص شہر میں
یا لشکر میں امور ملک سے ناواقف نہیں رہتا تھا ہر ایک جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد
امیر المومنین جماعت کے روبرو اہم تقررات اور ہفتہ بھر کے واقعات بیان کر دیتے
تھے۔ عمال اپنے صوبوں میں ان نظیروں اور مثالوں کی پیروی کرتے تھے۔ کوئی
شخص عوام الناس کی ان جماعتوں سے خارج نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں
جمہوری سلطنت کی بہترین صورت رائج تھی۔ امیر المومنین کے گرد کوئی الوہیت اور
ربانیت کی باڑ نہیں لگی ہوئی تھی وہ ملک کے انتظام کی نسبت اپنی رعایا کے سامنے
ذمہ دار اور جوابدہ تھا۔ ابتدائی خلفا کی اپنی رعیت کی خیر خواہی اور خبر گیری میں
کامل اور شدید مصروفیت اور اُن کی زندگیوں کی انتہا درجہ کی سخت سادگی اپنے آقا
کی مثال کی کامل درجہ کی پیروی سے تھی۔ وہ پیغمبر صلعم کی طرح مسجد میں نماز گذارتے
اور وعظ کرتے تھے اُن کے گھروں میں غریب اور مظلوم بلا روک ٹوک داخل ہوتے
تھے۔ اور کم سے کم درجہ کے آدمی بھی اُن سے اپنے حالات بیان کرنے سے محروم
نہیں ہوتے تھے۔ بغیر پہرہ اور دربانوں کے بغیر شان اور جلو کے وہ اپنی خصائل

اور خصوصیات کی قوت سے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جب فتح یروشلم
کے وقت شام کو سفر کیا تو صرف ایک غلام اُن کی ہمراہی میں تھا۔ قدرتی طور پر ایک نئی سلطنت
کو جو بزور شمشیر حاصل کی گئی ہو دفعتہً مفتوحہ رعایا کے دلوں میں گھر کر لینا مشکل ہے لیکن
ابتدائی مسلمانوں نے مفتوحہ اقوام کو اپنی نسبت انتہا درجہ کا اعتبار و اعتماد اور باہمی
تعلق اور اُلفت پیدا کرنے کے اسباب مہیا کر دیئے تھے۔ ابو عبیدہ جیسے نرم دل اور معتدل
طبیعت کے شخصوں کی سرداری میں جو خالد جیسے سپاہیوں کی تندی اور شدت کو روکے
رکھتے تھے اُنہوں نے اپنی رعایا کو پورے درجہ کے ملکی حقوق دیئے اور اُن کی حفاظت
کی۔ اُنہوں نے تمام اقوام مفتوحہ کو پوری مذہبی آزادی بخشی۔ اُن کے اطوار اور
برتاؤ اِس زمانہ کی مہذب گورنمنٹوں کے واسطے ملکی اور مذہبی آزادی کے امور میں
قابل تقلید نظیریں اور مثال ہو سکتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ کسی مفید ملکی آئین یا رفاہ عام
کے کام میں جو ممالک مفتوحہ میں موجود تھے۔ اور جن سے اُن کے مذہب میں کوئی
خلل پیدا نہیں ہوتا تھا دخل دینے سے باز رہنے کی عقل اور دانشمندی رکھتے تھے۔
حضرت عمرؓ نے جو رعایا کی زراعتی سرسبزی اور دولت کی ترقی کی تدبیریں کیں اُن سے
اُن کا اپنی رعایا کی بہتری اور بہبودی کا ہر وقت فکر اور اندیشہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔
محصول اراضی ایک مساوی اور یکساں رہنے والے اور معتدل اصولوں پر مقرر کیا گیا تھا۔
سلطنت کے ہر ایک حصہ میں نہریں اور ندیاں بنانے کا حکم دیا گیا۔ جاگیرداری اور زمینداری کا
خدمت لینے کے جس بار نے کاشتکاران اراضی کو برباد کر دیا تھا وہ اُٹھا دیئے گئے تھے
اور کسان اور کاشتکار صدیوں کی غلامی کی قید سے آزاد کر دیئے گئے تھے۔ ایک قاتل
کے ہاتھوں سے اِن نامور شخص کی موت گورنمنٹ کے واسطے بلاشبہ ایک سخت صدمہ تھا۔
اُن کی طبیعت سخت مگر منصف اُن کے عملی فہم عام اور آدمیوں کی واقفیت اور علم نے اُن کو
اعلیٰ درجہ پر اُن کو بنی اُمیہ کے حریصانہ ارادوں کو روکے رکھنے اور دبا دینے کے لائق
بنا دیا تھا"۔

ساتواں باب

قرآن ۔ حدیث ۔ فقہ

شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ قول نہایت صحیح ہے کہ "آج جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے فاروق اعظم کا احسان اُس کی گردن پر ہے"۔ در اصل جامع قرآن ہونے اور قرآن مجید کے جمع کرنے کا سبب ہونے کا فخر حضرت عمر ہی کو حاصل ہے۔ آنحضرت کے زمانۂ حیات میں آیات قرآن جو نازل ہوتی تھیں وہ اسی طرح جدا جدا چمڑوں یا اونٹ کی ہڈیوں یا کھجور کی چھال پر لکھ لی جاتی تھیں اور وہ لکھی ہوئی آیتیں نہایت حفاظت کے ساتھ صحابہ کے پاس محفوظ رہتی تھیں۔ اور آیتوں کی ترتیب سورتوں میں بھی آنحضرت صلعم کے سامنے ہو جاتی تھی۔ اور تمام ترتیب پائی ہوئی سورتیں صحابہ کے پاس رہتی تھیں اور صحابہ اُن کو یاد کر لیتے تھے اور تلاوت قرآن مجید کرتے تھے۔ اور بہت سے صحابہ حافظ قرآن مجید تھے یہاں تک کہ آنحضرت صلعم وفات پا گئے۔ اور قرآن مجید اُسی طرح جُدا جُدا آیتوں اور سورتوں میں لکھا ہوا اور حفاظ قرآن کی سپردگی میں رہ گیا۔

حضرت ابوبکر کے زمانہ میں یمامہ کی لڑائی میں بہت سے اصحاب رسول اللہ شہید ہوئے جن میں حافظان قرآن میں سے ستر سے کم نہ تھے۔ حضرت عمر کو اس واقعہ سے قرآن کی نسبت خوف ہوا۔ حضرت ابوبکر سے اُنہوں نے قرآن مجید کو یکجا جمع کرنے کی رائے دی۔ پورا واقعہ اس کا ایک معتبر حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے۔ زید بن ثابت (کاتب وحی) بیان کرتے ہیں۔ کہ مجھ کو حضرت ابوبکرؓ نے قتل یمامہ کے زمانہ میں بلا بھیجا۔ عمر بن خطاب بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ عمر مجھ سے کہتے ہیں۔ کہ یمامہ کے دن قرآن کے قاری بکثرت سے قتل ہو گئے ہیں۔ اور میں ڈرتا ہوں

کہ اگر اور موقعوں پر بھی قاری کثرت سے مقتول ہوں تو قرآن بہت سا جاتا رہیگا اور میری یہ رائے
ہے کہ تم قرآن کے جمع کرنے کا حکم دو میں نے عمر سے کہا کہ تم وہ کام کیونکر کروگے جس کو رسول اللہ
صلعم نے نہیں کیا۔ عمر نے کہا خدا کی قسم یہ عمدہ بات ہے۔ عمر اسی طرح مجھ سے اصرار کرتے رہے
یہانتک کہ خدا نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا اور میں نے بھی اس کام میں وہ فائدہ
دیکھا جو عمر نے سوچا تھا۔ زید کہتے ہیں کہ ابوبکر نے کہا تم جوان عاقل آدمی ہو۔ تم پر ہم
بدگمانی نہیں کرسکتے اور تم رسول اللہ صلعم کی وحی لکھا کرتے تھے۔ پس قرآن کی جستجو
کرکے اس کو جمع کرو۔ سو خدا کی قسم اگر کسی پہاڑ کے ہٹا دینے کو کہتے تو مجھ پر اتنا گراں نہ تھا
جتنا کہ قرآن کے جمع کرنے کا حکم گراں معلوم ہوا۔ الخ (بخاری) غرض حضرت زید بن ثابت
نے انتہا درجہ کی سعی اور کوشش سے تحریری آیتوں اور حافظوں سے قرآن مجید کو جمع
کیا اور اس بات کی کمال درجہ تک تحقیق ہوگئی کہ قرآن مجید میں سے کچھ نہیں رہا جو
جمع نہ کیا گیا ہو۔ خود خدائے پاک ہی نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ یہ جمع
ہوا ہوا قرآن حضرت ابوبکرؓ کے پاس اور حضرت عمر کے زمانہ میں حضرت حفصہؓ کے
پاس رہا۔ اس بات کا بیان کرنا کہ حضرت عمرؓ نے قرآن کو جمع کرنے کی تدبیر سے کس
درجہ کی دانشمندی اور احسان کا کام کیا ہے کسی مسلمان کی قدرت سے خارج ہے +

اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت عمر حفاظ قرآن سے قرآن مجید سنتے تھے۔ اور انکے
درست پڑھنے کی طرف سے اپنا اطمینان کرتے تھے۔ اور لوگوں کو کہتے تھے کہ سوائے کسی
عمدہ حافظ اور قاری کے کسی سے قرآن اخذ نہ کریں۔ اور نماز فجر میں خود بہت لمبی قرأت
پڑھتے تھے کہ لوگ قرآن سے واقف ہوں۔ قرآن کی تفسیر میں بھی اُن کو پوری مہارت
تھی اور آنحضرت صلعم کی احادیث سے تفسیر فرماتے تھے۔ جو لوگ قرآن مجید کے احکام
کی تاویلیں کرتے تھے یا اور کسی قسم کی نالائق حرکت کرتے تھے اُن کو ایسی سزا دیتے
تھے کہ دوسری دفعہ اُن کو ویسی حرکت نہیں کرنے دیتی تھی اس قسم کے بہت سے واقعات
ہیں جن کو ہم بیان نہ کرینگے +

احادیث کی نسبت حضرت عمرؓ کا ایک ممتاز اصول جو دکھائی دیتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ

حدیثوں کی کثرت روایت کو روکتے تھے۔ خود اُن سے پچاس سے زیادہ حدیثیں مروی نہیں ہیں جن میں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں ہے[1] جبکہ دوسرے صحابہ مثلاً ابوہریرہؓ سے ۵۳۴۶ حدیثیں انسؓ سے ۲۲۸۶۔ عبداللہ بن عباسؓ سے ۲۶۶۰۔ جابر سے ۱۵۴۰۔ اور عبداللہ بن عمر سے ۲۶۳۰۔ اور دوسرے صحابہ سے بھی ایسی ہی کثرت سے حدیثیں مروی ہیں اور حضرت عمر سے اتنی قلیل تو اس کی وجہ یہ تو نہیں ہو سکتی کہ وہ رسول اللہؐ کی احادیث سے کم واقف تھے۔ کیونکہ اُن سے بڑھ کر آنحضرتؐ کے اقوال و افعال کو کوئی کم جانتا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ صاف یہ ہے کہ احادیث کی کثرت روایت کے وہ مخالف تھے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی اس خیال کی حکمت سے ناواقف نہیں تھے۔ کیونکہ اُن سے صرف سترہ حدیثیں مروی ہیں[2] اور وہ بھی نہیں معلوم کس ضرورت سے روایت پا گئیں حضرت عمر کی روایت حدیث کی مخالفت صرف اُن کی قلت روایت ہی سے نہیں ظاہر ہوتی بلکہ وہ علانیہ طور پر اس کی ممانعت کرتے تھے۔ اور دانستہ حدیثوں کی کثرت کو روکتے تھے۔ وہ صحابہ کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کریں[3]۔ اسی طرح ایک دفعہ انصار کے ایک گروہ کو کوفہ بھیجا قرظ بیان کرتے ہیں کہ میں بھی اُن کے ساتھ تھا۔ چاہ صرار تک جو مکہ کے راستہ میں ہے ساتھ آئے وہاں اپنے پاؤں کا غبار جھاڑنے لگے اور کہنے لگے کہ تم کوفہ جاؤ گے جہاں ایسے لوگوں سے ملو گے جو بڑے شوق سے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ وہ تمہاری آمد سن کر مشتاق ہونگے کہ رسول اللہ کے اصحاب آئے لیکن جب تم سے حدیثیں سننی چاہیں تو زیادہ حدیثیں نہ بیان کرنا[4]

اسی طرح عراق کو صحابہ جانے لگے تو حضرت عمر نے خود اُن کی مشایعت کی اور اُن سے پوچھا کہ جانتے ہو میں کیوں تمہارے ساتھ آ رہا ہوں۔ لوگوں نے کہا تکرمۃ علینا یعنی ہماری عزت افزائی کے لئے فرمایا کہ ہاں لیکن ایک اور مقصد ہے وہ یہ کہ جہاں جا رہے ہو وہاں لوگ اکثر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ اُن کو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا اور رسول اللہ سے کم روایت کرنا۔ چنانچہ جب یہ لوگ قرظ پہنچے لوگ یہ سن کر کہ صحابہؓ تشریف لائے ہیں زیارت

[1] سیرۃ النعمان صفحہ ۱۲۷ [2] سیرۃ النعمان صفحہ ۱۲۷ [3] سیرۃ النعمان صفحہ ۱۴۸ [4] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۴۱

کو آئے اور حدیثوں کی خواہش ظاہر کی اِن لوگوں نے اِس بنا پر انکار کیا کہ حضرت عمرؓ نے منع کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ابوسلمہؓ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے بولے کہ نہیں ورنہ عمرؓ درہ مارتے۔[1]

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت تک تو احادیث کی اشاعت کا یہی حال رہا۔ مگر اُن کے بعد یہ پُر مصلحت قید اُٹھ گئی اور احادیث کے ساتھ جو سلوک ہوا سو ہوا۔ بیشمار و بے حساب حدیثیں وضع کی گئیں۔ اور مفسدہ اور فتنہ پرداز لوگوں اور اہل بدعت کو احادیث کی آڑ میں شکار کھیلنے کا موقع مل گیا۔ خلافت اور سلطنت کے جھگڑوں نے وضع احادیث کی گنجائش اُن کو ایک ایسا معاون ملا کہ آدھی فکر وہ فوج اور لشکر کے تیار کرنے کیواسطے کرتے تھے۔ اور آدھی وضع احادیث کے شائع کرنے میں۔ غرض اس قدر وضعی اور غلط اور جھوٹی حدیثیں پیدا ہو کر صحیح احادیث کے ساتھ شائع ہو گئیں کہ اگر کوئی صحیح حدیث کو وضعی اور غلط احادیث سے علیحدہ کر لینے کی قدرت رکھتا اور علیحدہ کر کے دیکھتا تو صحیح اور غلط میں وہی نسبت معلوم کرتا جو ایک اور ننانوے میں ہے۔ کثرت احادیث نے مسلمانوں کے درمیان اختلافات اور تفرقہ کے ایسے اسباب پیدا کر دیئے جو کسی دوسرے سبب سے کم پیدا ہوئے ہونگے۔ اور پھر ایسے کہ اُن کا اُٹھا دینا انسانی قدرت سے خارج ہے۔ اگر حضرت عمرؓ کے اِس خیال کی جو نہایت ہی دور اندیشی اور عاقبت اندیشی پر مبنی تھا پابندی کی جاتی اور صرف ایسی ضروری احادیث جو تشریعی احکام کی نسبت بیان کرنی ضروری ہوتیں بیان کی جاتیں اور بلا خیال ضرورت یا عدم ضرورت کے احادیث کی روایت کے دریا نہ بہائے جاتے۔ اور اسلامی دنیا ایسے شرمناک وسائل کے استعمال کرنے کی بدنامی نہ لیتی جیسی کہ وضعی احادیث کہ اپنی کامیابی کا ذریعہ بنانے کی تھی۔ تو مسلمانوں کے درمیان اختلافات اور تفرقہ کے بہت کم اسباب پیدا ہوئے ہوتے +

قرآن اور حدیث کے بعد حضرت عمرؓ کی فقہ کا ذکر آتا ہے اور بلا شبہ فقہ میں اُن کا رتبہ

---

[1] سیرۃ النعمان صفحہ ۱۴۹ +

شاہ ولی اللہ صاحب کے اسی قول کا مصداق ہے کہ "علی الاطلاق امت سے وہ بہت افقہ ہیں"
آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں احکام کی قسمیں پیدا نہیں ہوئی تھیں صحابہ جو کچھ
آنحضرتؐ کو کرتے دیکھتے تھے اُسی سے سیکھ لیتے تھے۔ نہ ارکان و آداب سے سوال کرتے تھے اور
نہ فرض و واجب کی تفصیل و تدقیق کرتے تھے۔ کسی غیر ضروری اور غیر موجود شے سے سوال نہیں
کرتے تھے ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ میں نے اصحاب رسول اللہ سے بہتر کسی قوم کو نہیں
دیکھا کہ رسول اللہ کی تمام زندگی میں تیرہ مسئلے پوچھے اور وہ سب قرآن میں موجود ہیں"۔
ابن عمر کا قول ہے کہ جو چیزیں نہ ہوں اُن کا سوال نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ عمر بن خطاب
کو میں نے اُس پر لعنت کرتے سُنا ہے جو ایسی چیز کو پوچھے جو موجود نہ ہو[1] لیکن اصل یہ ہے کہ
آنحضرت صلعم کے زمانہ میں اس قسم کی ضروریات ہی کم پیدا ہوئیں۔ آنحضرت کی وفات کے
بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اس کثرت سے نئے
واقعات اور معاملات پیش آئے کہ اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی
تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا اسی ضرورت نے صحابہ کو مجتہد اور فقیہہ بھی کہلایا۔ مجتہدین صحابہ
میں چار بزرگ بہت بڑے پایہ کے تھے۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ
بن عباسؓ عمرو بن میمون کا قول ہے کہ علم کے دو ثلث حضرت عمر لے گئے۔ یہ قول ابراہیم
بن نخعی نے سُنا تو کہنے لگے کہ عمر نو دسویں لے گئے اُن کی فقہ کو باقی اصحاب کی فقہ سے
وہ نسبت ہے جو اُن کے مصحف کو اوروں کے مصحف سے ہے۔
ابن مسعود کا قول تھا کہ اگر حضرت عمر کا علم ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے اور زمین کے
زندہ لوگوں کا ایک پلہ میں تو حضرت عمر کے علم کا پلہ بھاری ہوگا۔ حذیفہ کا قول تھا کہ گویا
لوگوں کا علم کوٹ کوٹ کر حضرت عمر کی گود میں بھر دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا کہ میں نے کسی کو
اللہ کے احکام میں حضرت کے سوا لوگوں کی ملامت سے بے خوف نہ پایا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ
کہا کرتی تھیں کہ تیزی فہم میں عمر یکتا تھا۔ ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ جب صالحین کا ذکر ہو تو
حضرت عمر کا ضرور ذکر کرنا چاہیئے کیونکہ وہ کتاب اللہ کو ہم سے اچھا جانتے تھے اور خدا کے دین کو

[1] الانصاف فی بیان سبب الاختلاف مولفہ شاہ ولی اللہ صاحب [2] سیرۃ النعمان صفحہ ۱۹۰ [3] سیوطی۔

اچھی طرح سمجھتے تھے[1]۔ شعبی کا قول ہے کہ قضا اصحاب رسول اللہ صلعم سے چھ آدمیوں میں تھی
تین مدینہ میں اور تین کوفہ میں۔ مدینہ میں عمرؓ اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور
کوفہ میں علیؓ۔ عبداللہ بن مسعود اور ابو موسیٰؓ تھے۔ مسروق کا قول ہے کہ اصحاب النبی
سے بڑے عالم یہ شخص تھے۔ عمر بن خطاب۔ علی ابن ابی طالب۔ عبداللہ بن مسعودؓ۔ ابی بن کعب
معاذ بن جبل۔ زید بن ثابت۔ ابو موسیٰ اشعری[2]۔

غرض حضرت عمر مسائل فقہی کے اجتہاد اور استنباط میں باوجود احتیاط کے بہت
بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ اُن کے مسائل اور اجتہاد کو عبداللہ بن عباس اور زید کے ساتھ جو ایک
دوسرے سے اقتباس کرتے تھے مدینہ میں ہونے کے سبب سے زیادہ شہرت اور اشاعت
حاصل ہوئی۔ حضرت علیؓ۔ عبداللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ کے اجتہاد کی کوفہ میں رہنے کے سبب
سے جہاں علما سے سپاہی زیادہ تھے اِس قدر اشاعت نہیں ہوئی۔ عبداللہ بن مسعود
مسائل اور احکام میں حضرت عمر سے موافقت رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر اور لوگ
ایک طرف جاویں اور حضرت عمر دوسری طرف تو میں اُن کی طرف جاؤنگا۔ زید بن ثابت
بھی حضرت عمرؓ کے متبع تھے[3]۔

فقہ کی دونوں حیثیتوں میں مسائل شریعت اور احکام کی تشریعی کی تخریج اور احکام
قانونی کے واسطے حضرت عمر کا علم اور قابلیت نہایت ہی شایاں اور اعلےٰ درجہ کا تھا۔ حضرت
عمرؓ نے مسائل تشریعی اور غیر تشریعی کے لحاظ سے بعض مسائل میں خاص اجتہاد کیا یا
آنحضرت صلعم کے احکام کے منشا کو سب سے بہتر جاننے کے باعث بعض اوقات کوئی
ضروری تغیر کیا۔ متعۃ الحج اور متعۃ النکاح کو منع اور حرام کیا۔ امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں
جن سے اولاد ہو چکی ہو اُن کے بیچنے کا رواج بالکل روک دیا۔ یہ احکام درحقیقت
آنحضرت صلعم کے منشائے مبارک کے مطابق تھے۔

اِسی طرح بعض مسائل میں خاص ضرورتوں اور فوائد کے لحاظ سے اجتہاد کیا۔ نماز
تراویح کو جماعت میں پڑھنے کا حکم دیا۔ اور حکم دیا کہ تین طلاق طلاق بائن سمجھی جائیگی

---

[1] سیوطی [2] ازالۃ الخفا [3] ازالۃ الخفا

مینوشی کی سزا اسی درہ تازیانے تک بڑھادی۔ جزیہ کی شرحیں مختلف مقرر کیں۔ یہ مسایل تشریعی
تھے اور تشریعی اور غیر تشریعی کا فرق ان سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ ان چند مسائل
کا جو ہم نے ذکر کیا ہے اُن کی ضروریات اور فواید متحقق تھے اور کوئی نقص اُن کے رواج
دینے سے عائد نہیں ہوتا تھا ہم بحث اور نبوت کی طرف ہرگز متوجہ نہیں ہونا چاہتے اور
نہ اس سے زیادہ مسائل مذہبی میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی فقہ اور اجتہاد
مختلف مسائل اور احکام کی نسبت کتابوں میں منضبط موجود ہیں اور اُن کی نسبت
بحثیں بھی موجود ہیں۔ اہل ضرورت اُن کی طرف توجہ کر سکتا ہے ہم تو صرف اس قدر
دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ جو ضروریات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ الرسول ہونے کی
صورت میں پیش آئیں اُن کے پورا کرنے کے واسطے وہ ہر ایک پہلو سے کس درجہ
قابلیت رکھتے تھے +

آٹھواں باب

اقوام اور مذہب غیر کے ساتھ سلوک ۔ جزیہ

اور کتب خانہ سکندریہ

جیسے کہ اسلام بنی نوع انسان کیواسطے رحمت تھا اسی طرح خلافت اسلامی کے اصول دنیا کے واسطے رحمت تھے ۔ اس قول کو ہم اس باب میں ثابت کرینگے +

یوں تو ہر ایک سلطنت کی رعایا کو سلطنت موجودہ کے ساتھ جبریہ یا رضامندانہ ایک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے اور کسی غیر قوم کے ساتھ وہ صرف اُس کے غیر قوم ہونے کی وحشت اور نفرت کے سبب سے مقابلہ کرتی ہے ۔ اور اُس کی مدافعت کی کوشش کرتی ہے ۔ اسی طرح کسرے اور قیصر کی رعایا نے اپنے بادشاہوں کے حکم سے اور اپنی جان و مال کے خوف سے عربوں کی جہالت اور وحشیانہ خصائل کے خیال سے جو اُن کے درمیان مشہور تھیں کم و بیش جنگ کی اور اُن کو اپنے ملک میں دخل دینے کے مزاحم ہوئے گو وہ نہ جانتے تھے کہ درحقیقت وہ اُس خدا کی رحمت کا مقابلہ کر رہے ہیں جو اُن کو ظلم و تعدی سے نجات دینے کے واسطے خود خدا ہی نے بھیجی ہے اپنے قدیم مذہبوں کو چھوڑ کر وہ اسلام کو نہیں قبول کرتے تھے اور جبتک اُن کو اپنی سلطنت کی قوت اور طاقت پر بھروسہ تھا وہ جزیہ نہیں قبول کرتے تھے اور تیسری شرط یعنی تلوار اُٹھانے کو اپنی بہادری اور شجاعت کے بھروسہ پر ترجیح دیتے تھے مگر جب وہ اپنی سلطنتوں کی طرف سے مایوس ہوئے تو جزیہ پر وہ مسلمانوں کی اطاعت قبول کرتے گئے ۔ اگر ایک حصہ فتوحات اسلامی کا بزور شمشیر حاصل ہوا ہے تو تین حصے صلح اور جزیہ کے ساتھ حاصل ہوئے ہیں +

ایرانیوں اور اہل روما کی سلطنت میں محکوم اور مفتوح اور اُن کی مطیع اور زیر فرمان رعایا پر

بوجبر اور ظلم و تعدی اور لوٹ اور غارت گری ہوتی تھی اُس کا حال ناگفتہ بہ ہے۔ کوئی ملکی یا پولیٹیکل
حقوق اُن کو حاصل نہ تھے۔ دولتمندوں اور طاقتوروں اور مقدس الاسم جماعتوں کے ہاتھ میں
وہ بے زبان نوع کیطرح تھے جو اُن کے جان و مال کے خود مختار مالک تھے۔ کمزور اور طاقتور دولتمند
اور غریب اعلےٰ اور ادنےٰ کے واسطے ایک ہی قانون نہیں تھا۔ ایرانیوں کی سلطنت میں
مالک زمیندار اور جاگیردار یعنی دہقان اور مذہبی پیشوا تمام قوت اور رُعب اور اثر اور ملک کی دولت کے
مالک تھے کاشتکار اور غریب رعایا اُس ناجائز اور بے ضبط اور بے ضابطہ اور غیر محدود خود مختاری کے
تحت میں پیوند زمین ہو گئے تھے۔ اہل روما کی سلطنت کا حال اس سے بھی بدتر ہوگا عیسائی مذہب کے
مقدس راہ نما اور پیشوا حکام اعلےٰ اور درباری اور قیصر کی برائیوں کے بیشمار فرمانبردار عمال
اور مشیر کار دولت اور قوت و رعب اور اثر کے خوش نصیب مالک تھے۔ رعایا انتہا درجہ کی
بدبختی اور مصیبت میں گرفتار تھی درحقیقت وحشیانہ سلطنتوں میں جہاں حقوق جاگیرداری
اور مالکانہ خدمت لینے کا دستور قائم ہے۔ رعایا کا بہت بڑا حصہ غلام بن گیا۔

غلامی کاشتکاروں کی عام حالت تھی۔ پہلے پہل مزارعانہ اور خانگی غلامی میں کچھ فرق نہیں
تھا۔ دونو قسم کے غلام معہ اپنے کنبوں اور اسباب اور مال و متاع کے زمیندار اور جاگیردار کا مال تھے
جو اُن سے اپنی بے روک مرضی اور خوشی کے موافق جیسے چاہے سلوک کرتا تھا۔ اس کے بعد
اتنا تغیر ہوا کہ مزارعانہ غلام اُس زمینداری اور جاگیر سے جس میں وہ رہتے تھے متعلق سمجھے
جاتے تھے اور اُسی زمین کے ساتھ فروخت ہوتے تھے یا جاگیردار کی ذات خاص سے متعلق کر دئے
جاتے تھے۔ اور ایک مالک سے دوسرے مالک کے پاس بیچے جا سکتے تھے وہ اپنے مالک کو بغیر
اُس کی اجازت کے نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اگر وہ بھاگ جاتے یا اُن کو کوئی چرا کر یا بہکا کر
لیجاتا تو اُن کی نسبت اسی طرح دعوے کیا جاتا تھا جیسے کہ مویشی یا مال اسباب کی نسبت کیا جاتا
ہے اور وہ واپس دلائے جاتے تھے۔ البتہ گذارہ کیواسطے اُنکو چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی
تردد کرنے کے لئے ملے ہوئے تھے مگر مالک کا اختیار ہوتا تھا کہ جب چاہے اراضی وغیرہ سے
اُن کو بے دخل کر دے۔ ایک مزارعانہ غلام کوئی جائداد پیدا نہیں کر سکتا تھا لیکن اگر وہ
خرید لیتا تھا تو مالک کو اختیار ہوتا تھا کہ اُس کو بیدخل کر کے خود اُس پر قبضہ کر لے۔

مزارعانہ اور خانگی غلامی کا نشان گلے میں ایک لوہے کا حلقہ ڈالے رکھنا تھا ان غلاموں کے گروہوں کے گروہ ایک جگہ سے دوسری جگہ ہانک کر لے جاتے تھے سوروں کی طرح ان کو خوراک دی جاتی تھی اور ان سے بدتر حال میں رکھے جاتے تھے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوتے تھے اور ایک بڑی زنجیر ان کے گلے کے پٹوں میں سے نکال کر ایک جا باندھ دئے جاتے تھے۔ انسانی گوشت کے تجار یعنی ان کا مالک ہاتھ میں ایک گانٹھ دار بھاری کوڑا لئے ہوئے ان کے پیچھے سوار ہو کر چلتا تھا اور اس کوڑے سے ان درماندہ مفلوک الحال لوگوں کی خبر لیتا تھا کوڑا جہاں پڑتا تھا گوشت سے چمڑا ادھیڑ دیتا تھا۔ مرد اور عورتیں اور بچے اس طرح پر پھٹے ہوئے چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے ٹخنوں میں ناسور اور زخم پڑے ہوئے ننگے اور زخمی پاؤں کے ساتھ ملک میں پھرائے جاتے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی درماندگی سے عاجز ہو کر رہ جاتا تھا یا گر پڑتا تھا تو اس کو زمین پر لٹا کے اس قدر کوڑے مارے جاتے تھے کہ چمڑے کے ٹکڑے جانے سے وہ مردہ ہو جاتا تھا +

جو کاشتکار نام نہاد آزاد کہلاتے تھے انکا حال بھی مزارعانہ غلاموں سے کچھ اچھا نہ تھا اگر وہ اپنی زمینوں سے علیحدہ ہونا چاہتے تھے تو ایک بھاری رقم بطور جرمانہ کے جاگیردار کو دینی پڑتی تھی اگر کوئی خرید کرنا چاہتے تھے تب بھی ایسا ہی جرمانہ دینا پڑتا تھا۔ بطور وراثت ان کو کوئی جائداد نہیں ملسکتی تھی جبتک ایک بھاری محصول نہ ادا کریں۔ اپنے مالک کو حصہ دیئے بغیر نہ وہ غلہ پیس سکتے تھے اور نہ روٹی بنا سکتے تھے جبتک کہ دسواں حصہ گرجا کو بیسواں بادشاہ کو اور چھوٹے حصے درباریوں کو نہ دے دیں وہ فصل کاٹنے نہیں پاتے تھے۔ وہ مالک کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جا سکتے تھے۔ اور ہر وقت بلا معاوضہ خدمت کرنے کے واسطے اگر مالک کے لڑکے یا لڑکی کا بیاہ ہوتا تھا تو ان کو ضروری طور پر خوشی سے معقول قیمیں پیش کرنی ہوتی تھیں +

لیکن جب مزارعہ کی لڑکی کی شادی ہوتی تو پہلے اس کو جاگیردار کی بدکاری کی اطاعت کرنی پڑتی تھی یہانتک کہ اگر کوئی پادری حضرت شیخ کا نائب جاگیردار ہوتا تھا تو وہ بھی بدکاری کے اس وحشیانہ حق کو حاصل کرنے سے دریغ نہیں کرتا تھا بدبخت لوگ آپنے

عظیم ظلموں اور بدکاریوں کا شکار تھے لیکن جاگیردار اپنی محلسرائے میں اور پادری اپنے محل
میں اور خدام مذہب اپنے مسکنوں میں عوام الناس کی مصیبتوں کی بہت کم پروا کرتے تھے
زبردست کی مرضی ہی قانون اور انصاف تھا۔ مظلوم لوگ جو پیوند خاک ہو گئے تھے گرجا
بھی اُن کی مدد نہیں کیا کرتا تھا۔ بلکہ اُنہی کی تعلیم اِن وحشیانہ ظلموں سے اُن عاجزوں کو
بچانے کے خلاف تھی۔ کیونکہ پہلے پادریوں نے عمال کی خلاف ورزی کرنے کو ایک بہت
بڑا گناہ قرار دیا تھا۔ غرض حضرت مسیح کے خادموں نے بھی اِن ظالموں اور زبردستوں
اور دولتمندوں کے ساتھ جن کو حضرت مسیح نے رد کیا تھا شراکت اور واحد معاملگی کر لی تھی
اُنہوں نے خود جاگیرداری اور مالکانہ خدمت لینے کے طریق اختیار کئے تھے اور جاگیرداروں
اور امیروں اور شاہزادوں کی طرح تمام حقوق رکھتے تھے اور اُن ہی کی مانند بسر کرتے تھے۔
غیر عیسائیوں۔ یہودیوں یا بت پرستوں کا حال تو عیسائیوں کے ماتحت ناگفتہ بہ ہے
اُن کا قتل اور خونریزی اور غلامی کوئی قابل خیال بات نہ تھی اُن کے حقوق کا کیا ذکر یہی
اُن پر بڑا احسان تھا کہ اُن کو زندہ رہنے دیا جاتا تھا۔ اگر کوئی عیسائی اُن سے رشتہ
کر لیتا تو وہ بھی زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ یہودی نہ تو عیسائیوں کے برابر بیٹھ سکتے
تھے نہ کھا پی سکتے تھے اور نہ اُن کی مانند لباس پہن سکتے تھے۔ اُن کے بچے اُن سے
چھین لینا اور مال و اسباب لوٹ لینا جاگیرداروں اور لوگوں کے نزدیک جائز تھا۔[۵]
غرض یہ تاریکی اور اندھیر اور ظلم اور تباہی دنیا پر چھائی ہوئی تھی جب کہ دنیا کے
اُس سب سے بڑے نجات دہندہ نے نجات کی کرنا پھونکی اور نوع انسان کی عملی مساوات کو
دنیا میں مشتہر کیا ذات اور رتبہ کے ناجائز حقوق کو باطل کر دیا اور ظلم اور غلامی کی زنجیریں
ٹوٹ کر گر پڑیں اسلام نے جس برادری اور مساوات کی تعلیم کی ہے۔ اور اقوام غیر اور غیر المذاہب
کے ساتھ رحم اور نیکی برتنے اور اُن کو ہر حال میں مذہبی آزادی بخشنے کی ہدایت کی ہے
وہ ایک منصف نگاہ سے دیکھنے والے کو اسلام کی تعلیم کے اصول کے دکھائی دیگی
ہمارے زمانہ کے علما کی عمدہ تصانیف اِس مضمون پر موجود ہیں۔ اِس لئے ہم اِسکے
بیان کرنے کے لئے نہیں ٹھیرینگے۔

۵ یہ حالات آنریبل مولوی سید امیر علی صاحب کی کتاب سپرٹ آف اسلام سے لئے گئے ہیں۔

آنحضرت صلعم کے زمانہ محاربات کی نسبت آفتاب سے بھی زیادہ روشن طور پر ثابت کر دیا گیا ہے کہ وہ تمام محاربات حفاظت خود اختیاری اور حفاظت دین اور دفع شر اور ضرر کے واسطے تھے (دیکھو تفسیر القرآن جلد چہارم تصنیف سرسید احمد خان صاحب) خلافت ابتدائی یعنی حضرت ابوبکر کے زمانہ کی لڑائیاں تو اس آتشین بغاوت اور فساد کے دفع کرنے کی غرض سے تھیں جو عرب میں پھیل گئے تھے اور انہیں کا سلسلہ مشرق میں مغرب کی مانند دعوت اسلام کے مقاصد کے ساتھ ساتھ فوج کشی اور ملک گیری تک پہنچ گیا +

ملک گیری کی غرض سے فوجکشی کرنا اسلام کی کسی تعلیم یا ہدایت یا حکم کا نتیجہ نہ تھا عرب کی اقوام کی باہمی لڑائیوں اور دشمنوں کا اسلام نے خاتمہ کر دیا تھا اور ایک ربانی کرشمہ نے ان کو ایک برادری اور اخوت کے رشتہ میں باندھ کر ایک ایسی روح اور تازہ جوش ان میں پیدا کر دیا تھا جو ان کو نچلا اور خاموش نہیں بیٹھنے دینے والا تھا۔ اسلام کو دنیا میں شائع کرنے کی خواہش نے ان کو اور ابھارا اور اپنی حدود سے انہوں نے قدم باہر نکالے اور غیر اقوام کے ساتھ ایسے تعلقات میں پھنس گئے کہ پھر اپنے قدموں اور ارادوں کو پھیر لینے پر گویا وہ قادر ہی نہیں رہے تھے اور اس کا نتیجہ ان کی وہ عظیم الشان فتوحات تھیں +

ملک گیری اور فوجکشی گو اسلام کی اغراض اور مقاصد سے جدا تھی اور اسلام نے کوئی تعلیم اس کی نسبت نہیں کی تھی مگر تمام گذشتہ اور موجودہ دنیا کے واقعات سے وہ فطرت انسانی سے خارج کوئی امر نہیں معلوم ہوتا۔ اور ہم کو کوئی قوم دنیا میں ایسا دکھائی نہیں دیتا جو اس کی مخالفت میں کھلا ہو۔ حضرت مسیح کی تعلیم کو مستثنے کرنے کی ضرورت اس وقت ہوتی اگر انیس صدیوں کے عیسائی اپنے عملوں سے اسے خلاف فطرت انسانی ثابت نہ کر دیتے۔ تہذیب اور شائستگی نے ملک گیری اور فوجکشی کے واسطے جو بہانے تجویز کئے ہیں اس سے بہتر وجوہات مسلمانوں کے پاس جو دنیا کو کفر اور ظلم کی ناپاکی سے پاک کرنا اور مظلوموں اور مصیبت زدگان کو نجات دینا اور خدا کی مخلوق کو عیسائیوں اور بادشاہوں کے خون آلود پاؤں سے اٹھا کر کھڑا کرنا چاہتے تھے موجود تھیں ان کا سلوک اور برتاؤ جو انہوں نے اقوام غیر اور غیر المذہب کے ساتھ کیا اور جس ذلت اور تباہی اور غلامی کی حالت سے اٹھا کر ان کو آرام اور امن

اور آزادی اور آسودگی اور فراغت کی حالت تک پہنچا دیا وہ بیان کرنے کے لائق ہے +
مسلمان اگرچہ اپنے گھر سے نکلکر اقوام غیر کے قریب پہنچے اور ایک نئے قسم کے تعلقات
کا سلسلہ اُن سے چھیڑا مگر جنگ اور خون ریزی سے بچنے کے واسطے وہ اسلام یا جزیہ قبول
کرنیکی ایسی دو شرائط پیش کرتے تھے جو اپنے ساتھ مساوی المرتبہ اور تمام حقوق میں شریک
قرار دینے یا ظلم اور جبر سے رہائی اور امن و آسائش کی ذمہ داری کا عہد و اقرار تھے تیسری شرط
لڑائی کی تھی جو دونوں طرفوں کے واسطے یکساں خطرناک اور ڈرانے والی تھی مسلمانوں کے
پاس اپنی جانوں کی کوئی ضمانت موجود نہیں تھی وہ خطرے میں پڑتے تھے اور خطرے میں
ڈالتے تھے جیسا کہ ہمیشہ انسان نے کیا ہے۔ مگر ان لڑائیوں کا نتیجہ بھی اُن نادان مفتوح
اقوام کے واسطے ہی جو اپنے نجات دہندوں کے ساتھ جنگ کرنے کو آمادہ تھے اچھا ہوتا تھا
اِن کے بدلہ میں اُن کو امن اور آزادی دی جاتی تھی۔ ایک عالم کا قول ہے کہ قادسیہ کی
لڑائی جس نے ایران کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا مظلوم رعایا ایران کی نجات کا ایک نشان
تھا جیسا کہ یرموک اور اجنادین کی لڑائیاں اہل شام اور یونانیوں اور مصریوں کے واسطے تھیں
یہودی جو وقتاً فوقتاً زردشتیوں کے قتل اور خون ریزی کا شکار رہتے تھے اور کہیں جا کر
بھی اُن کا پیچھا نہیں چھٹتا تھا پیغمبر صلعم کی برکت سے آزادی کی ہوا کھانے لگے جن کے
دین کا بڑا سبق نوع انسان کی اخوت اور برادری تھی۔ لوگ ہر جگہ مسلمانوں کو لطور اپنے
نجات دہندوں کے قبول کرتے تھے جہاں کہیں ان کا مقابلہ کیا گیا یہ مقدس پادریوں
اور امرا کی جماعت نے کیا۔ عوام الناس اور پیشہ ور رعایا نے جو زردشتیوں کے ہاتھوں
سے مصیبت اور تباہی میں تھے عموماً اپنے فاتحین سے رضامند اور خوشی سے مطیع ہو گئے اُس
وسیع صداقت کا ایک سادہ اقرار اُن کو اپنے مسلمان نجات دہندوں کے ہمرتبہ اور اُن کے
برابر بنا دیتا تھا[1]"

جنگ کی حالت میں جو رعایت جو ہر طرح کی آزادی مخالفین کو دی جاتی تھی وہ ہمیشہ
ضرب المثل ہو گی لشکر اور سرداران لشکر کو فوجکشی کے وقت رحم اور سلوک اور نرمی کے احکام

---

[1] سپرٹ آف اسلام صفحہ ۱۰۲ +

دئے جاتے تھے اور اس قسم کے احکام کی نسبت حضرت عمر نہایت تاکید کرتے تھے کہ
(۱) کوئی عورت اور لڑکا اور بڈھا اور ضعیف نہ مارا جائے (۲) کسی کا ناک کان نہ کاٹا جائے
(۳) عبادت کرنیوالے گوشہ نشین قتل نہ کئے جاویں اور اُنکے عبادت خانہ نہ کھودے جاویں
(۴) کوئی درخت پھلدار نہ کاٹا جاوے کوئی کھیت نہ جلایا جائے (۵) کوئی عمارت اور آبادی
ویران نہ کی جائے (۶) کسی جانور بکری اونٹ وغیرہ کی کونچیں نہ کاٹی جائیں (۷) اصلاح و مشورہ
کے بغیر اُن کے کسی امر کا فیصلہ نہ کیا جائے (۸) ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا
طریقہ برتا جائے کسی پر ظلم اور جبر نہ ہو (۹) جو عہد و پیمان غیر مذہب والوں سے کیا جائے
اُس میں بیوفائی نہ کی جائے۔ اور وہ ٹھیک ٹھیک وفا کیا جائے (۱۰) جو لوگ اطاعت
قبول کریں اور جزیہ دیں اُن کی جان و مال مسلمانوں کی جان و مال کے برابر سمجھی جائے اور تمام
معاملات میں اُن کے احکام مثل مسلمانوں کے تصور کئے جائیں (۱۱) جب تک
اسلام کے قبول کرنے کی دعوت نہ کی گئی ہو دفعتہً لڑنا نہ چاہئے[1] غرض اس قسم کے احکام
اور ہدائتیں جاری ہوتی تھیں اور حضرت عمر اپنی تیز انصاف نگاہوں اور معمولی سرگرمی سے
اُن کی نگرانی کرتے تھے۔

حضرت عمر خالد سے کیوں ناراض تھے۔ ایک بڑا سبب اِس کا مغلوب مخالف سے
خالد کا سختی سے برتاؤ کرنا اور اِس قسم کی ہدایات کی پوری تعمیل نہ کرنا تھا۔ کیا خالد کی
بہادری مسلمانوں ہی کا کام نہیں کر رہی تھی اور مسلمانوں کے واسطے ملک فتح
نہیں کر رہی تھی۔ مگر حضرت عمر کسی بہادری اور نفع کی انصاف اور اپنے اسلامی
اصولوں کے روبرو کچھ پروا نہیں کرنیوالے تھے۔ اور اِسی سبب سے خالد سے ناراض ہے
اور آخر واپس بُلا لیا۔

کسی زمانہ میں اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ نئے مفتوحہ ممالک میں کسی قانون اور آئین کا
دفعتہً فتوحات کے ساتھ ساتھ رائج کرنا اور تعمیل کرانا ناممکن ہے اور اُن ابتدائی قوانین
میں سختی اور سخت گیری کو جائز مانا گیا ہے۔ کم سے کم فاتحین نے اپنی قوم کے ساتھ رعایت

[1] تہذیب الاخلاق جلد اول صفحہ ۸۰۔

بلحوظ رکھی ہے۔ اور ان کی بے اعتدالیوں اور جبریہ کارروائیوں پر توجہ کرنے سے چشم پوشی
کی ہے جتنے کہ امن اور اطاعت کے زمانہ میں بھی ہم مہذب حکمران اقوام کو اپنی قوم کے
ساتھ رعایت کرتے دیکھتے ہیں جس سے نہایت درست طور پر ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ
فاتحین اور مفتوحین کے واسطے ایک ہی قوانین نہیں ہیں ہندوستان میں بعض اوقات
رعایا میں اُن کے بدقسمت مقتولین کی فہرستیں تیار کی گئی ہیں جو فاتحین کے مغرور اور
بے تمیز ہاتھوں سے مارے گئے ہیں اور قاتلوں کو بری کر دینے کے واسطے ایک ادنیٰ عذر اور
بہانہ کو کافی سمجھا گیا ہے۔ گو کوئی خود غرضانہ دانشمندی کی مصلحت اِس کی دلیل ہو مگر
انصاف کے روبرو مصلحت ظلم کا ایک دوسرا نام ہے۔ حضرت عمر کی خلافت اِس بات کا
فخر کر سکتی ہے کہ جو کچھ مہذب اقوام کے برتاؤ کے آئینہ میں بھی مشکل اور ناممکن معلوم ہوا ہے
وہاں اُس کا معمول اور روزمرہ تھا۔ ذمیوں یعنی مطیع جزیہ دینے والی اقوام کے جان و مال کو
مسلمانوں کے جان و مال کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ لفظوں میں نہیں بلکہ عمل میں یہ واقعہ
اس قسم کی ایک ہی مثال نہیں ہے کہ شہر حیرہ میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر ڈالا
تھا اِس کے بدلہ میں حضرت عمر نے مسلمان کے قتل کا حکم دیا اور دوسروں کی عبرت کے
واسطے اِس حکم کی علانیہ تعمیل کرائی۔ حضرت عمر کا عام اشتہار تھا کہ رعایا میں سے جس شخص کو
اپنے عامل اور حاکم کی نسبت کوئی شکایت ہو وہ پیش کرے اور اُس پر انصاف کی پوری
تعمیل کراتے تھے +

جنگ کے قیدیوں کی نسبت اُن کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا حضرت عمر کا ایک دلپسند
طریقہ تھا۔ لیکن جب اُن کے پکڑنے میں اصول معینہ سے تجاوز کیا گیا ہو تو بغیر فدیہ لینے
کے وہ چھوڑ دیتے تھے چنانچہ جنوبی جزیرے سے مسلمانوں کی لشکر نے بہت سے لوگ قید کر لئے
تھے اور پکڑ کر ساتھ لائے تھے مگر حضرت عمر کے حکم سے وہ امن و امان کے ساتھ اپنے گھروں
کو واپس بھیج دیئے گئے۔ اُن کی تعداد دس ہزار سے کم نہیں بیان کی گئی ہے[۵]"
جنگ کے بعد یا بغیر جنگ کے جو معاہدات صلح کے مسلمانوں اور غیر اقوام کے درمیان

۵ مضمون کتب خانہ سکندریہ مولفہ علامہ شبلی صفحہ ۳۹+ ۵۲ انلس اوف خلافت مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۱۸۱+

باہم ہوتے تھے۔ اُن میں ذمیوں کے مساویانہ حقوق میں اُن کی جان و مال۔ نقد اسباب۔ مویشی مکانات سب کی حفاظت کی ذمہ واری کی شرط مقدم ہوتی تھی۔ اُن کے دشمنوں سے لڑنے اور اُن کی حفاظت کرنے اور جس سے وہ صلح کریں اُس سے صلح کرنے اور اسی قسم کی شرائط کے مسلمان اپنے آپ کو پابند کرتے تھے ذمیوں سے جو عہد مسلمان لیتے تھے اُن میں اکثر میں تو صرف جزیہ دینے کی شرط ہوتی تھی بعض میں اس کے سوا دشمنوں سے سازش نہ کرنے۔ مجرم کو پناہ نہ دینے اور راستے صاف کرنے اور بعض میں مسلمان مسافر کی تین روز تک مہمانی کرنے کی شرط ہوتی تھی^[1] اِن پانچ شرطوں سے زیادہ کسی قسم کا عہد نہیں لیا جاتا تھا۔ جزیہ کی بحث تو بعد میں ہو گی باقی شرائط جو لی جاتی تھیں کوئی نہیں کہ سکتا اُن میں کوئی ناواجب امر ہو یا معاہد کے لئے اُن کا پورا کرنا مشکل یا گراں ہو یا اور اخلاق اور مُلک کے امن کی ضرورت کے سوا کوئی اَور غرض اُن سے مقصود ہو +

سرداران لشکر اور اصحاب وغیرہ جو معاہدہ صلح کا کسی جماعت یا قوم سے کر لیتے تھے وہ سب کے نزدیک جائز اور قابل تسلیم ہوتا تھا۔ خواہ کسی درجہ اُن میں رعایت روا رکھی گئی ہو اُس کے بدلنے کا کسی کو اختیار نہ تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ ابو عبیدہ سردار لشکر عراق نے نمارک کی لڑائی میں جابان ایرانی فوج کے سپہ سالار کو گرفتار کر لیا۔ مگر بلا شناخت دو آدمیوں کے بدلہ میں رہا کر دیا۔ مثنّٰے کو جب اُس کے رتبہ اور حال کی خبر ہوئی تو اُس نے اُس کو پکڑ لینا چاہا مگر ابو عبیدہ نے اِس ارادہ کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ ایک مسلمان کی دی ہوئی صلح اور امن کو کوئی دوسرا توڑ نہیں سکتا اور اب اُس کو پکڑنا اور مارنا بیوفائی ہو گی مثنّٰے نے بھی اِس رائے سے اتفاق کر لیا اور جابان کو صحیح و سلامت جانے دیا^[2]۔ لیکن اگر اُس میں کسی قسم کی سختی کی گئی ہو تو البتہ اُس کو مناسب شرائط سے بدل دیا جاتا تھا۔ سرداران لشکر جا بجا خود رحم اور انصاف کے نائب تھے دمشق اور مصر اگرچہ بزور شمشیر فتح کیا گیا لیکن کسی کو بعد جنگ کے قید و قتل نہیں کیا گیا جزیہ لینے کے شرائط پر ذمی قرار دیکر چھوڑ دیا گیا اور جو اقرار اُن کی رضامندی سے ہو گیا اُس کی پوری پابندی کی کسی کے مذہب اور مذہبی آزادی سے ہرگز ہرگز تعرض

[1] ازالتہ الخفا سیاست [2] الفس اوف خلافت صفحہ ۱۲۹ +

نہیں کیا گیا۔ سر ولیم میور مقر ہیں کہ عموماً لوگ اپنے مذہب پر رہے۔ اُن کے عبادتخانوں کی حفاظت اور عبادت کی تعظیم و عزت کی گئی[2] +

حضرت عمرؓ کے یروشلیم کے ساتھ صلح مقرر کرنے اور بیت المقدس پر قبضہ کرنے جانے کے واقعہ میں ایک عجیب و غریب عہدنامہ واقدی اور بلاذری کی پیروی کرنے والے انگریزی مورخوں نے نقل کیا ہے۔ اور بیت المقدس کے بعض مورخوں نے اس کو بیان کیا ہے حضرت عمر نے جو معاہدہ اپنی طرف سے لکھ کر دیا اُس کو انگریزی مورخ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اُس کے الفاظ یہ تھے کہ عمر بن الخطاب کی طرف سے باشندگان ایلیا کے ساتھ۔ کہ اُن کی حفاظت کی جاویگی۔ اُن کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ واری ہے۔ اُن کے گرجے نہ گرائے جائینگے اور نہ اُن کے بغیر کوئی اور اُن کو استعمال کریگا۔[1] لیکن جو عہدنامہ عیسائیوں کی طرف سے لکھا گیا ہے اُس کی عجیب و غریب شرائط بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ عیسائی کوئی اور گرجا نہ بنائینگے مسلمانوں کو گھر میں داخل ہونے دینے سے انکار نہ کرینگے۔ اپنی اولاد کو قرآن نہ پڑھائینگے اور مسلمانوں کے مذہب کی نسبت گفتگو نہ کرینگے۔ اپنے مذہب کی ترغیب نہ دینگے اور مسلمان ہونے سے منع نہ کرینگے۔ مسلمانوں کی تعظیم کرینگے اور اُن کی مانند لباس نہ پہنینگے گھوڑے پر نہ چڑھینگے اور ہتھیار نہ باندھینگے وغیرہ وغیرہ۔ اِس عجیب غریب عہدنامہ کو کوئی معتبر مورخ بیان اور تسلیم نہیں کرتا۔ انگریزی مورخوں میں سے گبن کی خاموشی روایت کے کذب کی دلیل ہے اور سر ولیم میور تو علانیہ طور پر اس سے انکار کرتا ہے۔ حضرت عمر کے سفر بیت المقدس کے بیان میں مورخ مذکور لکھتا ہے۔ کہ یروشلیم میں پہنچ کر خلیفہ نے بطرق اور اہل شہر سے بڑی مہربانی اور حلم اور تواضع سے ملاقات کی۔ اُس نے اُن کو وہی حقوق عطا کئے جو بہت سے خوش قسمت شہروں کو دیئے گئے تھے باشندوں پر ایک نہایت خفیف خراج (جزیہ) مقرر کیا اور اُن کی تمام عبادت گاہوں اور گرجاؤں پر اُن کے قبضہ کو قبول اور تسلیم کیا۔ یروشلیم مسلمانوں کے نزدیک بے انتہا تعظیم و تکریم کی جگہ تھی نہ صرف اس سبب سے کہ دین موسوی اور عیسوی نے وہاں پرورش پائی تھی بلکہ بسبب اسلام کا پہلا قبلہ ہونے کے

[1] انلس اف خلافت صفحہ ۱۳۹ [2] تاریخ مسلمانان مولفہ گبن و اوکلی صفحہ ۲۵۶ +

جدھر منہ کر کے مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور نیز بسبب وہ مقام ہونے کے جو پیغمبر نے معراج کی رات کو ملاحظہ کیا تھا[1]"+

اس کے بعد مورخ مذکور اس آئین کی طرف اشارہ کر کے جو عیسائیوں کی نسبت حضرت عمرؓ سے منسوب کی جاتی ہے لکھتا ہے کہ اُس بُردبار متحمل اور آبادی بخش فرمانروائی کی طرف اِن کا منسوب کرنا ایک قابل جوابدہی الزام ہوگا۔ غیر اقوام سے اِس قسم کے شرائط لینے اور ایسے سلوک کی نسبت لکھتا ہے کہ ابتدا میں فاتحین جو کچھ لیتے تھے وہ اِس عام خراج (جزیہ) کے سوا سال میں کسی قدر روغن زیتون اور خوراک کی اَور چیزیں تھیں اور مسلمان مسافر کو تین دن مہمان رکھنے کا عہد تھا۔" اِس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ گھوڑے کی سواری کی ممانعت وغیرہ اُس زمانہ کے حکم ہیں جب خلافت دمشق میں تبدیل ہوئی تھی۔ سر ولیم میور بلاذری کی ایسی روایات کی کچھ تردید کرتا ہے جس میں حضرت عمرؓ سے اِس قسم کی شرائط لینا منسوب کیا گیا ہے[2]+

بنی اُمیہ اور عباسیہ کے زمانہ کے مورخوں کی اِس قسم کی روایات کی اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یا تو اُنہوں نے غیر المذہب اقوام سے اِس قسم کی شرائط لیتے اور اُن سے اِس قسم کا سلوک ہوتے دیکھ کر اُس پر حضرت عمرؓ کے زمانہ کی شرائط کا قیاس کر لیا ہے یا اُس زمانہ کے خلفا کے برتاؤ کو جائز قرار دینے کے واسطے اِس قسم کی روایات خود بنا لی ہیں بہرحال حضرت عمرؓ کی خلافت کسی اِس قسم کا معاہدہ لکھوا لینے کے الزام سے پاک ہے۔ اور عیسائی واقف مورخ بھی اِس کے مقر ہیں صرف اتنی بات کہی جا سکتی ہے کہ حضرت عمر قومی امتیازات کے قائم رہنے کے شائق تھے عربوں کے واسطے وہ دھوپ کھانا اور موٹا کپڑا پہننا وغیرہ اُن کی اصلی عادات کے قائم رکھنے کی ہدایت کرتے تھے اسی طرح دوسرے ممالک کے باشندوں کی نسبت اُن کا یہ خیال تھا کہ وہ اپنے لباس اور وضع اور اطوار کو ممیز رکھیں اور مسلمانوں سے اُن کی تفریق کی ہو اور یہ خیال ایسا ہی تھا جیسا ہمارے موجودہ زمانہ کی انگریزی شائستہ سلطنت کا ہے۔ اور ایسی ہی ایک سرسری خواہش تھی +

حضرت عمر کا غیر اور غیر المذہب ذی اقوام سے عام طور پر جو سلوک تھا وہ نہایت انصاف

[1] انلس اود خلافت صفحہ ۲۰۸ - [2] انلس اود خلافت صفحہ ۲۱۳ +

اور رحم اور شائستہ ترین اصولوں پر مبنی تھا۔ اُن کی آزادی اور دوسرے تمام حقوق مسلمانوں کے ساتھ مساوی درجہ کے تھے۔

ایرانی اُمرا جب مسلمانوں کی فوج کے ساتھ شامل ہو کر کام کرنے پر راضی ہوئے تو اُن پر ویسا ہی اعتبار اور اعتماد کر لیا گیا اور خاص عزت اور رُتبہ کے ساتھ اُن کے نام دیوان میں درج کر کے اُن کے وظائف مقرر کر دئیے گئے۔

حضرت عمر کے منصفانہ برتاؤ کا ایک واقعہ اُن کے سفر بیت المقدس کا مشہور ہے جس کو ہم سر ولیم میور کے الفاظ میں لکھتے ہیں کہ "عیسائی مورخ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر سوفرونیئس (بطریق) کے ساتھ شہر دیکھنے کے واسطے گئے۔ چرچ کے اکثر مقامات دیکھے اور نہایت مہربانی اور شفقت سے تاریخی حالات دریافت کئے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو بطریق نے حضرت عمر سے کہا کہ وہ اُسی مقام پر جہاں اُس وقت تھے نماز ادا کر لیں۔ اُس وقت وہ چرچ اوف دی سرکشن میں تھے مگر حضرت عمر نے وہاں یا چرچ اوف کانسٹنٹائین میں جہاں اُن کے واسطے ایک شطرنجی بچھا دی گئی تھی نماز پڑھنے سے انکار کیا اور یہ وجہ بیان کی کہ اگر میں نے اس مقام پر نماز ادا کی تو مسلمان عیسائیوں کو اُن سے بیدخل کر دینگے اور اس دلیل سے کہ وہاں ایک دفعہ نماز پڑھی جا چکی ہے اُس پر قبضہ کر لینگے۔ بیتھلم کو بھی حضرت عمر نے دیکھا اور وہاں چرچ اوف نیٹوٹی میں نماز گذاری لیکن بطریق کو جو اس مقدس مقام میں اُن کے ساتھ تھا ایک نوشت اِس مضمون کی لکھ کر دیدی کہ عیسائی ہمیشہ اُس عمارت کے مالک رہینگے مسلمانوں کو اس میں جانے کی اجازت ہوگی۔ مگر ایک وقت میں ایک سے زیادہ مسلمان اس میں داخل نہ ہوگا۔ لیکن اس نوشت کے بعد زمانہ میں پروانہ کر کے وہاں اور چرچ اوف کانسٹنٹائین کی ڈیوڑھی میں مسجدیں بنالی گئیں"[1] اِس مشہور واقعہ کے جزئیات حالات میں اختلاف ہے اور ممکن ہے کہ کوئی ایک جزو اُس بیان کا صحیح نہ ہو مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انصاف پسندی کی ایک بے نظیر مثال ہے۔ دوسرے سفر شام میں حضرت عمر کے عیسائیوں کے ساتھ محبت اور شفقت اور بے تکلفی سے پیش آنے کے سر ولیم مقر ہیں[3]۔ اس قسم کے

---

[1] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۵۲ [2] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۱۰ [3] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۳۶۔

اَور واقعات کا جمع کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ اُن کے عامل بھی اُن کے اِن اصولوں کی ترویج
کرنے میں اُن سے پیچھے نہیں تھے عمیر بن سعد انصاری حمص کی عاملی کو چھوڑ کر تمام عمر
اِس بات پر متاسف رہے کہ اُن کے مُنہ سے ایک دن ایک ذمی کی نسبت نکل گیا تھا کہ
"اللہ تجھے خوار کرے" اِس سے زیادہ حق شناسی کی دُنیا کس سے اُمید کر سکتی ہے؟

اِن غیر اقوام کی خبر گیری کرنے اور اُن کے محتاجوں اور مفلسوں کی مدد کرنے میں
حضرت عمر مسلمانوں کی نسبت کچھ کم توجہ نہیں کرتے تھے۔ قحط کے زمانہ میں اُن کی خبر گیری
بھی ویسی ہی کرتے تھے اور صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی اُس میں
ذمی اور رعایا برابر کی شریک تھی۔ حضرت عمر نے بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا
کہ خدا کے اِس قول میں انما الصدقات للفقرا والمساکین (صدقات فقیروں
اور مسکینوں کے لئے ہیں) مسکینوں سے عیسائی یہودی مراد ہیں[1]۔ سفر بیت المقدس
میں حضرت عمر نے عیسائی جذامیوں کے واسطے جو جابیا کے قریب آباد تھے عشر میں سے
ایک حصہ مقرر کر دیا اور یہ خالص خیراتانہ عطیہ تھا[2]۔ مذہبی فقرا اور مساکین غیر مذہب کو
معافیات وغیرہ عطا کرنے کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہودی کا ایک اور مشہور واقعہ ہے
حضرت عمر نے ایک دن راستہ میں جاتے ہوئے ایک بوڑھے نابینا شخص کو سوال کرتے ہوئے
دیکھا کھڑے ہو کر اُس کا حال پوچھنے لگے معلوم ہوا کہ محتاج یہودی ہے اور اُس کے
سوال کرنے کا باعث جزیہ اور محتاجی اور بوڑھاپا ہے۔ حضرت عمر نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا
اور اپنے گھر لائے اور رفع حاجت کے واسطے اُس کو کچھ دیا اور پھر بیت المال کے داروغہ
کے پاس بھیجا اور کہا کہ اِس کو اور اِس جیسے اور جتنے ہوں اُن کو دیکھ کر جدا کر۔ خدا کی قسم
ہم نے انصاف نہیں کیا کہ اُس کی جوانی کی کمائی کھائی اور بوڑھاپے میں اُسے تنگ کریں
اِس کو اور اِس جیسے جتنے ہوں سب کو جزیہ معاف کیا جائے"۔ غرض اِس قسم کے واقعات
سے حضرت عمر کے رحم اور انصاف کا جو وہ غیر مذہب کے لوگوں سے برتتے تھے قیاس
کیا جا سکتا ہے۔

[1] الجزیہ وازالۃ الخفا [2] انس اوف خلافت صفحہ ۲۱۲

اقوام مفتوحہ کے مذہب اور مذہبی آزادی سے کبھی تعرض نہیں کیا گیا۔ بنی عیادہ گو گو
شام سے بغاوت کے خوف سے جزیرہ میں واپس بھجوا دیا گیا اور خلیفہ کے ساتھ اُن کے تعلقات
بدستور قائم ہو گئے مگر وہ اپنے مذہب عیسوی پر قائم رہے[1] بنو تغلب کا واقعہ حضرت عمر کے
اس قسم کے سلوک کی ایک عمدہ مثال ہے۔ ولید بن عقبہ کے ہاتھوں پر انہوں نے اطاعت
قبول کی جس نے اِس مشہور اور بزرگ قبیلہ کے اسلام اختیار کرنے کے خیال سے اُن سے
سختی کا برتاؤ کرنا شروع کیا تاکہ اپنے پہلے دین کو ترک کر دیں۔ حضرت عمر اس حال کو سنکر نہایت
ناراض ہوئے اور ولید کو لکھا کہ اُن کو اپنے مذہب پر قائم رہنے دے اور مت چھیڑ صرف
جزیرہ نما عرب میں کوئی مشرک نہ رہنا چاہیئے۔ اِسی قصور پر حضرت عمر نے ولید کو معزول
کر دیا اور صرف جزیہ لینے کا حکم دیا۔ بنو تغلب نے اِس پر حضرت عمر سے درخواست کی
کہ وہ جزیہ دینا اپنے واسطے ہتک سمجھتے ہیں۔ اور اُن سے اُس محصول کے نام سے
جو مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اگر ٹیکس لیا جائے تو بہت خوشی سے وہ ادا کرینگے حضرت عمر
نے اپنی آزادانہ طبیعت سے اِسے بھی منظور کر لیا اور اُن سے عشر لینا قبول کیا[2] حضرت عمر
کے زمانہ خلافت کی نسبت جو ایک یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُن کے عہد میں نو سو کنیسا خراب
ہوئے اِس سے یہ دھوکا کبھی نہ کھانا چاہیئے کہ جبراً کسی غیر مذہب کا کوئی معبد خراب کیا
گیا یا گرایا گیا بلکہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام کے شائع ہونے اور غیر مذہب لوگوں
کے مسلمان ہونے سے اتنے معبد بیکار ہو گئے +

زمین کی کاشت اور زراعت کی ترقی اور آبادی جو ملک کی ترقی اور دولتمندی اور رعایا
کی آسودگی اور فراغت کا سب سے بڑا اور اصلی ذریعہ ہے حضرت عمر نے اس کے واسطے کوشش
کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ فتوحات اور فوجکشی کو روک
روک کر ممالک مفتوحہ میں نہریں کھودنے اور زمینوں کے سیراب کرنے کے وسائل کو ترقی دینے
کا حکم دیتے تھے۔ نہریں جال کی طرح ملک میں پھیلا دیگئیں نیز حضرت عمر نے حکم دیا کہ جو کاشتکار
اپنی اپنی زمینیں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اُن کو واپس بلایا جائے۔ اُن کو ذمی قرار دیکر

[1] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۱۷ [2] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۱۸ +

ہمراہیوں میں تقسیم کر دیا جائے لیکن عمرو بن العاص نے انکار کیا اور جیسا کہ اُمید کرنا چاہیئے تھا حضرت عمر نے اُس کے فیصلہ کی تائید اور تصدیق کی۔ اور یہ عاقلانہ جواب لکھا کہ مصر کی زمین کو رعایا کے ہاتھ میں زراعت کی ترقی اور بار آوری کے واسطے رہنے دیا جائے جیسا کہ اور جگہ بیان کیا گیا تھا حضرت عمر عربوں کو ایک ایکڑ زمین کا بھی مالک بننے کی اجازت نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ عمرو بن العاص نے اپنے لئے مکان بنانے کو زمین چاہی اور حضرت عمر نے انکار کیا اور لکھا کہ مدینہ میں جو اُس کا مکان ہے وہ اُس کے واسطے کافی ہے۔ اِس طرح پر مصر کی زمین اُس کے اصلی اور موروثی مالکوں اور قابضوں کے ہاتھ میں رہ کر حجاز کے واسطے ایک قیمتی ذخیرہ گاہ بن گیا جیسے کہ اگلے وقتوں میں وہ اٹلی اور اہل روما کے واسطے ذخیرہ گاہ تھا[۱]۔"

ایک دوسرا مورخ لکھتا ہے "کہ ملک شام کے فاتحین نے البتہ سخت اصرار کیا کہ وہاں کی زمین اُن کو بانٹ دی جائے۔ لیکن حضرت عمر کی فیاض دلی کسی طرح اُن کو فاتحین کی رائے پر مائل نہیں ہونے دیتی تھی بالآخر ایک نصی سند پر یہی فیصلہ ہؤا کہ پہلے قابضین بے دخل نہ کئے جاویں۔ مصر میں بھی آپ نے تاکیدی فرمان بھیجا کہ اہل فوج قطعاً زمینداری اور کاشت نہ کرنے پائیں۔ اِس حکم کے خلاف ایک شخص نے کچھ زمین کاشت کی تو آپ نے اُسے پکڑ بلایا اور نہایت سخت سزا دینی چاہی لیکن اُس نے قطعی توبہ سے اپنا قصور معاف کرا لیا[۲]۔"

غرض غیر اقوام کے ساتھ جس فیاضی اور انصاف کا برتاؤ حضرت عمرؓ نے کیا اور جو خاص حقوق مسلمانوں سے بھی زیادہ اور بڑھ کر اُن کو عطا کئے وہ مہذب اقوام کی مدعیانہ اور نکتہ چین نگاہوں کو ہمیشہ نیچا رکھینگی۔ اس کے بعد زمین اور زمینداری کے متعلق اسلامی خوش قسمت رعایا ہونے کی حالت میں عشر اور خراج کا دینا تھا جو یقیناً نہایت انصاف بلکہ رعایت کے اصولوں پر مبنی تھا ہمارے مورخ نے خراج کے متعلق چند قواعد جو آنحضرت صلعم یا خلفا کے عہد میں مروج تھے مختصر طور پر بیان کئے ہیں جو ہمارے دعوے کو بخوبی ثابت کر دینگے۔ کہ جو زمین نہر دل

---

[۱] انسلز آف خلافت صفحہ ۲۴۴ [۲] الفاروق حصہ دوم صفحہ ۱۸۰

کے قدرتی پانی سے سیراب ہوتی ہو یا جو زمین فوج کو تقسیم کردیگئی ہو یا جس مقام کے باشندے
نو جکشی کے وقت اسلام قبول کر چکے ہوں ان تینوں حالتوں میں وہ زمین عشری ہوگی یعنی
اُس کی پیداوار سے صرف دسواں حصہ لیا جائیگا اور یہی اُس کا خراج سمجھا جاویگا۔ ان تینوں
قسموں کے علاوہ جو زمین ہے وہ خراجی ہے۔ عام اس سے کہ مسلمان رعایا کے قبضہ
میں ہو یا غیر قوم کے۔ اگر کوئی شخص عشری زمین پڑتی ڈال دے تو اُس سے کچھ نہیں لیا جاویگا
خراجی زمین میں ایسا نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایک برس پڑتی ڈال کر دوسرے
سال کاشت کرے تو ایک ہی سال کا خراج دینا ہوگا۔ جس زمین پر دکانیں بنالی جائیں
وہ عموماً عشر و خراج سے معاف ہیں اگر کھیتی کو کوئی آفت پہنچے تو خراج معاف ہو جاویگا
مذکورہ بالا قسموں میں سے دو پچھلی قسم کی عشری زمینیں بہت کم تھیں +

عشر اور خراج کے احکام مسلمان اور دوسرے مذہب والی رعایا سے جن کو اسلام کی
حمایت میں آجانے سے ذمی کا لقب ملا ہے قریب قریب یکساں متعلق ہیں۔ خراجی زمین کسی کے
قبضہ میں ہو ایک شرح سے لگان لیا جاتا تھا۔ عشری زمین بھی خواہ کسی کے قبضہ میں ہو
اُس سے عشر ہی لیا جاتا تھا حضرت عمرؓ نے قوم سبط سے عشر ہی لیا تھا[1] خراج کی شرحیں
جو باقاعدہ پیمائش کے لحاظ سے مقرر کیا گیا تھا ہم اُس سے پہلے بیان کر چکے ہیں وہ
ہر ملک اور ہر زمانہ میں ہمارے دعوے کی دلیل میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ عشر اور
خراج میں تو مسلمانوں اور غیر مذہب والوں میں کوئی تمیز نہ تھی۔ لیکن اس کے سوا جزیہ
ایک ایسا محصول تھا جو غیر مذہب والوں سے خصوصیت رکھتا تھا۔ اس زمانہ کی غیر
مذہب اقوام نے اِس لفظ کو ایسا بھیانک اور ڈراونا بنا دیا ہے کہ اُن کے مُنہ سے
سُن کر اُس کے مضمون سے کوئی خوش نہ ہوگا وہ اِس کو مسلمانوں اور غیر مذہب والوں کے
درمیان ایک نہایت متعصبانہ اور نامناسب تفرقہ قائم کرنے کا ایک اصول بیان کرتے ہیں
اور ایسا جبر بیان کرتے ہیں جس سے بچنے کے واسطے اسلام کا قبول کرنا بھی گوارا کیا جاتا
تھا اور اس وجہ سے وہ جبراً مسلمان کرنے کا ایک قوی ذریعہ تھا۔ لیکن اس قسم کے خیالات

[1] المامون حصہ دوم صفحہ ۷ و ۱۵۱ +

درحقیقت تعصب یا غلط فہمی سے پیدا ہوئے ہیں محققین کے نزدیک وہ تمام تر بے اصل اور بیہودہ ہیں۔ علامہ شبلی کے تدقیق اور عالمانہ مضمون نے کسی بحث کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ انھوں نے بخوبی ثابت کر دیا کہ جزیہ کو مسلمانوں نے نہیں پیدا کیا۔ ایرانی زبان کے لفظ گزیہ کا معرب اور نوشیروان عادل کا ایجاد اور مقرر کیا ہوا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "ایران اور عرب میں خراج وجزیہ کے وہ قواعد جو آخر اسلام میں رائج ہیں نوشیروان کے عہد میں منضبط ہو چکے تھے۔ علامہ ابن الاثیر جزری نے تاریخ الکامل کے پہلے حصہ میں ایک مضمون بعنوان لکھا ہے۔ ذکر ما فعلہ کسریٰ فی امر الخراج والجند جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نوشیروان نے زمین کی پیمائش کرائی اور مختلف شرحوں کی جمع مقرر کی۔ اور تمام لوگوں پر باستثنائے اہل فوج وروساء وارکان دولت جزیہ مقرر کیا۔ جس کی تعداد بارہ درہم۔ آٹھ درہم۔ چھ درہم چار درہم تک تھی (ابن اثیر نے اس موقع پر جزیہ ہی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ کوئی ایسی اصطلاح نہیں ہے جو مسلمانوں اور ذمیوں کے ساتھ مخصوص ہو۔ نوشیروان اور اس کی ایرانی رعایا کا ایک مذہب تھا تاہم جو ٹیکس ان پر لگایا گیا تھا مسلمان اس کو جزیہ ہی کہتے تھے) خراج کے ذکر کے بعد مورخ مذکور لکھتا ہے کہ "وھی الوضائع اللتی اقتدیٰ بھا عمر بن الخطاب" یعنی حضرت عمر نے انہیں قاعدوں کی تقلید کی۔ اور جزیہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عمر نے بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والے کو جزیہ سے معاف کیا۔ جس غرض سے نوشیروان نے جزیہ کا قاعدہ جاری کیا اس کی وجہ علامہ موصوف نے نوشیروان کے اقوال سے یہ نقل کی ہے کہ اہل فوج ملک کے محافظ ہیں اور ملک کے لئے اپنی جانیں خطرہ میں ڈالتے ہیں اس لئے لوگوں کی آمدنی سے ان کے لئے ایک رقم خاص مقرر کی گئی کہ ان کی محنتوں کا معاوضہ ہو۔" اس کی تائید میں ہمارے مورخ فردوسی کے اشعار نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "اسلام نے جو انتظام قائم کیا اس کی رو سے ہر مسلمان فوجی خدمت کے لئے مجبور کیا جا سکتا تھا۔ یہ قاعدہ کچھ آسان قاعدہ نہ تھا اور لوگ اگر ذرا بھی اس سے بچنے کا حیلہ پا جاتے تھے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایکبار جب جزیرہ سسلی میں مکتب کے معلم اس جبر سے

بری کر دیئے گئے تو سیکڑوں آدمیوں نے اَور کام چھوڑ کر یہی پیشہ اختیار کر لیا +

اِس لحاظ سے کل مسلمان فوجی خدمت رکھتے تھے اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ سے اسی طرح بری ہیں جس طرح نوشیروان عادل نے عموماً اہل فوج کو اس ٹیکس (جزیہ) سے بری رکھا تھا۔ لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے اور جن کی حفاظت مسلمانوں کو کرنی پڑتی تھی اُن کو فوجی خدمت پر مجبور کرنے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا۔ نہ وہ لوگ ایسی پُر خطر خدمت کے لئے راضی ہو سکتے تھے۔ اِس لئے ضرور تھا کہ وہ اپنی محافظت کے لئے کوئی ٹیکس ادا کریں۔ اِسی ٹیکس کا نام جزیہ تھا جو فارسی لغت سے معرب کیا گیا تھا۔ لیکن اگر کسی موقع پر غیر قوموں نے فوج میں شریک ہونا یا شرکت کے لئے آمادہ ہونا گوارا کیا تو وہ جزیہ سے بری کر دیئے گئے +

جزیہ کا معاوضہ حفاظت ہونا مسلمانوں میں علمی و عملی طور سے ہمیشہ مسلم رہا اور سچ یہ ہے کہ اسی خیال نے اکثر اہل لغت کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا کہ جزیہ فارسی زبان کا لفظ ہے وہ سمجھے کہ یہ لفظ جزاء سے نکلا ہے جس کے معنی بدلہ کے ہیں۔ اور چونکہ یہ ٹیکس بھی ایک معاوضہ اور بدلہ ہے لہذا اس مناسبت سے اُس کا نام جزیہ رکھا گیا۔ آنحضرت صلعم و خلفائے راشدین کے جو معاہدے تاریخوں میں منقول ہیں اُن سے عموماً پایا جاتا ہے کہ جزیہ اُن لوگوں کی محافظت کا معاوضہ تھا۔ خود رسول اللہ صلعم نے دالی ایلہ کو جو فرمان جزیہ کا تحریر فرمایا اُس میں یہ الفاظ مندرج فرمائے "یحفظوا و یمنعوا" یعنی اِن لوگوں کی حفاظت کی جائے اور دشمنوں سے بچائے جائیں۔ حضرت عمر نے وفات کے قریب جو نہایت ضروری وصیتیں کیں اُن میں ایک یہ بھی تھی کہ "غیر مذہب والے جو ہماری رعایا ہیں وہ خُدا اور رسول کی ذمہ داری میں ہیں۔ اور مسلمانوں کو اُن کی طرف سے اُن کے دشمنوں سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ اس موقع پر ہم بعض معاہدات اصلی الفاظ میں نقل کرتے ہیں جن سے نہایت صاف اور مصرح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا ایک ٹیکس تھا۔ اور غیر مذہب والے جو مسلمانوں کی رعایا تھے یہی سمجھ کر یہ ٹیکس ادا کرتے تھے +

هذا کتاب من خالد بن الولید لصلو	یہ خالد بن ولید کی تحریر ہے صلوبا بن نسطونا اور

عربی	ترجمہ
بابن نسطونا وقومه انی عاهدتکم علی الجزیة والمنعة فلک الذمة والمنعة ما منعناکم فلنا الجزیة والا فلا کتب سنة اثنی عشرة فی صفر	اُس کی قوم کے لئے۔ میں نے تم سے معاہدہ کیا جزیہ اور محافظت پر پس تمہاری ذمہ داری اور محافظت ہم پر ہے جبتک ہم تمہاری محافظت کریں ہم کو جزیہ کا حق ہے ورنہ نہیں سنہ بارہ صفر میں لکھا گیا۔

عمالانِ اسلام نے عراق عرب کے اضلاع میں وہاں کے باشندوں کو جو عہد نامے لکھے اور جن پر بہت سے صحابہ کے دستخط تھے اُن کے ملتقط الفاظ یہ ہیں:-

عربی	ترجمہ
براءة لمن کان من کذا وکذا من الجزیة التی صالحهم علیها الامیر خالد بن الولید وقد قبضت الذی صالحهم علیه خالد والمسلمون لکم ید علی من بدل صلح خالد ما اقررتم بالجزیة وکنتم امانکم امان وصلحکم صلح ونحن لکم علی الوفاء +	اُن لوگوں کیلئے جنہوں نے اِس اِس تعداد کا جزیہ دینا قبول کیا ہے اور جن پر خالد بن ولید نے اُن سے مصالحت کی تھے برأت نامہ ہے خالد اور مسلمانوں نے جس تعداد پر صلح کی وہ ہم کو وصول ہوئی جو شخص خالد کی صلح کو بدلنا چاہے اُس کو تم لوگ مجبور کرسکتے ہو بشرطیکہ جزیہ ادا کرتے رہو۔ تمہاری امان امان ہے اور تمہاری صلح صلح (یعنی جس سے تم صلح کرو ہم بھی صلح کرینگے اور جس کو تم امان دوگے ہم بھی امان دینگے) +

اِس کے مقابلہ میں عراق کی رعایا نے یہ تحریر لکھی۔

عربی	ترجمہ
انا قد ادینا الجزیة التی عاهدنا علیها خالد علی ان یمنعونا و امیرهم البغی من المسلمین و غیرهم۔	ہم نے وہ جزیہ ادا کردیا جس پر خالد سے معاہدہ کیا تھا اِس شرط پر کہ مسلمان اور نیز اور تمام قومیں اگر ہم کو گزند پہنچانا چاہیں تو جماعت اسلام اور اُن کے افسر ہماری حفاظت کے ذمہ دار ہوں +

ان تحریروں سے جو ہم نے اِس موقع پر نقل کیں اور نیز تمام اور معاہدوں سے جو تاریخوں میں مذکور ہیں بداہتہً یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ اُسی اصول کی بنا پر تھا جو نوشیروان عادل نے قائم کیا تھا۔ لیکن اِس پر بھی اگر کسی کو شبہ رہے تو ذیل کے واقعہ سے رہا سہا شک بھی رفع ہوجائیگا ابوعبیدہ بن جراح نے جب متواتر شام میں فتوحات حاصل کیں تو ہرقل نے ایک عظیم الشان م

فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے تیار کی مسلمانوں کو اُس کے مقابلہ میں بڑی مستعدی سے
بڑھنا پڑا اور اُن کی تمام قوت اور توجہ فوجوں کی ترتیب میں مصروف ہوئی۔ اُس وقت
حضرت ابوعبیدہ امین افسر فوج نے اپنے تمام عاملوں کو جو شام کے مفتوحہ شہروں پر مامور تھے
لکھ بھیجا کہ جس قدر جزیہ و خراج جہاں جہاں وصول کیا گیا ہے سب اُن لوگوں کو واپس
دے دو جن سے وصول ہوا تھا۔ اور اُن سے کہ دو کہ ہم نے تم سے جو کچھ لیا تھا اِس شرط
پر لیا تھا کہ تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کر سکیں۔ لیکن اب اِس واقعہ کے پیش
آجانے کی وجہ سے ہم تمہاری حفاظت کا ذمہ نہیں اُٹھا سکتے۔" ابوعبیدہ کے خاص
الفاظ جن میں عیسائیوں سے خطاب ہے یہ ہیں انما رددنا علیکم الانہ قد بلغنا ما جمع لنا
من الجموع و انکم قد اشترطتم علینا ان نمنعکم و انا لا نقدر علی ذالک وقد رددنا
علیکم ما اخذنا منکم اِس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور لاکھوں روپیہ بیت المال سے لے کر
اُن لوگوں کو پھیر دیئے گئے جو رقم وصول ہوئی تھی اُس کی کثرت کا اندازہ اِس سے ہو سکتا
ہے کہ صرف حمص سے قریباً آٹھ لاکھ روپیہ جزیہ و خراج میں ملے تھے عیسائیوں نے مسلمانوں
کو دل سے دعا دی اور کہا کہ خدا پھر تم کو ہمارے شہروں کی حکومت دے۔ رومی ہوتے تو اِس
موقع پر واپس کرنا تو درکنار جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ بھی لے لیتے۔ ان سب باتوں سے زیادہ
یہ امر اِس دعوے کے لئے دلیل بیّن ہے کہ اگر کسی غیر قوم نے فوجی خدمت پر رضامندی
ظاہر کی تو وہ اُسی طرح جزیہ سے بری رہے جس طرح خود مسلمان +

معاہدات میں یہ تصریح کہ جزیہ کے عوض ہم تمہاری اندرونی و بیرونی حفاظت کے ذمہ وار ہیں
جب حفاظت پر قدرت نہ ہو تو جزیہ کا واپس کر دینا۔ جو قومیں فوجی خدمت پر آمادہ ہوں اُن کو جزیہ
سے بری رکھنا۔ کیا ان واقعات کے ثابت ہونے کے بعد بھی شبہ رہ سکتا ہے کہ جزیہ کا مقصد
وہی تھا جو ہم نے بحث کے آغاز میں بتایا ہے +

جزیہ کے مصارف یہ تھے۔ لشکر کی آراستگی۔ سرحد کی حفاظت۔ قلعوں کی تعمیر۔ اِس سے
بچا تو سڑکوں اور پلوں کی تیاری۔ سررشتہ تعلیم۔ بے شبہ اِس خاص رقم سے مسلمانوں کو بھی فائدہ
پہنچتا تھا۔ اور پہنچنا چاہئے تھا مسلمان لڑائیوں میں شریک ہو کے جانیں لڑاتے۔ ملک کو تمام

خطروں سے بچاتے ہیں جس طرح اُن کے جسم وجان سے قومی رعایا مستفید ہوتی تھی اگر ذمیوں کے مال سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا تو کیا بیجا تھا۔ اس کے علاوہ صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی اس میں ذمی رعایا برابر کی شریک تھی۔ حضرت عمر فاروق نے بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ خدا کے اس قول میں انما الصدقات للفقراء والمساکین (صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں) مسکینوں سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں"[۱]۔

جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس روپیہ سالانہ تھی کسی کے پاس لاکھوں روپے ہوں تو اس سے زیادہ دینا نہیں پڑتا تھا عام شرح چھ روپیہ اور تین روپیہ سالانہ تھی بیس سے کم اور پچاس سے زیادہ عمر والے اور عورتیں مفلوج معطل العضو نابینا مجنون مفلس یعنی جس کے پاس دو سو درہم سے کم ہوں، لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا ہلکا ٹیکس جس کی تعداد اس قدر قلیل تھی جس کے ادا کرنے سے فوجی پرخطر خدمت سے نجات مل جاتی تھی جس کی بنیاد نوشیروان عادل نے ڈالی تھی۔ کیا ایسی ناگوار چیز ہو سکتی ہے جیسی کہ اہل یورپ نے خیال کی ہے کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی اُس سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا۔ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹیکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا۔ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہم کو اُس کے مذہب کے ضائع ہونیکا رنج بھی نہ کرنا چاہئیے جو لوگ جزیہ ادا کرتے تھے اُن کو اسلام نے جس قدر حقوق دیئے کون حکومت اُس سے زیادہ دے سکتی ہے؟

عیسائی مورخوں نے جزیہ کی بحث میں عجیب غلطیاں کی ہیں بعض وقت انہوں نے فدیہ اور جزیہ میں تمیز نہیں کی اور فدیہ کو جزیہ سمجھ لیا ہے جو جنگ کے قیدیوں کی رہائی کے بدلے میں ایک رقم لیجاتی تھی شاید ایسی ہی غلطی کی بنا پر مسٹر لین نے اپنی کتاب مدالقاموس میں لکھا ہے کہ جزیہ قتل سے محفوظ رہنے کا معاوضہ تھا مگر یہ اُن کی نہایت غلطی ہے کیونکہ امن کا ہو جانا یعنی لڑائی کا موقوف ہونا صلح کا ہو جانا یا کسی قسم کا معاہدہ ہونا گو کہ اُس میں جزیہ کا دینا نہ قرار پایا ہو قتل سے محفوظی کا سبب ہوتا تھا نہ کہ جزیہ دینا۔

[۱] تفسیر القرآن از سرسید احمد خان صاحب جلد چہارم صفحہ ۱۰۷۔

جزیہ کے مقابلہ میں جو ٹیکس زکوٰۃ مسلمانوں سے لیا جاتا تھا وہ جزیہ سے بدرجہا زیادہ سخت تھا سونے۔ چاندی۔ اونٹ بکرے سب پر جداگانہ شرح ہیں۔ فرض کرو کہ ایک ذمی کے پاس چالیس ہزار روپیہ ہیں جس کی تجارت سے وہ فائدہ اُٹھا رہا ہے اور ایک مسلمان کے پاس بھی اُسی قدر رقم ہے لیکن اُس میں کوئی اور آمدنی نہیں ہے۔ ذمی کو تو سال بھر میں صرف تین روپیہ چھ روپیہ یا زیادہ سے زیادہ دس روپیہ دینے پڑینگے۔ اور مسلمان کو پورا چالیسواں حصہ ایکہزار روپیہ دینا پڑیگا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں بھی جزیہ کسی کو مسلمان ہونے پر رغبت دلاسکتا ہے بلکہ یہ کہنا چاہئیے کہ اگر ٹیکس کی کمی و بیشی پر دین یا مذہب کا مدار ہوتا تو مسلمانوں کا ٹیکس اُن کے جزیہ کے مقابلہ میں اسلام چھوڑ کر ذمی ہو جانے کی رغبت دلاتا۔ ممالک مفتوحہ کی رعایا کے جان و مال جس حال میں مسلمانوں کے قبضہ و اختیار میں تھے اگر اُن کو اپنی رعایا کو لوٹنا اور مسلمان کرنا ہی مقصود ہوتا تو ایک خفیف سی رقم سالانہ اپنے ان اغراض کے حاصل کرنے کے بہانہ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ہر ایک طرح لوگوں کو مسلمان کر سکتے تھے مگر ہم کو یقین ہے کہ مسلمانوں کی نسبت ہر ایک اس قسم کا الزام جھوٹا اور غلط ہوگا۔ یہ تو ہر مؤرخ اقرار کرتا ہے کہ رعایا عام طور پر اپنے مذہب پر رہی اور اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ اُنکے عبادتخانوں کی حفاظت اور عبادت کی عزت و تعظیم کی گئی[۱]۔

جزیہ کے وصول کرنے میں حضرت عمرؓ جو رحم اور رعایت کرتے تھے اُس کی بھی مثالیں ہیں ایک دفعہ جب آپ سفر شام سے واپس آ رہے تھے رستہ میں ایک جماعت کو دیکھا جو دھوپ میں کھڑی کر کے تکلیف دی جا رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اِس کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا ہے اور اس سبب سے اِن کو تکلیف دی جا رہی ہے کہ تکلیف کے خوف سے ادا کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ وہ کیا عذر بیان کرتے ہیں بتایا گیا کہ وہ ناداری بیان کرتے ہیں حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان کو چھوڑ دو اور انہیں تکلیف مت دو۔ رسول اللہؐ فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا میں لوگوں کو عذاب دو وہ جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دینگے قیامت کے دن خُدا اُن کو عذاب دیگا پس آپ کے حکم سے وہ چھوڑ دیئے گئے[۲]۔

[۱] دی خلافت صفحہ ۱۲۹ [۲] ازالۃ الخفا باب سیاست۔

کسی ادنیٰ سے عذر اور پاس پر جزیہ بالکل معاف بھی کردیا جاتا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ نے جرجومہ اور اُس کے قرب و جوار کے مضافات میں جزیہ بالکل معاف کردیا تھا اور ماریہ قبطیہ کے ہموطن بھی جزیہ سے معاف کردیئے گئے تھے[1]۔ ہم بیان کرچکے ہیں کہ حضرت عمر اپنے عاملوں سے جو مال کم جمع کرتے تھے راضی اور خوش ہوتے تھے ورنہ زیادہ ستانی کا شبہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ابوہریرہؓ جیسے بزرگ صحابی سے اسی بنا پر بدگمان ہوئے تھے لیکن تعجب ہے کہ بیہودہ سراؤں نے حضرت عمر کی اس خاص طبیعت اور عادت کو بھی الزام سے پاک نہیں رہنے دیا لیکن کوئی عقلمند آدمی اُس سے دھوکا نہیں کھا سکتا۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ "مجھ کو بیان کرنا چاہئے کہ پچھلے زمانہ کے اور غیر معتبر راویوں نے ایک طویل خط و کتابت بیان کی ہے جو حضرت عمرؓ اور عمرو بن العاص کے درمیان ہوئی جس میں کہ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاص کو مصر سے ایسا بڑا خراج نہ بھیجنے پر جیسا کہ اُس کے قدیم فراعنہ اُس سے وصول کرتے تھے ملامت کی عمرو بن العاص نے اس اتہام کو بُرا مانا حضرت عمر نے اس پر ایک ایلچی محمد بن مسلمہ کو تحقیقات کے واسطے بھیجا اور نیز عمرو بن العاص کو معزول کر کے عبداللہ ابن ابوسارہ کو عامل مصر مقرر کیا اس خط کتابت کو گوویل نے قبول کرلیا ہے لیکن میرے نزدیک (سر ولیم میور لکھتے ہیں) غیر معتبر اور غلط ہے حضرت عمر کی طبیعت کے یہ امر خلاف تھا کہ ایسے سخت یا نامناسب الفاظ میں خطوط لکھیں یا اپنے عمال پر اُس صوبہ سے زیادہ ستانی کرکے جس کے وہ حاکم تھے خراج بھیجنے کے واسطے دباؤ ڈالیں۔ اُن کو کسی زاید خراج کی جیسا کہ ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کوئی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔ دُنیا کے خزانے اُس وقت مدینہ میں لدے چلے آرہے تھے اور ابن ابوسارہ کی نسبت تو یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان کے عہد خلافت تک عمرو بن العاص کی جگہ نہیں مقرر ہوا[2]۔"

غرض یہ جزیہ اور جزیہ کی حقیقت ہے جس کو اہل یورپ نے ایک ایسا ناگوار لفظ بنا دیا ہے کہ اُس کے مُنہ سے نکلتے ہی مسلمانوں کی نسبت عجیب و غریب خیالات اُن کے دل میں

[1] الماموں صفحہ ۲۲ [2] انلس آف خلافت صفحہ ۲۲۸

جوش مانتے ہیں لیکن مہذب دُنیا کے ٹیکسوں کے برروہ ایک بے حقیقت ٹیکس تھا۔ انکم ٹیکس
انڈائرکٹ ٹیکس سیالٹ ٹیکس چونگی بیٹر کانہ۔ مدرسانہ۔ چوکیداری۔ ٹیوار فنڈ۔ اسٹامپ کورٹ فیس
مختص المقام اور محصول مسکرات اور سیکڑوں قسم کے محصولوں کے ناموں سے اُس زمانہ میں کون واقف تھا
خیر جزیہ کی نسبت تو اہل یورپ نے تعصب سے یا غلط فہمی سے جو کچھ لکھا ہے اُسکی نسبت
اتنی بات تو صحیح ہے کہ جزیہ کے نام کا ایک ٹیکس تھا جو ذمیوں پر لگایا گیا تھا۔ اور اتنا بھی غنیمت
ہے کیونکہ اہل یورپ اپنے اِس قسم کے الزاموں کی بُنیاد جس سے وہ مسلمانوں کے بدنامی کرتے
ہیں ہمیشہ ایسے واقعات پر نہیں رکھتے جن کا وجود ہو بلکہ ایسے واقعات پر بھی رکھتے ہیں جنکا
کوئی وجود کوئی اصل اور کوئی حقیقت نہ ہو۔ اسکندریہ کا کتب خانہ جلانے کا الزام حضرت
عمر کے زمانۂ خلافت پر اسی قسم کا واقعہ ہے جس پر عیسائی مورخوں اور عالموں کے نابینا
خیالات نے ایک زمانہ تک بہت کچھ بلند پروازی کی ہے۔ لیکن شکر ہے کہ آخر انہیں میں
اختلاف اور انکار پیدا ہو گیا اور اسلامی مورخ اس بے اصل الزام کے غلط ثابت کرنے
سے بہت کچھ سبکدوش ہو گیا تاہم علامہ شبلی کا رسالہ اِس مضمون پر نہتی تحقیق ہے +
اسکندریہ کے کتب خانے جلانے کے واقعہ کی ایجاد ابوالفرج ایک عیسائی مورخ سے
منسوب کی جاتی ہے جو ایک یہودی طبیب کا بیٹا سنہ ۱۲۲۶ع میں پیدا ہوا تھا "منسوب" کا لفظ
ہم نے اِس لئے لکھا ہے کہ خود ابوالفرج کی دو تاریخیں ہیں۔ ایک سُریانی زبان میں اور
دوسری جو اُس کا خلاصہ ہے عربی زبان میں ہے جس کا نام مختصر الدول ہے۔ یہ واقعہ
اُس کی اصل تاریخ میں جو سُریانی زبان میں ہے نہیں پایا گیا ہے صرف عربی خلاصہ میں
مذکور ہوا ہے۔ بہرحال ابوالفرج سب سے اوّل اس واقعہ کا بیان کرنے والا ہے اور وہ اُس کو
اِس طرح پر بیان کرتا ہے کہ جب عمرو بن العاص نے سکندریہ کو فتح کیا تو یحییٰ نحوی ایک
وہاں کا عالم شخص عمرو بن العاص کے پاس آنے جانے لگا۔ عمرو بن العاص اُس کی بہت
عزت و حرمت کرتے تھے۔ کیونکہ عمرو بن العاص خود عاقل خوش فہم اور صحیح الفکر
آدمی تھا۔ اُس نے یحییٰ کی محبت کو لازم پکڑ لیا اور اُس کو اپنے پاس سے جدا نہ کرتا
تھا۔ ایک دن یحییٰ نے عمرو سے کہا کہ سکندریہ کی تمام چیزوں پر آپ قابض ہیں سو جو

چیزیں آپ کے کام کی ہیں اُن سے میں تعرض کرنا نہیں چاہتا لیکن جو چیزیں آپ کے کام کی نہیں ہیں
اُن کے تو ہمیں لوگ زیادہ مستحق ہیں۔ عمرو نے کہا کہ تم کو کیا درکار ہے یحییٰ نے کہا فلسفہ
کی وہ کتابیں جو شاہی کتب خانوں میں ہیں۔ عمرو نے کہا کہ اِس کی نسبت میں امیر المومنین عمر
بن الخطاب کی اجازت کے بغیر کوئی حکم نہیں دے سکتا۔ عمرو نے یحییٰ کی درخواست کی اطلاع
عمر بن الخطاب کو دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ جن کتابوں کا تو نے ذکر کیا ہے وہ اگر خدا کی
کتاب کے موافق ہیں تو خدا کی کتاب کے ہوتے اُن کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر اُن کے مضامین
خدا کی کلام کے مخالف ہیں تو تم اُن کو برباد کرنا شروع کرو۔ عمرو بن العاص نے اُن کتابوں کو سکندریہ
کے حماموں میں تقسیم کرنا اور اُن کو جلوانا شروع کیا۔ پس چھ مہینے میں وہ جل کر تمام ہوئیں
سو جو کچھ ہوا اُس کو سنو اور تعجب کرو"

ابوالفرج کی اِس روایت کے بعد یہ واقعہ اسی طرح تسلیم ہوتا چلا آتا تھا کسی کو اُس کی
نسبت تحقیق و تفتیش کا خیال تک نہ آیا۔ لیکن آخر کار گبن مورخ اعظم نے اِس واقعہ کو تحقیق
کی نگاہ سے دیکھا اور لکھا کہ میں اُس کی اصلیت اور اُس کے نتائج دونوں سے انکار کرتا ہوں
گبن نے اپنے انکار کی وجہ جو ان سادہ مگر صحیح دلائل پر مبنی کیا ہے کہ ابوالفرج اِس واقعہ کے پانسو برس
بعد پیدا ہوا۔ اِس کے سوا کسی اور مورخ حتے کہ خود عیسائی مورخوں نے اِس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا
درحقیقت کوئی تاریخ کا عالم اور محقق ایک لمحہ کے واسطے بھی اِس واقعہ کے بیان کی صحت
پر یقین نہیں کرسکتا۔ عیسائی مورخ جو ابوالفرج کی نسبت فتح اسکندریہ کے زمانے کے بہت قریب
تھے اور جنہوں نے اسکندریہ کی فتح کے حالات مفصل لکھے ہیں کہیں اِس واقعہ کا ذکر نہیں کرتے
یوسیکیس المتوفی سنہ ۹۴۰ء جو دسویں صدی عیسوی میں سکندریہ کا بطریق تھا اور المکین جو واقعہ مفروضہ
کے تین سو برس بعد تھا اپنی تاریخوں میں اِس واقعہ کی نسبت ایک حرف بھی نہیں لکھتے گبن
اور کریل نے یہی دلیل سے اِس واقعہ کو بے اصل ٹھیرایا ہے۔ اور یہ کوئی معمولی دلیل نہیں ہے
اِس کے سوا مسلمان مورخوں نے جنہوں نے دوسری ہی صدی اسلامی کے وسط
میں تصنیف و تالیف شروع کی ہے کسی نے اِس واقعہ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ کوئی امر اُن کو
اِس بیان کرنے سے مانع نہیں تھا۔ ابوالفرج کی روایت کو اگر صحیح سمجھا جائے تو مسلمانوں نے

اس کام کو ایک عمدہ کام سمجھ کر کیا تھا اور خصوصاً خلفائے راشدین کے افعال و اقوال بغیر کسی بحث
کے متبرک اور افضل سمجھے جاتے تھے پس کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان مورخ اپنی تاریخوں اور روایات
کے مجموعہ میں اس واقعہ کو بیان نہ کرتے۔ اس واقعہ کے مدعی عیسائیوں کو بھی یہ اعتراض
سوجھائی دیا تو اُن میں سے کسی بڑے طباع نے چار اسلامی نام لے دیئے۔ ابن خلدون
عبداللطیف بغدادی۔ مقریزی۔ حاجی خلیفہ۔ ابن خلدون کا نام البتہ ڈرانے والا تھا
کیونکہ وہ نہایت معتبر تاریخ اسلام کی ہے لیکن ابن خلدون کا نام لینا صرف ایک شرمناک
حوصلہ اور بے غیرت جرأت ہی معلوم ہوئی کیونکہ ابن خلدون نے اس واقعہ کو کبھی نہیں لکھا۔
مقریزی نے اپنی تاریخ مصر میں صرف عبداللطیف کی عبارت نقل کی ہے۔ حاجی خلیفہ
کے الفاظ کو علامہ شبلی نے نقل کیا ہے اُس بیچارے نے سکندریہ کا ذکر تک نہیں کیا عبداللطیف
باقی رہتا ہے اُس نے ساتویں صدی ہجری کے شروع میں ایک مصر کی تاریخ لکھی ہے جس میں
ایک ستون کے ذکر میں وہ لکھتا ہے کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں بیان کرتے ہیں کہ مصر کا کتب خانہ
تھا جس کو عمرو بن العاص نے عمر بن الخطاب کے حکم سے جلایا تھا۔ عبداللطیف کے بیان
کو کوئی شہادت نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ ایک سُنی سُنائی افواہ کا ذکر کر رہا ہے۔ مسٹر کریل بھی کہتے
ہیں کہ عبداللطیف کا بیان محض علیٰ سبیل التذکرہ معلوم ہوتا ہے۔ عبداللطیف نے اور جو
حالات افواہی لکھے ہیں وہ بھی سب غلط ہیں۔ چنانچہ سپکٹیٹر مورخہ ۱۳ جون میں اسی
مضمون پر بحث کرتے ہوئے ایک شخص نے لکھا تھا کہ کتب خانے کا جلایا جانا تو ایک طرف
عبداللطیف نے اس کے ساتھ اور جو واقعات بیان کئے ہیں وہ کون سے سچے ہیں۔ ہم
اُمید ہے کہ اہل یورپ کے ایسے دھوکے چل جانے کے دن اب گذر گئے ہیں +

اصل یہ ہے کہ سکندریہ کا کتب خانہ مسلمانوں کی فتح سے ایک مدت پہلے خود عیسائی
بادشاہوں کے ہاتھ سے جل چکا تھا۔ جولیس سیزر کے محاصرے میں کتب خانے کے جل جانے کو
گبن اور کریل دونو صاف طور پر مانتے ہیں اور کتابوں کی بربادی متعصب عیسائی پادریوں کا
کام بتاتے ہیں۔ سور نیان ایک فرانسیسی عالم اسلام کی مخالفت میں لکچر دیتے ہوئے اس بات
کو مجبوراً مان گیا ہے۔ کہ یہ الزام کہ عمر نے کتب خانہ سکندریہ کو برباد کرا دیا صحیح نہیں ہے

کتب خانہ مذکور اس زمانہ سے پہلے برباد ہو چکا تھا۔ ڈریپر بھی مانتا ہے کہ آدھا کتب خانہ تو
جولیس سیزر نے جلایا تھا اور باقی پادریوں نے دانستہ برباد کر دیا تھا۔ عیسائی مورخ جب شاہی
کتب خانے کا مسلمانوں سے جلنا ثابت کرنے سے ناامید ہوئے ہیں تو انہوں نے سراپیم
کے ایک اور کتب خانہ کا نام لے دیا ہے۔ لیکن اس ایجاد کو کوئی بھی نہ سنیگا۔ کیونکہ ابوالفرج خود
شاہی کتب خانہ کا ذکر کرتا ہے جس کی روایت پر یہ طوفان اٹھایا گیا ہے +

غرض کتب خانہ کے جلانے کی تاریخی شہادتوں کا تو یہ حال ہے درایۃً ہمارے مورخ
نے اس الزام کو قطعی طور ثابت کر دیا ہے۔ کم سے کم سکندریہ کے چار ہزار حماموں میں چھ ماہ
تک کتابیں جلانا اگر چار لاکھ یا سات لاکھ ہی کتابوں کی تعداد صحیح مان لی جائے تو فی حمام
ہر روز ایک کتاب یا آدھی کتاب حصہ میں آتی ہے۔ کیا یہ بھی کوئی حکم تھا کہ ایک کتاب یا آدھی کتاب
ہر روز جلائی جائے؟ یا کتاب اتنی اتنی بڑی تھی کہ آدھی کتاب دن بھر کے ایندھن کے واسطے
کافی ہوتی تھی۔ ڈریپر مانتا ہے کہ کتابیں چمڑے پر لکھی ہوئی تھیں۔ امید ہے کہ جیسے ڈریپر
حیران ہو کر پوچھتا ہے اس زمانہ کا چمڑا بھی ایندھن کا کام نہیں دیتا ہوگا +

عمرو بن العاص اس کے بعد چھ ماہ تک سکندریہ میں نہیں رہا۔ عیسائیوں ہی کو کتابوں کا
ایندھن پسند ہوگا ورنہ وہ اس کے چلے جانے کے بعد ان کو بچا سکتے تھے۔ مسلمانوں کا جو عام
برتاؤ اہل ذمہ کے ساتھ تھا وہی مصر کے ساتھ بھی برتا گیا۔ عمرو بن العاص کے معاہدے کے
یہ الفاظ موجود ہیں کہ "عمرو بن العاص نے اہل مصر کو ان کی جان۔ خون۔ مال۔ متاع۔ مدد کو امان
عطا کی" اور نیز یہ کہ ان کی زمین اور مال انہیں کا رہیگا اور ان میں سے کسی چیز میں تعرض نہ کیا
جائیگا"۔ کیا حضرت عمر کا عام سلوک جو ذمیوں کے ساتھ ایک لمحہ کے واسطے کسی ایسے شبہ کو جگہ دیتا
ہے کہ انہوں نے کتابوں کے جلانے کا حکم دیا ہوگا۔ کیا مشرکین اور عیسائیوں کے معبدوں
علاوہ گرجوں سے جہاں علانیہ بت پرستی ہوتی تھی اور جن کی حفاظت کے وہ ذمہ دار ہوتے تھے
اور معاہدوں میں جن کی نسبت یہ خاص الفاظ ہوتے تھے کہ کوئی گرجا اور عبادت گاہ شہر کے
اندر یا باہر نہ گرایا جائیگا" کتابیں زیادہ ناپاک تھیں۔ عمرو بن العاص نے مصر کے متعلق تمام
امور کا فیصلہ اپنی رائے سے کیا اور خود ہی معاہدے اور شرطیں کیں۔ ابوالفرج خود اس کا علم دوست ہونا

مانتا ہے۔ کیا کتب خانے سے اُس کو کوئی خاص دشمنی تھی کہ اُس کی نسبت خود نہ فیصلہ کیا اور حضرت عمرؓ
کی رائے پوچھ بھیجی۔ ایک اور تاریخی شہادت یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے جو مفصل خط بعد فتح
سکندریہ حضرت عمرؓ کو لکھا اُس میں سکندریہ کے تمام جزوی حالات بیان کئے ہیں مگر ابوالفرج
کے فرضی کتب خانے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ عیسائی مورخ اِس صاف بات پر بھی نظر نہیں کرتے
کہ اگر سکندریہ کا کتب خانہ مسلمانوں نے جلادیا تھا تو مصری یونانیوں کی ہزار ہا کتابیں مسلمانوں
کے پاس کہاں سے پہنچیں۔ خود یحییٰ نحوی کی تصانیف میں سے جو کتب خانہ کا مہتمم تھا اور کتب خانہ کی
درخواست عمرو بن العاص سے کرتا تھا چالیس پچاس سے زیادہ کتابیں عربی زبان میں ترجمہ ہوئی
ہیں۔ اگر سکندریہ کا کتب خانہ عمرو بن العاص کے زمانہ میں برباد ہو گیا تھا تو یحییٰ نحوی کی تصانیف
سب سے پہلے برباد ہونی چاہئے تھی +

غرض سکندریہ کے کتب خانہ کی نسبت یہی مانا جائیگا کہ اسلام کے زمانے سے پہلے تمام کتب خانے
برباد ہو چکے تھے۔ جس کے اسباب و اتفاقات مورخوں نے بہ تفصیل لکھے ہیں لیکن ان حوادث سے
بھی علمی آثار بالکل معدوم نہیں ہو سکتے تھے۔ اور بربادی کتب کے زمانہ سے مسلمانوں کے وقت
تک جو سرمایہ جمع ہو کر رہ گیا تھا وہ ہرگز ضائع نہیں ہوا۔ بلکہ مسلمانوں نے اُن کی نہایت قدر کی
اور یادگار زمانہ قدیم کے طور پر محفوظ رکھا۔ چنانچہ ہزار ہا کتابیں اور بطلیموس کے بنائے ہوئے کرے
تک محفوظ ہے اور مسلمانوں نے نہایت قدر کی +

علامہ شبلی نے اپنی بحث کے شروع میں لکھا ہے کہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ یورپ کو کتب خانہ
اسکندریہ کے ساتھ اِس قدر ہمدردی کیوں ہے۔ مسلم ہے کہ جس کتب خانہ کی نسبت بحث ہے
عیسائیوں کو اُس سے کچھ واسطہ نہیں ہے اُسکو بادشاہان مصر نے قائم کیا تھا جو بت پرست تھے اور
حضرت عیسےٰ سے بہت پہلے تھے۔ شاید یہ کہا جائے کہ یورپ کی عام قدردانی اور ہمدردی کا اثر ہے
لیکن اِس حالت میں سکندریہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ انہیں ممالک میں اور بھی بہت بڑے بڑے
کتب خانے برباد ہوئے اُن پر یورپ میں یہ شور و غل کہاں ہوا۔ اسکندر نے ایران کے کتب خانے جو برباد کئے
اُن کی تشہیر کس نے کی؟ سپین میں خود عیسائیوں نے مسلمانوں کی تمام علمی یادگاروں کو مٹا دیا
اور کئی لاکھ کتابیں برباد کردیں کس نے اُس کا ماتم کیا؟ پھر کتب خانہ اسکندریہ کے ساتھ خاص

ہمدردی کیوں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کتب خانہ کو خود عیسائیوں نے برباد کیا اور بڑے
بڑے پیشوایان مذہب اُس کی بربادی میں شریک تھے اُس وقت تو یہ امر فخر کا باعث تھا لیکن جب
کسی قدر تہذیب و شائستگی کا زمانہ آیا تو یورپ نے دیکھا کہ اُس کے دامن پر یہ بہت بڑا بدنما داغ ہے
اُس کے مٹانے کی اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی کہ یہ الزام کسی دوسری قوم کے سر منڈھا جائے۔
متعصب عیسائیوں نے اِس گمشدگی کو فاتحان اسلام کی طرف منسوب کر دیا اور چونکہ اُس زمانہ میں
تمام یوروپ تعصب سے لبریز تھا اور کسی قسم کی علمی ترقی کا اثر نہ تھا کسی نے غور و تحقیق کی پروا نہ کی اور
نہایت تیزی سے یہ روایت تمام یورپ میں پھیل گئی۔ یورپ نے اُس ہمدردی سے اس واقعہ کا ماتم کیا
کہ وہ اُنہیں کا خاص کتب خانہ تھا چنانچہ عوام کا آج تک یہی خیال ہے اس عام شہرت نے بڑا فائدہ دیا
کہ عیسائیوں کی طرف اس الزام کو منسوب کرنے کا کسی کو خیال بھی نہ آیا کیونکہ ظاہرا یہ ایک بدیہی بات
ہے کہ کوئی قوم اپنا سرمایہ آپ نہیں برباد کر سکتی +

حضرت عمر کے حالات میں ایک واقعہ اس قسم کا ضرور بیان ہوا ہے مگر تاہم وہ اُس بہتان عظیم کی بنیاد
نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص نے اُن کے سامنے ذکر کیا کہ مدائن کی فتح میں ایک کتاب ملی تھی۔ اُس شخص نے
اُس کی بہت تعریف کی حضرت عمر اس پر ناراض ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب قصہ کہانیوں کی تھی۔
کیونکہ جب حضرت عمر نے یہ آیت پڑھی کہ نحن نقص علیک احسن القصص تو کہا کہ تم سے پہلے لوگ
اسی طرح ہلاک ہوئے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے علما اور اساتذہ کی کتابوں کی طرف توجہ کی اور توریت
اور انجیل کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ اُن کا علم جاتا رہا[1] یہ ایک نہایت پرمعنی اور سچی نصیحت تھی مگر کتاب کے
جلانے وغیرہ کا اس میں ذکر کچھ نہیں ہے غرض اِس الزام کی کوئی ادنے وجہ اور بنا بھی تلاش کرنے سے
نہیں مل سکتی اسی سبب سے سرولیم میور نے اِس واقعہ کے ذکر کو متروک کر دیا ہے اور اُن کی دونوں کتابوں
میں اِس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا +

اِس باب کے خاتمہ پر ہم کو حضرت عمر کے زمانہ خلافت کے اِس واقعہ کا یاد کرنا بھی شاید ضروری ہو جو
عیسائیوں اور یہودیوں کی ایک قوم کو عرب سے اُٹھا کر سنہ ۲۰ ہجری میں شام اور عراق میں آباد کرنے کا
تھا مختلف وجوہات اور واقعات جو اُس کا سبب بیان کئے جاتے ہیں اُن کی تنقیح کرنا بہت مشکل

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۹۹ +

ہے لیکن یہ بات تو آسانی سے قیاس کی جا سکتی ہے کہ اُس کی کسی قوت کا ایران اور شام کے فاتح کو خوف نہیں ہو سکتا تھا۔ اِس کے سوا جو وجوہات ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ خود اُس قوم کے اپنے درمیان فتنہ اور اُن کی اپنی خواہش کا نتیجہ تھا۔ اُن کی سود خواری اور بد اخلاقی بھی جس کا اثر مسلمانوں تک پہنچتا تھا شاید داخل وجوہات ہو۔ یہودیوں کو ایک قتل کے جرم کا مجرم بھی بیان کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت عمر کے خیال میں کوئی دور اندیش احتیاط بھی ہو۔ عیسائی مورخ کہتے ہیں کہ اُس کی وجہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تھا کہ "عرب میں صرف ایک مذہب رہیگا"۔ اگر یہ بھی صحیح ہو تو کچھ حرج نہیں۔ اِس تبدیلی سے عیسائیوں اور یہودیوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ زمین کے عوض اُن کو زمین دیگئی۔ ملک واسباب کی قیمت دی گئی۔ اپنا اسباب جو نہ لے جانا چاہیں اُس کو اطمینان سے فروخت کر لینے کا حکم دیا گیا۔ شام اور عراق میں مسلمانوں ہی کی حفاظت اور حکومت میں بڑے امن سے جا آباد ہوئے عیسائی مورخ مانتے ہیں کہ عیسائیوں کی اُس قوم کے ساتھ جو معاہدہ آنحضرت صلعم فرما چکے تھے اور جو حقوق اُن کو دے چکے تھے خلفا ہمیشہ اُس کے پابند رہے اور اُن کی تعداد کے موافق جزیہ جو وہ ادا کرتے تھے ہمیشہ کم کر دیا جاتا رہا۔ سر ولیم میور بھی اِس واقعہ کو بیان کر کے اُس سے کوئی بے انصافی کا پہلو نہیں نکال سکے کیونکہ اُس میں درحقیقت اِس قسم کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ یہودی اور عیسائی اِس طرح پر ملک بدر اور جلاوطن نہیں کئے گئے جس طرح اِس مہذب زمانہ کے ایک عیسائی شہنشاہ نے بدبخت یہودیوں کو اپنے ملک سے خارج اور جلاوطن کیا ہے +

حضرت عمر کو جو انصاف اور رحم اور کریمانہ برتاؤ غیر اقوام سے برتنا منظور تھا اور جس کو انہوں نے ہمیشہ برتا اِس سے بڑھکر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وفات کے وقت جو انہوں نے تین وصیتیں کیں اُن میں سے ایک یہ تھی:۔

اوصی الخلیفۃ من بعدی بذمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یوفی لھم بعھدھم وان یقاتل من ورائھم ولا یکلفوا فوق طاقتھم +

میرے بعد جو خلیفہ مقرر ہو گا اُس کے لئے میں رسول اللہ کے ذمہ پر وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے معاہدے کو بجا لائے اور اُن کی حفاظت کے لئے اُن کے دشمنوں سے لڑے اور اُن کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیجائے +

نواں باب

عادات۔ طرز زندگی۔ طبیعت۔ وفات۔ حلیہ۔ ازواج و اولاد۔ خطوط۔ خطبات۔ اقوال

حضرت عمر کی خاص عادات اور طرز زندگی میں سب سے ممتاز ان کی وہ انتہا درجہ کی اور سخت اور درشت سادگی۔ کسر نفسی۔ جفاکشی۔ پرہیزگاری اور نفس کشی ہے جو شارع اسلام علیہ التحیۃ والسلام کی پاک زندگی کی مبارک مثال کی پوری تقلید اور پیروی سے تھی۔ اسی میں ان کی کامیابی کے بہت سے راز مخفی تھے اور آئندہ اسلامی دنیا کے واسطے دین و دنیا کو ملا کر رکھنے اور اس میں رہنے کا ایک قابل تقلید نمونہ اور مثال تھی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور پیروی کرنا اور کرانا ان کی زندگی کی غرض اور ایمان تھی۔ مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالے عنہ کی پیروی کرنا اور ان کے نقش قدم پر چلنا بھی ان کے نزدیک ویسا ہی ضروری تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کا اس درجہ ادب کرتے تھے کہ خلافت کے پہلے روز جب آپ منبر رسول اللہؐ پر خطبہ پڑھنے کے واسطے کھڑے ہوئے تو جس درجہ پر حضرت ابو بکرؓ پاؤں رکھتے تھے وہاں پر حضرت عمرؓ بیٹھے اور قدم زمین پر رکھے۔ لوگوں نے کہا کہ جہاں حضرت ابو بکرؓ بیٹھتے تھے وہاں آپ کیوں نہیں بیٹھتے تو کہنے لگے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاؤں کی جگہ بیٹھنا ہی میرے لئے مناسب ہے[1]۔ غرض حضرت ابو بکرؓ کے احکام اور وصیتوں اور ان کے طرز عمل اور طرز زندگی کی پیروی کرنا بھی جو درحقیقت آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پاک زندگی کی پیروی تھی اپنے واسطے ضروری جانتے تھے۔ ان کے عہد و معاہدوں کی پابندی۔ ان کے مقرر کئے ہوئے وظائف اور روزینوں کو جاری رکھنا جس کی متعدد مثالیں بیان ہو چکی ہیں اپنے پر لازمی سمجھتے تھے۔ اور ان کی اپنی طرز زندگی

[1] ازالۃ الخفا باب سیاست۔

اور عادت اِن دو مثالوں کی پیروی میں اُس وقت ایک تیسری مثال تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
مبارک ذکر اُن کے کاموں اور فیصلوں میں ہمیشہ ہادی اور راہ نما رہا۔ ایک واقعہ اس کی
اچھی مثال ہے۔ عبید اللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس کے مکان کا پرنالہ
حضرت عمر کے راستہ میں تھا۔ ایک جمعہ کے دن حضرت عمر نے کپڑے پہنے۔ حضرت عباس
کے واسطے اُس روز دو چوزے ذبح کئے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ جب پرنالے کے نیچے سے
گذرے تو خون ملا ہوا پانی اُن کے کپڑوں پر گرا۔ حضرت عمر کو گھر واپس جا کر کپڑے بدلنے پڑے
پھر آکر نماز پڑھائی اور اُس پرنالہ کے اُکھیڑ دینے کا حکم دیا۔ اُس کے بعد حضرت عباس اُن کے
پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ پرنالہ اُس جگہ پر ہے جہاں رسول اللہ صلعم نے اُس کو لگایا
تھا۔ حضرت عمر یہ سُن کر کانپ اُٹھے اور حضرت عباس کو کہا کہ تمہیں خدا کی قسم ہے جب تک
اُس پرنالہ کو وہیں نہ رکھ دو اور کوئی کام نہ کرنا۔ چنانچہ وہ وہیں رکھا گیا۔ ایسے ہی ایک دفعہ
حضرت عمر نے کعبہ سے سونا چاندی اُتار کر مسلمانوں میں تقسیم کر دینا چاہا۔ سلمہ نے کہا کہ آپ
ایسے نہ کر سکینگے۔ کہنے لگے کیوں مسلمہ کہتا ہے میں نے کہا اس لئے کہ آپ کے دونوں
صاحبوں نے نہیں کیا۔ کہنے لگے البتہ یہ درست ہے اور خاموش ہو کر چلے گئے۔ حسان
ایک دن مسجد نبوی میں شعر پڑھ رہا تھا اور حضرت عمر جا پہنچے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ
صلعم کی مسجد میں تو شعر پڑھتا ہے۔ اُس نے جواب دیا میں جب بھی پڑھتا تھا جب تیرے
سے اچھے اِس میں ہوتے تھے۔ حضرت عمر یہ جواب سُن کر خاموش ہو گئے +

آنحضرت صلعم کے ساتھ جس قسم کی سادہ زندگی بسر کرنے کی بنا پڑ گئی تھی اُس میں
اُن کی آخر زندگی تک سر مو فرق نہیں آیا۔ نہ قیصر اور کسریٰ کے ملکوں لئے نہ اُن کے خزانوں
اور دولتوں اور نہ اُن عیش و عشرت کے سامانوں نے جو اُن کے سامنے لائے جاتے تھے
اُس میں کوئی تغیر پیدا کیا۔ بلکہ اُنہیں عرب کی سادہ زندگی میں تغیر پیدا کرنے کی رغبت اور
اشتعال دلانے والے اسباب کے پیدا ہونے پر مسلمانوں کی سادہ زندگی کے قائم رکھنے
کی تدابیر کرنی پڑیں اور اپنے آپ کو اُن کے واسطے نمونہ بنانا پڑا۔ دنیا کی دولت اور
خزانوں کو وہ بے حقیقت اور اُس دولت لایزال کے سامنے جس سے خدا کی حمد نے

اُن کے دلوں کو اُجال اور منور کر دیا تھا حقیر اور ہیچ سمجھتے تھے ۔ کسرے کے خزانوں اور سونے
چاندی کے انباروں نے اگر حضرت عمر کی طبیعت پر کچھ اثر کیا تو یہ تھا کہ جب وہ خزانے اُن کے
سامنے آئے تو آپ اُن کو دیکھ کر رونے لگ گئے ۔ عبدالرحمن نے کہا کہ یا امیرالمومنین یہ تو شکر
اور خوشی کا وقت ہے آپ روتے کیوں ہیں ۔ آپ نے جواب دیا کہ کسی قوم میں اُن کی زیادتی
اُن کے درمیان عداوت اور بغض کے پیدا ہونے کی دلیل ہے[۱] دولت دُنیا کے انجام
بھی وہ ناواقف نہیں تھے غرض وہی موٹے اور پُرانے اور پیوند لگے ہوئے کپڑے اور
کھانے پینے کی سادہ چیزیں اُن کی پوشاک اور خوراک کی خصوصیتیں تھیں جن میں
کبھی فرق نہیں آیا +

زید بن وہب کا قول ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو بازار میں جاتے ہوئے دیکھا اُن کے
اوپر ایک چادر تھی جس میں چودہ پیوند لگے ہوئے تھے اور بعض اُن میں چمڑے کے تھے[۲]
زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو ایک چادر اوڑھے ہوئے دیکھا
جس میں سترہ پیوند لگے ہوئے تھے ہیں یہ دیکھ کر رو پڑا اور روتا ہوا گھر چلا گیا حضرت
انس رضہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں میں اُن کو دیکھتا تھا کہ اُن کے کندھوں
کے درمیان کرتے میں تین یا چار پیوند اوپر تلے لگے ہوئے ہیں[۳] ابو عثمان نہدی کا قول ہے
کہ میں نے حضرت عمرؓ کے تہ بند میں چمڑے کا پیوند دیکھا ۔ زر کہتا ہے عید کے دن میں نے
اُن کو ننگے پاؤں دیکھا ۔ جب حضرت عمرؓ دوسری دفعہ شام میں گئے اور ایلیا ایک
عیسائیوں کی بستی میں جہاں آپ کی سادگی اور سادہ وضع کے سبب سے کوئی اُن کو پہچان
نہیں سکتا تھا ۔ اور حضرت عمر ہی سے لوگ پوچھتے تھے کہ امیرالمومنین کہاں ہیں ۔ ایک
عیسائی پادری اسقف کے ہاں ٹھیرے تھے ۔ آپ کا پیراہن پالان شتر کی چوب سے
اُلجھ کر پیچھے سے پھٹ گیا ۔ حضرت عمر نے وہ اپنے میزبان کو دیا کہ وہ اُس کی مرمت کر دے
اُس نے اُس کی مرمت کر دی ۔ اور ایک کرتا باریک کپڑے کا جو گرمی کے اُس موسم کے سفر
کے واسطے زیادہ موزوں تھا تیار کرا کر لایا اور حضرت عمر کے پیش کیا اُس کو بھی پہنیئے ۔

[۱] ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک ذم الدنیا ۔ [۲] ازالۃ الخفا تصوف وسلوک [۳] ازالۃ الخفا تصوف وسلوک +

سُن کر کہ وہ طرح طرح کے کھانے کھاتا ہے اُس کے کھانے پر پہنچے اور سادہ قسم کے کھانے سے
پیٹ بھر کر اُس کے ساتھ کھا لیا۔ اور پھر اُس کو نصیحت اور ہدایت کی کہ رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف کھانے سے اُن سے چھوٹ جائیگا۔ غرض روٹی اور گوشت اور زیتون
اور گھی اور دودھ ترکاری اور سرکہ اور کھجور وغیرہ اُن کے کھانے کی کُل چیزیں تھیں لیکن
ایک وقت میں دو چیزیں کھانے پر کبھی نہیں کھاتے تھے اگر ایسا کھانا سامنے آتا تھا
تو اُٹھوا دیتے تھے جیسے کئی دفعہ واقع ہوا۔ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں سے
جو لوگ ایسی ہی سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اُن کی تعریف و توصیف کرتے تھے
عمرو بن عیسے نے ایک دفعہ کہا کہ میں شوخ کپڑے کو کبھی نہ پہنونگا اور رات کو نرم بستر پر
نہ سوؤنگا اور سُم تراشے گھوڑے پر کبھی سوار نہ ہونگا اور اپنے پیٹ کو روٹی سے کبھی نہ
بھرونگا۔ حضرت عمر نے یہ سُنا تو فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ کے ھدی کی طرف دیکھنا
چاہے وہ عمرو بن عیسے کو دیکھے[1]

ایک دن اپنے بیٹے عاصم کو گوشت کھاتے دیکھ کر اُس سے سوال کیا۔ اُس نے کہا
کہ گوشت کو میرا دل چاہتا تھا۔ حضرت عمر نے کہا کہ جس چیز کو تیرا دل چاہیگا تو اُسے ہی
کریگا۔ آدمی کا یہی اسراف ہے کہ جس چیز کو اُس کا دل چاہے وہی کھائے[2]۔ اسلم اُن کا
غلام بیان کرتا ہے۔ کہ ایک دن حضرت عمر نے کہا کہ میرا دل تازہ مچھلی کو چاہتا ہے۔ یرفا کو
مچھلی لینے کے واسطے بھیجا اور وہ کئی روز میں مچھلی خرید کر لایا۔ حضرت عمر نے دیکھا کہ
اُس کی سواری کے گھوڑے کو بہت تکلیف ہوئی ہے تو اپنی اس خواہش پر افسوس کیا اور
وہ مچھلی نہ کھائی[3]+

ایسی ہی سادگی سے آپ سفر کرتے تھے۔ کوئی سامان سفر کا نہیں ہوتا تھا۔ عبد اللہ
بن عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر کے ہمراہ حج کو گیا وہ کبھی کوئی خیمہ یا
چھولداری لگا کر نہیں رہتے تھے۔ دھوپ کے وقت کبھی چادر اور کبھی چمڑا جس پر بیٹھا
کرتے تھے درخت پر ڈال کر اُس کے سایہ میں آرام لے لیتے تھے[4]

[1] ازالۃ الخفا تصنیف مسلوک [2] سیوطی [3] سیوطی و ازالۃ الخفا [4] ازالۃ الخفا و سیوطی+

اور حضرت ابوبکر کا زمانہ تو اس طرح گذر گیا کہ نہ اُنھوں نے دُنیا کا ارادہ کیا اور نہ دُنیا نے
اُن کا ارادہ کیا تمہارے ہاتھ پر خدا نے قیصر اور کسریٰ کے خزانے کھول دئیے ہیں
اور ملک فتح ہو گئے ہیں عرب اور عجم کے قاصد تمہارے پاس آتے ہیں اور یہ جُبہ جس میں
بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں تمہارے اوپر دیکھتے ہیں اچھا ہوتا کہ آپ کو بدل دیتے۔ اور
باریک کپڑا پہنتے اور دسترخوان کو وسیع کرتے۔ حضرت عمر یہ باتیں سُن کر رونے لگ گئے
اور پھر اُن سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تم بتاؤ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی
اپنی زندگی میں گیہوں کی روٹی دس دن یا پانچ دن یا تین دن بھی شکم سیر ہو کر کھائی
ہو یا ہمیشہ دونو وقت کھانا میسّر آیا ہو۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر کہنے لگے
کہ تم رسولؐ کی زوجہ اور امہات المومنین ہو۔ اور تمہارا سب مومنوں پر اور خاص کر مجھ پر
حق ہے۔ تم میرے پاس آئیں۔ لیکن تم نے مجھے دُنیا کی رغبت دی اور میں جانتا ہوں
کہ رسول اللہ صلعم اون کا جُبہ پہنا کرتے تھے جس کی سختی سے کئی دفعہ اُن کا جسم چھل گیا
کیا تم اس کو نہیں جانتی ہو۔ اُنھوں نے جواب دیا ہاں۔ پھر کہنے لگے کہ رسول اللہؐ
کبھی نرم بستر پر نہیں سوئے۔ کیا تمہارے گھروں میں کوئی فرش یا بچھونا بچھانے کے واسطے
تھا۔ کیا چٹائی کے نشان اُن کے پہلوؤں میں نہیں پڑ پڑ جاتے تھے۔ اے حفصہ
کیا تو نے ایک دفعہ نہیں بیان کیا تھا کہ تو نے ایک دن کپڑے کو دو تہ کر کے اُن کے
نیچے بچھا دیا تھا اور وہ اُس کی نرمی کے سبب سے ایسے سو گئے کہ بلال کی اذان کی
آواز سے پہلے نہ اُٹھے اور تجھ کو فرمانے لگے کہ اے حفصہ تو نے آج کیا کیا کہ کپڑا
دُہرا کر کے بچھا دیا جس کے سبب سے میں صبح تک سوتا رہا اور فرمایا تھا کہ میرا اور
دُنیا کا کیا علاقہ ہے اور نرم بستروں سے میرا کیا کام ہے کیا تم نہیں جانتیں کہ رسول اللہ
مغفور من ذنبہ ما تقدم وما تاخر تھے لیکن ہمیشہ بھوک اور بیداری اور رکوع اور
سجود اور گریہ وزاری اور عجز و نیاز بدرگاہ باری اور بیقراری میں رات دن گذرتی تھی
یہانتک کہ خدا نے اُن کو اپنی رحمت اور رضوان کی طرف بُلا لیا۔ عمر نہ کھاویگا اور نہ
پہنیگا۔ اُس کی حالت اُس کے دونوں صاحبوں کے مانند رہیگی۔ وہ ترکاریوں میں

سوائے زیتوں کے جمع نہ کریگا اور مہینہ میں ایک دفعہ سے زیادہ گوشت نہ کھائیگا۔ غرض وہ دونو یہ سُن کر چلی آئیں اور اصحاب رسول اللہ کو یہ ماجرا سنا دیا[۱] اسی طرح جب کبھی اِس قسم کی صلاح اُن کو دی جاتی تھی تو وہ کہہ اُٹھتے تھے کہ میں سختی ہی اپنے دو صاحبوں کی طرح اِس لئے بسر کرتا ہوں کہ شاید نرمی اور آرام میں خدا مجھ کو اُن کے ساتھ شریک کرے[۲]

حضرت عمر اہل فوج کو دھوپ کھانے اور موٹا کپڑا پہننے کے سوا گھوڑوں پر رکاب کے سہارے بغیر سوار ہونے کی ہدایت کیا کرتے تھے اور خود بھی اُس کی پابندی کرتے تھے گھوڑے کے کان تھام کر اُچک کر اُس کے اوپر جا بیٹھتے تھے +

حسنؓ جب حضرت عمر کا ذکر کرتے تو کہا کرتے کہ خدا کی قسم وہ اسلام میں اول نہیں تھے اور نہ نفقہ فی سبیل اللہ میں افضل تھے مگر یہ کہ وہ زہد فی الدنیا اور استحکام فی امر اللہ میں لوگوں پر غالب آئے۔ خدا کے کاموں میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے[۳]

معاویہ کا قول ہے کہ "نہ حضرت ابوبکر نے دُنیا کی خواہش کی اور نہ دُنیا نے اُن کی خواہش کی حضرت عمر کو دُنیا چاہتی رہی مگر اُنھوں نے اِس کی کچھ پروا نہ کی اور ہم لوگ دُنیا میں پھنس گئے"[۴]

ابن عباس سے کسی نے حضرت ابوبکرؓ کی نسبت پوچھا اُنھوں نے جواب دیا کہ وہ گل کے گل خیر تھے اور حضرت عمر کی نسبت پوچھا تو کہنے لگے کہ وہ ہوشیار پرندہ کی طرح تھے جو چاروں طرف دام میں پھنس جانے سے ڈرتا رہتا ہو[۵]

حضرت عمر کی طبیعت میں جو سختی اور درشتی ابتدا میں پائی جاتی تھی اُس سے اُن کے اپنے زمانۂ خلافت میں بالکل مفقود ہو جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو اپنی طبیعت پر کس درجہ قابو اور ضبط کی قدرت تھی۔ حضرت عمر نے جس خطبہ کے ساتھ اپنی خلافت کو شروع کیا اُس میں اُنھوں نے کہا کہ "اے خدا میں ضعیف ہوں مجھے قوت دے اور میں سختی کرنے والا

---

[۱] اور [۲] و [۳] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک [۴] و [۵] سیوطی +

ہوں مجھے نرمی دے یا میں بخیل ہوں مجھے سخی کر[1] اُن کے آغاز خلافت میں جو لوگ اُن کی سختی کی طرف سے خوف کرتے تھے اُس کو سُن کر اُنہوں نے ایک خطبہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے زمانہ میں اپنی سختی کے سبب کو جسے ہم بیان کر چکے ہیں بیان کیا۔ اور اپنی خلافت میں نرمی کرنے کا اطمینان دلایا۔ اور اُن کا تمام برتاؤ اُن الفاظ کے مطابق رہا۔ سعید بن مسیب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے اُن کے اسی خطبہ کی طرف اشارہ کر کے کہا ہے کہ "خدا کی قسم عمرؓ نے وفا کی۔ وہ سختی کے موقعہ پر سختی میں اور نرمی کے موقعہ پر نرمی میں زیادہ ہوئے۔" سر ولیم میور کا قول ہے کہ "نوجوانی میں وہ آتش مزاجی اور بے صبر طبیعت کے سبب سے مشہور تھے اور نیز پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے پچھلے دنوں میں بھی وہ بدلا اور سزا کے تُند اور سخت وکیل تھے۔ تلوار کو نیام سے نکالنے کے واسطے ہمیشہ تیار رہتے تھے اور یہی تھے جنہوں نے بدر میں تمام قیدیوں کے قتل کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن عمر اور اپنے عہد کے بوجھ نے اُن کی طبیعت کی سختی کو نرم کر دیا تھا۔"[2] حضرت عمرؓ کی طبیعت کی نرمی اور مساکین اور محتاجوں کی مدد کرنے میں مصروف رہنے اور تواضع کرنے کے واقعات اور مثالیں بیان ہو چکی ہیں اور اور بھی اس قسم کے واقعات ہیں کہ مثلاً ایک دن ایک اپاہج معذور شخص کو دیکھ کر اُس کی کیفیت دریافت کرنے بیٹھ گئے اور اُس کی معذوری اور حال کو دیکھ کر روئے اور اُس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ مگر ہم اب اس باب کو ایسے واقعات سے طوالت نہیں دینا چاہتے۔ عام طور پر احسان اور مروت کرنے کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں کہ ایک دفعہ اُن کے رشتہ داروں میں سے کسی شخص نے اُن سے بیت المال سے کچھ مانگا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے جھڑک دیا اور کہا کہ شاید تو چاہتا ہے کہ خدا کے سامنے میں خائن بن کر جاؤں مگر اپنے مال سے اُس کو دس ہزار (یا ایک ہزار) درہم دیئے۔[3] اسی طرح اسید بن حضیر کا جب انتقال ہوا تو وہ حضرت عمرؓ کے واسطے ایک تحریری وصیت چھوڑ گیا۔ اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ چار ہزار کا مقروض ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنا کھجوروں کا باغ چار سال کے واسطے چار ہزار کے

[1] ازالۃ الخفا سیاسات [2] انلس آف دی خلافت صفحہ ۲۸۴ [3] طبری و ازالۃ الخفا

ایسے زلزلہ کا شخص ہے تو اُس کی کوئی بڑی بارگاہ ہوگی۔ یہاں مدینہ میں آکر دیکھا تو رہنے کا جھونپڑا تک ٹھیک نہیں اور امیر المومنین ہیں کہ اُن کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ آخر ایک بڑھیا نے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی فلاں نخلستان میں چھوڑے چلی آتی ہوں سفیر نے جا کر دیکھا تو واقعی ایک درخت کے نیچے پڑے سوتے ہیں۔ جاگے تو اپنا مطلب عرض کرنا چاہا مگر مارے ہیبت کے نہ قدم آگے کو اُٹھتا اور نہ بات مُنہ سے نکلتی تھی سر سے پاؤں تک تھر تھر کانپ رہا تھا۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

آپ ہنستے کم تھے جو رعب و ہیبت کی ایک یہ بھی خاصیت ہے اور تعریف کو پسند نہ کرتے تھے۔ ایک دن ایک شخص نے اُن کی تعریف کی تو کہنے لگے کہ کیا تو مجھے اور اپنے نفس کو ہلاک کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارادہ کی مضبوطی اور نیکی کرنے اور نیکی کرانے اور نیکی کی تعلیم کرنے کی مضبوط قوت نے اُن کی نسبت کہلایا ہے کہ شیطان اُن سے عاجز رہتا ہے اور جس راستہ سے وہ جاتے ہیں شیطان اُس راستہ سے نہیں گذرتا۔ اُن کی اس عجیب و غریب قوت کے تصور نے لوگوں کے دلوں پر عجیب اثر کیا ہے کہ جن لوگوں کو رات کو بُرے خواب آتے ہیں وہ شیطان کو ڈرانے کے واسطے اُن کا نام اپنی چھاتی پر انگلی سے سوتے وقت لکھتے ہیں۔ اور اس یقین سے بُرے خوابوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

حضرت عمر کا زہد و تقوےٰ اور عبادت اور خدا ترسی انہیں کے ساتھ خاص ہے ادائے فرائض میں اُن کی قوت ہر زمانے میں ہدایت کرنے والی ہوگی۔ ایک دفعہ مغرب کی نماز قضا ہو جانے میں اُس کے عوض میں ایک غلام آزاد کیا[1]۔

سعید بن مسیب کا قول ہے کہ حضرت عمر آدھی رات کی نماز کو محبوب سمجھتے تھے[2]۔ زید بن اسلم کے باپ سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رات کو جس قدر ہو سکتا تھا نماز پڑھتے تھے جب آخر رات ہوتی تو اپنے اہل کو بھی نماز کے لئے جگاتے اور الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر

---

[1] و [2] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک تو بہ

اُن کو پکارتے اور یہ آیت پڑھتے +

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ

جس رات آپ زخمی ہوئے ہیں صبح کی نماز کے واسطے اُٹھے اور کہتے لگے اور جو شخص نماز کو ترک کرے اُس کو اسلام سے کچھ حظ حاصل نہیں ہے۔ اس کے بعد نماز پڑھی اور زخم سے خون بہ رہا تھا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ صبح کی نماز میں جماعت کے لئے حاضر ہونا مجھے تمام رات کھڑے رہنے سے زیادہ محبوب ہے[1]

جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپ کو نہایت خوشی ہوتی اور کہتے کہ پاک اور پاک کرنیوالے کو مرحبا۔ یہ کل کا کل خیر ہے[2] عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ حضرت نے اپنی وفات سے پہلے دو سال پے در پے روزے رکھے[3]

زمانۂ خلافت میں ہر سال آپ حج کے واسطے جاتے تھے صرف اپنی خلافت کے پہلے سال ہیں عراق اور شام کے خدشوں کے سبب سے نہیں جاسکے تین دفعہ عمرہ کے واسطے گئے[4] آپ کہا کرتے تھے کہ جاڑا عبادت کرنے والے کے واسطے غنیمت ہے اور جب رات کو کھڑے ہوتے تو کہتے خدایا تو سب کے درجے کو دیکھتا ہے اور میری حاجت کو جانتا ہے تو ہی میری حاجت روائی کرتا کہ میں فلاح اور آرام پاؤں اور میری دعائیں مقبول ہوں۔ پہلے بھی تو نے مجھے معاف کیا اور رحم کیا۔ نماز ادا کرنے کے بعد دعا مانگتے کہ خدایا دنیا میں کوئی چیز قائم رہنے والی نہیں ہے اور نہ کوئی حالت برقرار رہنے والی ہے۔ خدایا تو مجھے ایسا کردے کہ میں اِس میں علم کے ساتھ بولوں اور حلم کے ساتھ خاموش رہوں۔ خدایا مجھے بہت دنیا نہ دے کہ شاید میں سرکش ہو جاؤں۔ اور نہ بہت تھوڑی کہ شاید تجھے بھول جاؤں۔ پس تھوڑی ہو اور کافی ہو اِس سے بہتر ہے کہ زیادہ ہو اور لہو میں ڈالے[5]

خوف خدا سے ہر وقت کانپتے اور ڈرتے اور گریہ وزاری کرتے تھے۔ اکثر اوقات آپ معصوم بچوں کو پکڑ کر کہتے کہ تم میرے لئے خدا سے دعا مانگو[6] حضرت علیؑ اور امام حسنؑ

اور امام حسینؓ کے پاس کھڑے ہوئے ایک دن رونے لگ گئے کہ معلوم نہیں میں نے امت رسول اللہ پر حکومت کرنے میں برا کیا یا بھلا کیا ہے۔ حسن سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے درہ میں رہا کرتے تھے یہاں تک کہ منہ کے بل گر پڑتے تھے اور کئی دن تک گھر میں مریض بنتے رہتے تھے۔

انہوں نے سورۃ اذا الشمس کو پڑھا جب واذا الصحف نشرت تک پہنچے تو بیہوش ہو کر گر پڑے اور کئی روز تک بیمار رہے۔ ایک دن ایک شخص کے مکان کے پاس سے گزرے جو نماز میں سورۂ طور پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ سننے کے واسطے کھڑے ہوگئے جب وہ ان عذاب ربک لواقع پر پہنچا تو یہ اپنی سواری سے اتر پڑے اور بے ہوشی میں اس کی دیوار کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ اور دیر تک بیٹھے رہے۔ آخر اپنے گھر پہنچے جہاں ایک مہینہ تک بیمار رہے۔ لوگ ان کی بیمار پرسی کو آتے تھے مگر کسی کو بیماری کا سبب نہیں معلوم ہوتا تھا۔

عبد اللہ بن عیسے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے چہرے پر رونے کے باعث دو کالے داغ پڑ گئے تھے۔ انس بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیوار کے پیچھے سے حضرت عمرؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ اے واہ عمر خطاب تو امیر المومنین ہے واللہ اے ابن خطاب تو خدا سے ڈرتا رہیو ورنہ اللہ تجھے عذاب دیگا۔ عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ ایک تنکا زمین پر سے اٹھا لیا اور کہنے لگے کہ کاش میں یہ تنکا ہوتا۔ اور کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔

ایک دفعہ ایک سائل نے آ کر کپڑے کا سوال کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اگر میں نہ دوں تو کیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں چلا جاؤنگا۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر کیا ہوگا۔ اسنے جواب دیا کہ

تکون عن حالی لتسئلنہ	پھر یہ ہوگا کہ میرے حال سے تجھ سے سوال ہوگا۔
یوم تکون الاعطیات جنہ	جس دن کہ صدقات ڈھال بنینگے۔
والوقف المسئول یعتنہ	اور مسئول سوچتا ہوگا کہ

ابن ۲و۳و۴ ازالۃ الخفا ۵ ازالۃ الخفا و سیوطی ۶ و ۷ سیوطی

اما الی نار و اما الی جنۃ | میں دوزخ کی طرف جاؤں یا بہشت کی طرف۔

حضرت عمر اس جواب کو سُن کر رو پڑے اور اُسے کپڑے دے کر رخصت کیا۔ دُنیا کی بے ثباتی کا خیال کسی وقت آپ کو بھولتا نہ تھا۔ ایک دفعہ حج میں جاتے ہوئے ضجنان کے جنگل میں اپنے بچپن کے دنوں کو یاد کیا اور اپنی موجودہ ذمہ واریوں کا خیال کیا اور یہ اشعار پڑھنے لگے:۔

لا شی مما تری تبقی بشاشتہ	کوئی چیز ایسی نہیں جس کی تازگی باقی رہتی دکھی جائے۔
یبقی الالہ ویودی المال والولد	اللہ باقی رہیگا اور مال اور اولاد سب فنا ہو جائینگے۔
لم تغن عن ہرمز یوما خزائنہ	ہرمز سے اُس کے خزانوں نے ایک دن بھی موت کو نہ ٹالا
والخلد قد حاولت عاد فما خلدوا	اور عاد نے ہمیشہ رہنے کا ارادہ کیا پس وہ نہ رہ سکا۔
ولا سلیمان اذ تجری الریاح لہ	اور نہ سلیمان جبکہ ہوائیں اُس کے تابع جاری ہوتی تھیں۔
والانس والجن فیما بینہا یرد	اور نہ آدمی اور جن جو اُس کے آگے رہتے تھے۔
این الملوک التی کانت منازلہا	وہ بادشاہ کہاں ہیں؟ جن کی منزلوں میں۔
من کل اوب الیہا راکب یفد	ہر ایک طرف سے سوار آتے تھے۔
حوض ہنالک مورود بلا کذب	یہاں ایک حوض ہے جس پر ضرور وارد ہونا ہے۔
لابد من وردہ یوما کما وردوا	اُس پر اُترنے سے کسی کو چارہ نہیں جیسے وہ اُس میں اُترے

حضرت عمر کی مُہر پر یہ عبارت کندہ تھی۔

کفی بالموت واعظا یا عمر۔ ایک مورخ انگریزی نے اُن کی خلافت کی مُہر کا کندہ صرف اُن کا نام یوں لکھا ہے

حضرت عمر کی اس سخت اور درشت اور ڈرانے والی صورت کے نیچے ایک دل تھا جو خوفِ خدا اور خدا اور رسول صلعم کی محبت میں پگھلا اور گھلا ہوا تھا۔ آنحضرت کے مبارک زمانے کی یاد اُن کی یادگاروں کو دیکھنا اور سُننا اُن کی آنکھوں سے خون کے آنسو نکال لاتا تھا۔ دوسرے سفر شام کا ایک واقعہ پڑھ کر تمام محبت والے دل بھر آتے ہیں کہ جب حضرت عمر شام سے واپس ہونے لگے

تو اصحاب نے کہا کہ حضرت بلال سے جو شام میں جا بسے تھے اور آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد اُنکی اذان سننے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا اذان کہلوائیں ۔ موذن رسول اللہ ؐ نے جب اپنی مشہور بلند آواز سے اذان کہنی شروع کی تو آنحضرت صلعم کے زمانۂ امامت کا نقشہ اور سماں سب کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا ۔ اُن جنگ جو بہادروں اور شیر دل لوگوں کے دل پانی کی طرح پگھل گئے ۔ اور بچوں کی مانند اِس قدر ڈاڑھیں مار مار کر روئے اور گریہ وزاری اور نالہ و بکا کیا کہ اُس کی کیفیت نہیں بیان ہو سکتی ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے تو گویا قیامت ہی آگئی اور بالکل بیہوش ہو گئے[1]

عجب اور تکبر کے خیال کو تو وہ اپنی روح کا برباد کر دینے والا سمجھتے تھے اور عجب طرح سے اپنے نفس کی ذلت کرتے تھے ۔ زید بن ثابت حضرت عمر کے منشی نے دیکھا کہ حضرت عمر اپنے کندھے پر پانی کی مشک اُٹھائے ہوئے لوگوں کے درمیان سے جا رہے ہیں اُن کی اِس حرکت سے تعجب ہوا اور پاس جا کر کہنے لگے یا امیر المومنین حضرت عمر نے کہا چپکا ہو جا میں تجھے بتا دونگا ۔ ایک بڑھیا کے گھر جا کر وہاں سے جب لوٹ کر گھر آئے تو زید نے پھر پوچھا حضرت عمر نے جواب دیا کہ تیرے جانے کے بعد میرے پاس روم اور فارس کے قاصد آئے تھے اور کہنے لگے کہ اے عمر تیری نیکی اللہ کے واسطے ہے ۔ اور لوگ تیرے علم و فضل اور عدل پر متفق اللسان ہیں ۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے دیکھا کہ میرے میں اِس سے تکبر اور غرور داخل ہو رہا ہے تب میں اُٹھ کھڑا ہوا اور نفس کے ذلیل کرنے کے واسطے کیا جو کچھ کیا[2] اِسی طرح ایک دن اپنی گردن پر پوستین ڈالے ہوئے نکلے لوگوں نے سبب پوچھا تو بتایا کہ میرے نفس میں عجب داخل ہوا تھا میں نے اُس کو ذلیل کرنا چاہا[3] اور عجیب و غریب واقعات اِس قسم کے بیان ہوئے ہیں کہ تکبر کے خیال کو دور کرنے کے واسطے وہ کس کس طرح سے اپنے نفس کی تذلیل کرتے تھے +

ہر رات کو حضرت عمر اپنے نفس سے حساب کرتے تھے کہ آج کے دن میں نے کچھ

[1] طبری صفحہ ۲۶۹۰ ذیل ادب خلافۃ صفحہ ۲۳۰ [2] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک [3] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک +

نہیں کیا فلاں کام کیا۔ فلاں کام کیا۔ اپنی غلطیوں پر اپنے آپ کو خود سزا دیتے تھے اور پیٹھ پر دُرّہ مارتے تھے۔ جب کوئی شخص اُن کو کہتا کہ خدا سے ڈر تو اُس کا شکریہ ادا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ خدا اُس کا بھلا کرے جو ہمارے عیب ہم پر ظاہر کرے۔[۱] اور لوگوں سے عیوب دریافت کرتے رہتے تھے۔ اور مسلمانوں میں جو لوگ صاف گو نڈر تھے اور حق کہنے کی جرأت کرتے تھے اُن کے ہونے پر خدا کا شکر کرتے تھے۔[۲] حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کہ جب صالحین کا ذکر آوے تو عمر کا ذکر ضرور کرنا چاہئے۔[۳]

حضرت عمر کو غصہ آنے کی حالت میں اُن کا غصہ فرو کرنے کی ایک عمدہ تدبیر کلام الٰہی اُن کے سامنے پڑھ دینا تھا۔ جو اُن پر ایک برقی اثر کرتا تھا ایک دفعہ حر بن قیس کا چچا حر کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے حضرت عمر کے پاس لے چل۔ حر نے کہا مجھے خوف ہے کہ تو وہاں جا کر کوئی نامناسب بات کہہ دے۔ اُس نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا۔ مگر حضرت عمر کے پاس جا کر وظائف دینے میں اُن کی بے انصافی کی شکایت کی۔ جس سے حضرت عمر کو غصہ آگیا۔ اور اُس کے ساتھ سختی کرنے کا ارادہ کیا۔ حر نے کہا یا امیر المومنین خدا فرماتا ہے۔ خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاھلین۔ حضرت عمر اس کو سنتے ہی خاموش ہو گئے۔ ایسے اور بھی واقعات ہیں۔ ابن عمر کا قول ہے۔ کہ میں نے کبھی حضرت عمر کو ایسا غضب ناک نہیں دیکھا کہ اُن کے سامنے اللہ کا نام لیا جائے یا خدا سے ڈرایا جائے اور کوئی آیت پڑھی جائے اور وہ اپنے ارادے سے باز نہ رہے ہوں۔[۴] بلال نے ایک روز اسلم سے پوچھا کہ تم حضرت عمر کو کیسا جانتے ہو اُس نے جواب دیا کہ اور آدمیوں سے وہ بہتر ہیں مگر غصہ کی حالت میں پناہ بخدا۔ بلال نے کہا کہ کاش غصہ کی حالت میں تو اُن کے سامنے قرآن پڑھتا اور اُن کا غصہ فوراً فرو ہو جاتا۔

حضرت عمر کی ذہانت اور حاضر جوابی کا ایک واقعہ بیان کرنے کے لائق ہوگا۔ کہ ایک دن ایک یہودی اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ نے خدا تعالیٰ کے اِس قول کو پڑھا ہے

[۱] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک [۳] سیوطی [۲] ازالۃ الخفا کلمات صفحہ ۲۰۷ [۴] سیوطی۔ ازالۃ الخفا موافقات صفحہ ۱۶۵

سارعوا الی مغفرة من ربکم وجنة عرضها السموٰت والارض تو زمین و آسمان جب عرض
جنت میں آگئے تو دوزخ کہاں گیا۔ حضرت عمر نے اصحاب رسول اللہ کو کہا کہ اس کا جواب دو
مگر سب خاموش رہے تب حضرت عمر نے یہودی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تو دن کو دیکھتا
ہے جب دن آتا ہے تو کیا وہ زمین و آسمان کو نہیں بھر دیتا۔ اُس نے کہا ہاں۔ حضرت عمر
نے کہا پس دوزخ کو بھی جہاں اللہ چاہے۔ یہودی نے تسلیم کیا۔ اور خاموش ہو گیا۔[1]

حضرت عمر اصحاب رسول اللہ کی اُن کے مراتب کے موافق عزت اور تعظیم و
تکریم کرتے تھے۔ اور جیسا مناسب ہوتا تھا اُن سے سلوک کرتے تھے اور اُن کے مدارج کو
نگاہ رکھتے تھے۔ اس کے متعلق واقعات بیان کرنا طوالت ہوگی۔ اُن کی وفات پر
آپ نہایت درد اور رنج سے رویا کرتے تھے۔ اور اسلامی اخوت کا حق ادا کرتے تھے
تمام متبرک اور مقدس مقامات کی تعظیم و تکریم ملحوظ رکھتے تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ
مکہ میں ایک گناہ کرنا کہیں باہر ستر گناہ کرنے سے بُرا ہے۔ یوروشلیم میں عیسائیوں
کے مقدس مقامات پر جن کا تقدس اسلام نے بھی ملحوظ رکھا تھا اُنہوں نے اُنکی
عزت و عظمت کو بخوبی ظاہر کیا۔ شام میں اور ایران میں جہاں کہیں مقدس مکانات
تھے اُن کی حفاظت اور درستی کا حکم دیا۔ شہر سوس جو ایران میں فتح ہوا تھا
حضرت دانیال کی قبر تھی۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ تعظیم کے ساتھ اُس کو قائم رکھا
جائے۔ اور بقول سر ولیم میور کے آئندہ نسلوں کی پاک حفاظت سے تیرہ سو برس
کے تغیرات اور انقلابوں سے محفوظ رہ کر وہ مقبرہ دریا کے کنارے پر آج تک
موجود ہے۔[2]

افسوس ہے کہ اب ہم اُس زمانہ کے قریب پہنچ گئے ہیں جب کہ دُنیا کے اپنی قسم کے
بے نظیر شخص اور ایک ایسے اسلامی وجود کو جس پر کہ اسلامی دُنیا حضرت سرور کائنات
کے بعد سچا فخر کر سکتی ہے دُنیا سے رخصت ہوتا دیکھیں وہ لوگ جنہوں نے حضرت عمر
کے زمانہ کی خلافت کی ترقیوں اور اسلامی دُنیوی عروج کو جس کے ساتھ ساتھ باہر کی

[1] سیوطی، ازالۃ الخفا مرافقات صفحہ ۱۶۵ [2] انلس اوف خلافت صفحات ۲۵۲ و ۲۷۸

دُنیا اسلام کی برکتوں اور رحمتوں سے کبھی فیضیاب ہوتی جاتی تھی نظر تامل سے دیکھا ہے اور جن کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اندرونی امن واطمینان جو حضرت عمرؓ کی بے نظیر قوت انتظامی کا نتیجہ تھا پھر اس غرض کے واسطے کہ اس سے ایسے ہی عمدہ نتائج حاصل کئے جائیں پھر کبھی نہیں حاصل ہوا۔ وہ اس ناگہانی پُر الم حادثہ پر جو اسلام کی ترقیوں کے سلسلہ کو پہنچا اور اس ناقابل تلافی نقصان پر سخت رنج اور غم کریگا۔ حضرت عمرؓ کو اگر عمر طبعی تک زندہ رہنا بھی نصیب ہوتا تو اسلامی ترقیوں کو ہم اسی نسبت سے بہت بڑھتے ہوئے درجہ پر دیکھتے اور ہر ایک بشر کے ضروری انجام کا خیال اُن کی وفات پر افسوس کرنے والے کو تسلی دینے والا ہوتا مگر اس بے وقت وفات پر درحقیقت صبر کرنے سے صبر بھی نہیں آتا۔

انگریزی مورخ اِس دردانگیز واقعہ کے بیان کو ان الفاظ سے شروع کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کو یہ گیارھواں سال تھا اور اگرچہ اُن کی عمر پچپن سال کی (اور ایک اور روایت کے موافق ساٹھ سے اوپر) تھی۔ لیکن وہ توانا اور اپنی عظیم اور وسیع ذمہ واریوں کے پورا کرنے میں جو اُن کو سپرد کی گئی تھیں ویسے ہی پرجوش ہوشیار اور مستعد تھے تیئیسویں سال ہجری کے آخری مہینے میں اپنے معمول کے موافق اُنھوں نے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور اس موقع پر ازواج رسول اللہ صلعم کو ہمراہ لیجاکر سالانہ حج ادا کیا مدینہ کو واپس آتے ہوئے اُن کو صرف چند ہی روز گذرے تھے کہ اُن کی حکومت ایک المناک اور غمگین اور بے وقت انجام کو پہنچ گئی[1]۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے ایک ہفتہ یا کچھ کم و بیش روز پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک مرغی نے اُن کو دو تین ٹھونگیں ماریں۔ ایک اور امر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کعب الاحبار نے اپنے توریت کے علم کی بنا پر حضرت عمرؓ کو تین روز پہلے بتادیا کہ آپ کا انجام آن پہنچا ہے۔ مگر اس روایت کی صحت پر یقین کرنا مشکل ہے۔ شاید اُس کو اُس سازش کا شبہ کچھ پہلے سے ہوگیا ہو جو اُن کی نسبت ہوا

---

[1] اینلس اوف خلافت صفحات ۲۵۲ و ۲۷۸

زندگی کو بے وقت ختم کر دینے کے واسطے کی جا رہی تھی اور اس نے اُن کو اپنی حفاظت کے واسطے ہوشیار کر دیا ہو +

آپ کی شہادت کا واقعہ اس طرح پر ہے کہ فیروز نام ایک ایرانی غلام کو جو عام طور پر ابولولو کے نام سے مشہور تھا مغیرہ عراق سے لایا تھا۔ بچپن میں وہ رومی عیسائیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر غلام بن چکا تھا اور عیسائی ہو گیا تھا۔ اب مغیرہ کی غلامی میں وہ مدینہ میں بڑھئی کا پیشہ کرتا تھا۔ اور اُس کی آمدنی سے مغیرہ حصہ لیتا تھا۔ ایک دن بازار میں وہ حضرت عمر سے ملا اور اُن سے کہنے لگا کہ یا امیر المومنین آپ میرا انصاف کریں کہ مغیرہ مجھ سے بہت زیادہ رقم لیتا ہے جس کو میں نہیں ادا کر سکتا۔ حضرت عمر نے پوچھا کتنی؟ اُس نے جواب دیا دو درہم روزانہ۔ حضرت عمر نے دریافت کیا کہ تو کام کیا کرتا ہے۔ اُس نے کہا بڑھئی۔ لوہار اور نقاش کا کام کرتا ہوں۔ حضرت عمر نے کہا کہ ایسے ہوشیار کاریگر کے واسطے یہ کچھ زیادہ نہیں ہے۔ حضرت عمر نے اُس سے یہ بھی کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تو ایسی چکی بناتا ہے جو ہوا سے چلتی ہے۔ اُس نے کہا ہاں۔ حضرت عمر نے کہا کہ ایسی چکی ہمارے لئے بنا دے۔ اُس نے منہ بگاڑ کر جواب دیا کہ اگر زندہ رہے تو ایسی چکی بنا دونگا جس کی شہرت مشرق سے مغرب تک ہو جائیگی۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا اور حضرت عمر نے دل میں کہا کہ یہ مجھ کو دھمکی دے گیا ہے +

دوسرے دن کی صبح کو نماز فجر کے واسطے جب مسجد میں لوگ جمع ہوئے تو ابولولو بھی کہیں اُنہیں میں ملکر بیٹھ گیا۔ اور جب حضرت عمر امامت کے لئے کھڑے ہوئے تو وہ پہلی صف میں نمازیوں میں کھڑا ہوا۔ حضرت عمر صرف تکبیر کہنے پائے تھے۔ اور بعض روایت کے بموجب ایک رکعت نماز پڑھ کر کھڑے ہوئے تھے کہ ابولولو نے دفعتہً آگے بڑھ کر اُن پر حملہ کیا۔ اور ایک تیز دو رُخے خنجر سے چھ جگہ یا تین جگہ پر زخم لگائے اور بھاگتے اِدھر اُدھر اور کئی آدمیوں کو زخمی کر ڈالا اور آخر اپنے آپ کو اپنی خنجر سے مار ڈالا۔ حضرت عمر گر گئے تھے اُٹھا کر اُن کو گھر لے گئے۔ اُنہوں نے عبدالرحمن بن عوف کو نماز پڑھا دینے کو کہا۔ زخم سینے کی کوشش کی گئی پیٹ باندھ دیا گیا۔

مگر زندگی کی اُمید منقطع ہو چکی تھی +

حضرت عمر کے اِس طرح ایک ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جانے سے ایک اور بڑا نقصان
یہ ہوا کہ وہ اپنے جانشین کی نسبت کچھ فیصلہ نہ کر سکے۔ اُن کو ہمیشہ اِس بات کی فکر رہتی
تھی اور سوچتے تھے کہ کس کو اپنا جانشین موسوم کریں۔ مگر کوئی آخری فیصلہ وہ نہیں
کرنے پائے تھے اور اُس وقت بھی وہ اپنے فیصلے پر بھروسہ نہیں کر سکے۔ انہوں نے
چھ اصحاب حضرت علی، حضرت عثمان، طلحہ اور زبیر اور عبدالرحمن بن عوف اور سعد کو
موسوم کیا کہ وہ اپنی متفقہ رائے سے ایک شخص کو خلافت کے واسطے تجویز اور منتخب
کر لیں۔ طلحہ اُس وقت مدینہ میں موجود نہ تھے۔ حضرت عمر نے کہا کہ اگر وہ تین دن تک
آ جائے تو اُس کو شریک مشورہ کر لینا ورنہ پانچوں ہی بیٹھ کر فیصلہ کر لینا۔ تا انفصال
امامت کے واسطے صہیب کو نامزد کیا۔ اِس میں نہایت دانشمندی تھی کیونکہ اگر انہیں
بزرگوں میں سے کسی شخص کو امامت کے واسطے کہتے تو اُس کی نسبت یہ خصوصیت
فیصلہ پر اثر ڈالنے کو پیدا ہو جاتی جیسے کہ حضرت ابوبکر کے معاملے میں ہوا تھا۔
اِسی سبب سے اُنہوں نے ایک ایسے شخص کو امامت کے واسطے کہا جس کو خلافت کے
خیال سے کچھ تعلق نہ تھا۔ اِن پانچوں اصحاب کو انتخاب کے لئے موسوم کرنے کے
بعد اُن کو بار بار سے وصیت کی اور انتخاب کرنے کی ذمہ واری اور اپنے قبیلہ
کی رعایت کرنے کے خیال کے خطرے سے اُن کو آگاہ کیا۔ حضرت علیؓ سے کہا
کہ اللہ سے ڈرنا اور اگر لوگوں کے امور سے کسی چیز کا والی ہو تو بنی ہاشم کو اُن کا والی
نہ بنانا۔ اِسی طرح حضرت عثمان کو کہا کہ اپنے اقربا اور قبیلہ کے لوگوں کو ترجیح نہ دینا
اُن کی وصیتیں مختلف اور مختلف طرح سے بیان کی گئی ہیں۔ جاریہ بن قدامہ سعدی
بیان کرتا ہے کہ حضرت عمر نے پہلے اصحاب رسول اللہ کو اپنے پاس آنے کی اجازت دی
پھر انصار پھر اہل اسلام اور پھر اہل عراق کو۔ لوگ اُن کے پاس جاتے تھے اور رو کر اُن
کی صفت کر کے چلے آتے تھے۔ سب سے آخر ہم گئے دیکھا کہ اُن کا پیٹ سیاہ چادر
سے بندھا ہوا ہے۔ اور خون ٹپک رہا ہے۔ ہم نے کہا کہ ہمیں وصیت کیجئے تو فرمانے لگے

کہ کتاب اللہ پر عمل کرنا۔ اگر تم اس کا اتباع نہ کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور مہاجرین کے واسطے
تم کو وصیت کرتا ہوں کہ لوگ بہت ہیں اور وہ تھوڑے ہیں اور انصار کی بھی وصیت
کرتا ہوں کہ وہ دین کا گھر ہیں اور اعراب کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ تمہارا اصل اور مادہ
وہ ہے۔ اور اہل ذمہ کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ وہ تمہارے نبی کا طریق اور تمہارے
کنبوں کا رزق ہے"۔ مسور بن مخرمہ کا قول ہے کہ حضرت عمر کو جب ان کی ایک انگلی
زخمی تھی۔ میں نے کہتے ہوئے سنا کہ اے قریش کے لوگو۔ میں تم پر لوگوں سے کچھ خوف
نہیں کرتا۔ تم سے لوگوں پر خوف کرتا ہوں۔ تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ چلا
ہوں۔ جب تک ان کو لازم سمجھو گے نیکی کو پہنچو گے۔ حکم اور تقسیم میں فیصلہ اور انصاف
کرنا اور تمہارے میں میں اونٹوں کی قطار کی روش چھوڑ چلا ہوں۔ خبردار کوئی قوم
ٹیڑھی نہ ہو جائے ورنہ وہ روش بھی ٹیڑھی ہو جائیگی"۔ غرض جو وصیت انہوں نے
اپنے جانشین کے واسطے کی اس کا ماحصل خوف خدا۔ انصار کی خاطرداری اور
اعراب کی حق شناسی اور اہل ذمہ کے ساتھ حسن سلوک۔ ان کے معاہدوں کو پورا کرنا
ان کی حفاظت کرنا۔ ان کے دشمنوں سے لڑنا اور برداشت سے زیادہ ان کو تکلیف
نہ دینا تھا"۔ اس کے بعد وہ ناطاقتی سے تھوڑی دیر کے واسطے خاموش ہو گئے۔ اور پھر
اپنے بیٹے عبداللہ سے پوچھا کہ مجھے کس نے زخمی کیا۔ جب معلوم ہوا کہ ابولولو نے کیا ہے
تو فرمایا کہ الحمد للہ وہ ایسا شخص نہ تھا جو خدا کی عبادت کے واسطے جھکا ہو یعنی
غیر مسلمان کے ہاتھوں سے شہید ہوا ہوں۔ پھر عبداللہ کو کہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ
کے پاس جا کر ان سے اجازت مانگے کہ مجھے اپنے حجرے میں آنحضرت صلعم کے پہلو میں
دفن کئے جانے کی اجازت دیں اور کہا کہ اگر وہ اجازت نہ دیں تو مسلمانوں کے قبرستان
بقیع میں مجھے دفن کر دینا حضرت عائشہ نے اگرچہ کہا کہ حجرے میں ایک ہی قبر کی جگہ
تھی جو میں نے اپنے لئے رکھ چھوڑی تھی مگر حضرت عمرؓ کا وہاں دفن کیا جانا منظور
کر لیا۔ آخر تک حضرت عمر نے اپنے خاندان کو خلافت سے جدا رکھنے کا خیال پورا کیا اپنے بیٹے
عبداللہ کو اہل شوریٰ یعنی منتخب کرنیوالوں میں داخل تو کیا مگر اس شرط پر کہ وہ نہ منتخب ہونگے

اور وصیت کی کہ "اے عبداللہ یاد رکھ اگر وہ (اہل شوریٰ) انتخاب میں اختلاف کریں تو تجھ کو کثرت رائے کا طرفدار ہونا چاہیئے۔ اگر اُن کی رائیں برابر ہوں تو تجھے عبدالرحمٰن کی رائے کا طرفدار ہونا واجب ہوگا"۔ اِس کے بعد لوگوں کو جو دروازے پر جمع ہو رہے تھے اندر آنے کی اجازت دی۔ جب لوگ آنے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے اُن سے پوچھا کہ میری موت کی سازش میں کوئی بڑا آدمی تو شریک نہیں تھا۔ سب نے یک زبان ہو کر پکارا کہ خدا نکرے حضرت علیؓ بھی دریافت حال کے واسطے آئے تھے اور وہ بیٹھے تھے کہ ابن عباس بھی آگئے۔ حضرت عمر نے ابنِ عباس سے پوچھا کہ اے ابن عباس اِس معاملہ (انتخاب) میں تو میرے ساتھ متفق ہے یا نہیں۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ میں متفق ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ دیکھنا تم اور تمہارے ساتھی مجھے دھوکا نہ دیں۔ طبیب نے حضرت عمر کو کھجور کا پانی پینے کو دیا مگر وہ جوں کا توں زخم کی راہ سے نکل گیا۔ ناف کے نیچے کا زخم کاری لگا تھا اور اُس سے جاں بر نہ ہو سکے۔ آخری لمحوں میں جب اُن کا سر اپنے بیٹے عبداللہ کی گود میں تھا یہ شعر پڑھ رہے تھے:۔

ظلومٌ لنفسی غیر انی مُسلمٌ	میرے نفس کے لئے مشکل ہوئی ہوتی اگر میں مسلمان نہ ہوتا
اصلی الصلوٰۃ کلھا واصومُ	مگر تمام نمازیں پڑھتا اور روزے رکھتا رہا ہوں۔

اور اسی طرح نیچی آواز میں کلمہ کا ذکر کرتے رہے تاآنکہ اسی حال میں اُن کی روح جسم عنصری سے علیحدہ ہوگئی اور اِس دار فانی سے جنتِ بریں کو سدھاری انا للہ و انا الیہ راجعون سنہ ۲۳ھ کے محرم کی چھبیسویں تاریخ تھی۔

اِس طرح وہ واقعہ ہو گیا جس کے سبب سے اسلام پر رونے والوں کو ہمیشہ رونے کے واسطے ایک وجہ ہو گئی۔ اُن کی وفات کے مرثیوں میں سے شماخ کا مرثیہ ذیل درد سے لکھا گیا ہے اور دل میں درد پیدا کرتا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

جزی اللہ خیراً من امیر و بارکت	خدا جزائے خیر دے اُس کو جو امیر المومنین ہے۔
ید اللہ فی ذاک الادیم الممزق	اور خداوند تعالےٰ کا ہاتھ اُس جلد میں جو خنجر سے پارہ پارہ ہو گئی ہے برکت دے۔

دیکھا ہے اور اُن کے پاس ایک دو رخیا دو طرفہ خنجر تھا۔ اِس سے اُن کو حضرت عمرؓ کے قتل کی نسبت سازش کا شُبہ ہُوا اور تلوار سے جاکر ان دونوں کو قتل کر دیا۔ حضرت عثمان کے سامنے اِس کا مقدمہ پیش ہُوا۔ حضرت علی اور بعض اصحاب کی رائے تھی کہ عبید اللہ کو قصاص میں قتل کرنا چاہئے۔ مگر عمرو بن العاص وغیرہ نے اِس سے مخالفت کی اور دیہ دلوا دینے کی تجویز ٹھیری۔ عبید اللہ ۳۷ھ ہجری تک زندہ رہا۔ اور صفین کی لڑائی میں معاویہ سے مِل کر لڑا اور مارا گیا۔ حضرت علیؓ کی طرف سے اُس کے دل میں وہ رنج رہ گیا تھا۔

آٹھواں عبد الرحمٰن اوسط جو لہبہ لونڈی کے شکم سے تھا۔ کنیت اُس کی ابو شحمہ تھی جس کو حضرت عمرؓ نے حد ماری تھی جو واقعہ بیان ہو چکا ہے۔

نواں عبد الرحمٰن اصغر۔ اِس کی ماں بھی ام ولد تھی۔

حضرت عمرؓ کی بیٹیوں میں سے اول حضرت حفصہؓ عبد اللہ اور عبد الرحمٰن اکبر کی بہن ہیں جن کا نکاح اوّل مکہ میں خنیس بن خذافہ سہمی سے ہُوا تھا۔ اور اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ میں آئی تھیں۔ خنیس کا مدینہ میں انتقال ہو گیا تو جناب رسول اللہ صلعم نے دوسرے سال ہجرت میں اُن سے نکاح کیا۔ ساٹھ برس اُن کی عمر ہوئی ہیں۔ مدینہ میں ۴۵ھ ہجری میں فوت ہوئیں۔

دوسری رقیہ ہیں جو زید اکبر کی حقیقی بہن ہے۔ ابراہیم بن نعیم سے اُس کا نکاح ہُوا تھا۔

تیسری فاطمہ۔ ام کلیم کے پیٹ سے اُن کا نکاح اُن کے چچازاد بھائی عبد الرحمٰن بن زید بن خطاب سے ہُوا تھا۔

چوتھی زینب جو ام ولد فکیہ کے پیٹ سے تھی۔ عبد اللہ بن عبد اللہ بن سراقہ عدوی سے اُن کا نکاح ہُوا۔

حضرت عمرؓ کی اولاد ذکور میں سے عبد اللہ اور عبید اللہ اور عاصم کی اولاد رہی اور خدا نے اُن کی نسل سے بڑے بڑے علما اور صلحا اور حافظ حدیث اور عامل آثار اور صاحب جاہ پیدا کئے۔ ہندوستان میں بھی بہت سے فاروقی خاندان موجود ہیں۔ دہلی کے چراغ

اور فخر شاہ ولی اللہ صاحب اسی خاندان کی پُرفیض نشانی تھے۔ اور دکن ملک حیدرآباد
کے اس زمانے کے مدار المہام اور وزیر اعظم

ہز ایکسلنسی نواب محمد مظہر الدین خان رفعت جنگ بشیر الدولہ
عمدۃ الملک اعظم الامرا امیر کبیر سر آسمان جاہ بہادر
کے سی ایس۔ آئی

کا سلسلۂ نسب حضرت فاروق اعظم تک پہنچتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے خطوط اور خطبات کا ذکر کرنے سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ
ان کے خطوط اور خطبات کو اس کتاب میں نقل کریں۔ کیونکہ وہ اتنے تھوڑے نہیں
ہیں کہ بجائے خود ضخیم کتابوں سے کم ہیں ان کی گنجائش ہو سکے۔ حضرت عمرؓ کے
بیشمار ہیں جو وہ سرداران فوج اور عمال کو لکھتے تھے۔ ضروری امور پر جو
جاتے تھے اور جنگ اور صلح اور قیام اور کوچ اور سپاہیوں وغیرہ کی نسبت ہوتے تھے
گننے مشکل ہیں۔ اس کے عدالتی امور کے فیصلے اور امور اہم اور واقعات کی
پر بہت خطوط لکھے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ عام طور پر ہدایات ضروری اور پند
اور تحسین اور ملامت وغیرہ مضامین پر اسی قدر خطوط لکھے جاتے تھے ان کے خطوط
یہ خوبی تھی کہ عموماً اختصار لئے ہوئے ہوتے تھے اور اسلامی دنیا کے فرامین اور
اور خطوط کے واسطے وہ سب سے عمدہ نمونے کا کام دے سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے
منشی عبدالرحمن بن خلف [illegible] اور زید بن ثابت تھے۔

خطبات حضرت عمرؓ کے جو جمعہ کے دن اور اسلامی تقریبات اور اور مختلف موقعوں
کہے گئے ہیں بہت کثرت سے ہیں۔ ان میں بھی پند و نصائح اور امور ضروری کا
بیان ہوتا تھا۔ اس زمانے میں گو خطبہ کو جمعہ اور عید کے دن پڑھا جاتا تھا
خاص الفاظ میں محدود کر دیا گیا ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کے خطبے اس امر کا ثبوت ہیں

ابن حجر کا قول ہے کہ عبادلہ (عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن زبیر۔ اور
عبداللہ بن عمر) اور صحابہ بدریں سے وہ سب سے زیادہ روایت کرنیوالے تھے سنت رسول اللہ چلنے
اور عمل کرنے کا ان کو عشق نہ تھا بلکہ جنون تھا یہانتک کہ پیروی کے دلدادہ تھے کہ جن کوچوں
سے رسول اللہ گزرتے تھے وہاں سے وہ بھی گذرتے تھے ان کے پاؤں پر پاؤں رکھتے
تھے جہاں بیٹھکر رسول اللہ نے وضو کیا وہاں انہوں نے بھی بیٹھکر وضو کیا۔ ان کی
نسبت یہ کہا گیا ہے کہ جب تک اپنے باپ جیسے نہ ہوئے انہوں نے وفات نہ پائی +

سفیان ثوری عبداللہ بن عمر کی ایک عجیب و غریب عادت بیان کرتا ہے کہ جب
ان کو اپنے مال سے کوئی چیز پسند آتی تھی تو اس کو صدقہ کردیتے تھے۔ ان کے غلام اس
بات کو جانتے تھے اور اس سے عجب طرح سے فائدہ اٹھاتے تھے کہ نماز روزہ اور عبادت میں
بہت سرگرمی ظاہر کرتے تھے۔ ابن عمر ان کا یہ حال دیکھتے تو ان کو آزاد کردیتے تھے کسی
نے ان کو کہا کہ یہ تم کو دھوکا دیتے ہیں تو کہنے لگے کہ خدا کی عبادت کرنے میں جو دھوکا
دے اس کا دھوکا کھا لینے میں کچھ عیب نہیں۔ ان کے غلام نافع کا بیان ہے کہ انہوں
نے اپنی زندگی میں دس لاکھ غلام آزاد کیے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ ایک ایک مجلس
میں بیس بیس ہزار صدقہ کردیتے تھے ان کے شرف کے واسطے اس سے زیادہ کیا چاہیے
کہ رسول اللہ صلعم نے ان کی نسبت ارشاد فرمایا کہ "عبداللہ صالح ہے"۔ اور ابن عباس کی
روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "ہر امت میں عالم ہوتا ہے۔ اس امت کا عالم
عبداللہ بن عمر ہے"۔ اپنی زندگی میں انہوں نے بڑے بڑے انقلاب دیکھے مگر کسی امر
خلافت میں دخل نہیں دیا۔ صحابہ کے درمیان جو جنگ اور لڑائیاں ہوئیں وہ ان سب سے
الگ رہے۔ اپنے مرنے کے قریب کہا کرتے تھے کہ میں اپنی زندگی میں کوئی ایسی چیز نہیں
پاتا جس پر افسوس کروں۔ اور اب اس کے کرنے کا موقع نہ رہا ہو۔ بجز اس کے حضرت علیؓ
کے ساتھ ملکر باغی گروہ سے لڑائی نہ کی۔ مکہ میں ۷۳ ہجری کے آخر یا ۷۴ھ کے آغاز
میں انہوں نے وفات پائی۔ سبب ان کی وفات کا یہ تھا کہ حاجیوں کے انبوہ میں ان کے
پاؤں میں نیزہ کا پھل چبھ گیا تھا اسکی زخم سے چند روز بعد وفات پا گئے یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ دانستہ اس کے

پاؤں میں حجاج بن یوسف نے نیزہ چبھویا تھا سبب اُس کا یہ تھا کہ عبدالملک بن مروان حجاج کو ابن عمر کے اقتدا کے واسطے کہا کرتا تھا۔ اور بعض موقعوں پر عرفہ وغیرہ میں ابن عمر حجاج سے آگے ہوتے تھے اور یہ اُس کو شاق گذرتا تھا۔ پس حجاج نے ایک شخص مقرر کیا جس نے زہر میں بجھا ہوا نیزہ کا پھل اُن کے پاؤں میں چبھویا۔ عبداللہ ابن عمر نے رسول اللہ صلعم سے ۲۶۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔ اصحاب کی ایک بڑی جماعت اور تابعین کے ایک بڑے گروہ نے اُن سے روایت کی ہے +

عبداللہ بن عمر کے بیٹے سالم۔ عبداللہ۔ عبیداللہ۔ عبدالرحمن۔ عاصم۔ حمزہ۔ زید اور بلال تھے۔ ہر ایک اُن میں صاحب علم و فضل تھا اور سالم سب پر فائق تھے صحابہ کے بعد تابعین میں جو فقہائے سبعہ شمار کئے جاتے ہیں سالم انہیں سے ایک تھے اور اپنے باپ سے بہت مشابہ

حضرت عمر کا دوسرا بیٹا عبدالرحمن اکبر عبداللہ کا حقیقی بھائی تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اُس نے دیکھا ہے مگر کوئی حدیث اُس سے مروی نہیں ہے۔

تیسرا عیاض تھا جس کی ماں عاتکہ تھی۔

چوتھا عاصم تھا اُس کی ماں جمیلہ تھی۔ رسول اللہ صلعم کی حیات میں پیدا ہوا علم میں بھی عُمدہ درجہ رکھتا تھا۔ اپنے باپ اور صحابہ سے حدیث روایت کی ہے۔ اور اُن سے اُن کے بیٹوں حفص اور عبیداللہ اور اور لوگوں نے۔ عمر بن عبدالعزیز انہیں کے نواسے تھے۔ عاصم نے سنہ ۷۰ھ میں وفات پائی +

پانچواں زید اکبر تھا۔ اُس کی ماں ام کلثوم بنت علیؓ تھی تیس برس کی عمر میں بنی عدی کی ایک لڑائی میں اُس کا سر پھٹ گیا۔ اور چند روز بعد اُس نے اور اُس کی ماں نے ایک ہی دن وفات پائی +

چھٹا زید اصغر ام کلثوم بنت جرول سے تھا۔

ساتواں عبیداللہ اس کی ماں بھی ام کلثوم بنت جرول تھی یہ نہایت دلیر اور جنگ جو شخص تھا۔ حضرت عمر جب شہید ہوئے تو عبدالرحمن بن ابوبکر نے اِن سے کہا کہ ایک دن میں نے ابولولو کو ہرمزان اور جفینہ کے ساتھ جو حیرہ کا ایک عیسائی تھا باہم مشورہ کرتے

آپ سب سے زیادہ بلند تھے سر کے بال کم تھے۔ ڈاڑھی سپید تھی اور حنا سے رنگ کرتے تھے
آپ کی جسمانی خصوصیتوں میں یہ امر تھا کہ دونو ہاتھوں سے یکساں کام کرتے تھے۔ زر سے
روایت ہے کہ عید کے دن میں مدینہ والوں کے ساتھ باہر گیا تو میں نے حضرت عمر کو دیکھا
کہ ننگے پاؤں جا رہے تھے۔ بوڑھے سر پر کم بال۔ گندم گوں۔ دونو ہاتھوں سے کام کرنے والے
اور لوگوں سے اتنے اونچے کہ گویا سواری پر ہیں۔ واقدی اس پر کہتا ہے کہ ہم نہیں جانتے
کہ حضرت عمر گندم گوں تھے۔ شاید راوی مذکور نے اُن کو سال رمادہ میں دیکھا ہوگا۔ کیونکہ
زیتون کے کھانے سے رنگ متغیر ہو گیا تھا۔ ابورجاء عطاردی سے روایت ہے کہ حضرت
عمرؓ طویل جسیم سفید رنگ والے جس میں سرخی بہت ہو ہلکے رخساروں والے (یعنی اُن کے
رخساروں پر گوشت کم تھا) اور بھوری مونچھوں والے تھے جن کی طرفوں میں بھورا پن تھا
آنکھوں میں اُن کے سرخی بہت تھی۔ سر ولیم میور لکھتا ہے کہ حضرت عمر کے کندھے چوڑے تھے
اور قد میں بلند کہ لوگوں کے گروہ سے اونچے نظر آرہے ہوتے تھے قدم اُن کا لمبا پڑتا تھا اور
صورت میں رعب و داب تھا۔ طبعاً وہ جلدی کرنے والے اور غصہ ور تھے غصہ کی حالت
میں اپنی مونچھوں کو بٹ دیکر نیچے منہ میں لے آتے تھے لیکن وقت نے اُن کی طبیعت کو نرم
کر دیا تھا اور اس تحکمانہ اور رعب داب والی صورت کے پیچھے اُن کا دل نرم اور ملنسار اور متواضع
تھا"

طبری نے حضرت عمرؓ کے ازواج کی تعداد سات بیان کی ہے جن میں سے تین سے جاہلیت
میں نکاح کیا تھا اُن کے نام زینب اور ملکہ اور قریبہ لکھے ہیں جبکہ حضرت عمر اسلام لائے تو وہ
اُن سے جدا ہو گئیں۔ اور مدینہ میں انہوں نے ام حکیم اور جمیلہ اور ام کلثوم دختر حضرت علیؑ
از فاطمہؓ اور عاتکہ بنت زید چار عورتوں سے نکاح کیا۔

لیکن ایک دوسری تاریخ میں اُن کی ازواج کی تعداد چھ بیان کی گئی ہے اور حالات
میں بھی اختلاف ہے +

پہلی زینب بنت مظعون جمحی جو عثمان اور قدامہ کی بہن تھی جاہلیت میں اُس نے نکاح کیا
تھا۔ اسلام لائی اور ہجرت کر کے ساتھ گئی +

دوسری عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل عدوی آپ کے چچازاد بھائی کی بیٹی تھی۔ اور سعید
بن زید کی جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں بہن تھی۔ اُس سے جاہلیت میں نکاح کیا۔ وہ
اسلام لائی اور ہجرت کر کے ساتھ گئی +

تیسری ام کلثوم جمیلہ بنت عاصم بن ثابت بن ابی الافلح انصاری۔ اس کا نام عاصیہ تھا
اور حضرت عمر نے اُس کا نام جمیلہ رکھا تھا۔ اور بعض کا قول ہے کہ آنحضرت نے یہ نام رکھا تھا

چوتھی ام حکیم بنت حارث بن ہشام مخزومی۔ ابو جہل کی بھتیجی جس کا باپ اسلام لایا تھا۔

پانچویں ام کلثوم ملیکہ بنت جرول خزاعی۔

چھٹی ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب بعض نے اس کا نام رقیہ بیان کیا ہے۔ اور وہ
سیدۃ النسا حضرت فاطمۃ الزہرا کے پیٹ سے تھیں۔ اپنی خلافت کے زمانے میں حضرت
عمر نے ان سے نکاح کیا۔

طبری نے حضرت عمر کی اولاد آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں لکھی ہیں مگر دوسرے مورخ کا
بیان ہے کہ نو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ جن کے نام عبداللہ۔ عبیداللہ۔ عبدالرحمن اکبر
عبدالرحمن اوسط۔ عبدالرحمن اصغر۔ زید اصغر۔ عیاض۔ عاصم اور بیٹیوں کے نام حفصہ
رقیہ۔ فاطمہ۔ زینب تھے۔

عبداللہ بن عمر اپنے باپ کے سب بیٹوں سے افضل تھا۔ اُن کی کنیت ابو عبدالرحمن
تھی۔ اُن کی ماں زینب بنت مظعون تھیں۔ اپنے باپ کے ساتھ صغر سنی میں اسلام لائے اور
اپنے والدین کے ساتھ ہی ہجرت کی۔ بدر اور احد کے بعد سب لڑائیوں میں حاضر رہے کیونکہ
اُن دونوں لڑائیوں میں وہ کم سن تھے۔ لیکن بعض نے اُن کا احد میں حاضر ہونا بھی بیان
کیا ہے۔ مگر یہ قول ضعیف معلوم ہوتا ہے۔

وہ بہت بڑے عالم۔ مجتہد۔ عابد۔ سنت پر پورے چلنے والے۔ اور بدعت سے بھاگنے وا
اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنیوالے تھے۔ زہری کا قول ہے کہ ہم عبداللہ ابن عمرؓ کی
رائے کے برابر کسی کی رائے کو نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلعم کے بعد ساٹھ برس تک
زندہ رہے اور رسول اللہ اور اصحاب کے حال سے کوئی چیز اُن سے مخفی نہ تھی۔ حافظ

قضیت امورا ثم غادرت بعدها
بوائج فی اکمامها لم تفتق

تم نے اپنی خلافت میں بہت سے امور عظام کا فیصلہ کیا پھر اُن کے بعد اُن کے غلافوں اور پردوں میں ایسی مصیبتیں چھوڑ دیں جو اب تک ظاہر نہیں ہوئی تھیں۔

ابعد قتیل بالمدینة اظلمت
له الارض تهتز العضاه باسوق

کیا بعد ایسے مقتول کے جو مدینہ میں قتل ہوا اور جس کے لئے تمام زمین تاریک ہو گئی بڑے بڑے درخت اپنے تنوں پر لہلہائینگے (یعنی ایسا نہ ہوگا کیونکہ اُن کا غم سب میں اثر کر گیا)

تظل الحصان البکر یلقی جنینها
نثا خبر فوق المطی معلق

وما کنت اخشی ان تکون وفاته
بکفی سبنتی ازرق العین مطرق

پاک دامن شوہردار عورتیں ایسے حال میں ہو گئی ہیں کہ انکے حمل کو اس خبر کی ہیبت نے جسکو شتر سوار شہر بشہر لئے پھرتے ہیں گرا دیا ہے اور مجھ کو یہ خوف نہ تھا کہ اُنکی موت ایک شخص حبشی اور ڈھیٹ اور گربہ چشم کمینہ کم قدر کے دونو ہاتھوں سے ہوگی کیونکہ اُس کا مرتبہ اس سے بڑا تھا۔

اسی طرح پر رونے والے رویا کرینگے اور اُن کے اوصاف بیان کرنے والے اُن کے اوصاف بیان کیا کرینگے مگر وہ اتنے تھوڑے نہیں ہیں کہ بیان کرنے سے بیان ہو جائیں۔ عبداللہ بن سلام اُن کے جنازے پر اُس وقت آئے جب کہ لوگ جنازہ پڑھ چکے تھے تو کہنے لگے کہ اگر تم نے جنازہ میرے سے پہلے پڑھ لیا ہے تو اُس کی ثنا کہنے میں مجھ سے سبقت نہ لیجاؤ گے اور کہنے لگے "اے عمر تو اسلامی بھائی اچھا خلق کا سخی تھا۔ باطل کا بخیل تھا۔ رضا کے موقع پر تو راضی ہوتا تھا اور ناراضی کے موقع پر ناراض۔ نہ تو کسی کا مداح تھا اور نہ عیب گو۔ تیرا دل اچھا تھا اور تیری آنکھ عفیف تھی"۔ انگریزی مورخ کے الفاظ بھی ہمدردی کرینگے جو اُن کی وفات کا واقعہ بیان کرکے لکھتا ہے کہ اس طرح وفات پائی حضرت عمرؓ نے جو پیغمبر صلعم کے بعد اسلامی دُنیا میں سب سے بڑا ہے۔ کیونکہ یہ تمام اُنہیں کی دس سالہ خلافت میں تھا کہ اُن کی دانائی۔ صبر اور قوت اور سرگرمی سے شام۔ مصر اور ایران کی ولائتیں فتح ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کو ایسی حالت میں شروع کیا کہ وہ صرف عرب کے مالک تھے اور جب وفات پائی تو ایک

ہر ایک قسم کے اخلاقی اور علمی اور ملکی وغیرہ تذکروں اور ہدایتوں کے واسطے وہ نہایت وسیع گنجائش رکھتے تھے۔ اور مجالس اور جلسوں کی ضرورت کو پورا کرتے تھے۔ اُن خطبات سے اُن کی فصاحت و بلاغت اور علم اور تجربہ اور برجستہ گوئی کی قوت معلوم ہوتی تھی +

حضرت عمرؓ کے اقوال جو کتابوں میں کثرت سے بیان ہوئے ہیں۔ وہ اُنہیں خطوط اور خطبات اور عام طور پر جو اُنہوں نے لوگوں کو پند و نصیحت کے طور پر فرمائے ہیں اخذ کئے گئے ہیں۔ اُن میں سے چند اقوال ہم ذیل میں درج کرینگے۔ بلاشبہ ایک ایسی بزرگ اور کامیاب زندگی کے وہ ایسے اقوال ہیں اور اِس قابل ہیں کہ اُن کو آب زر سے لکھا جائے اور ہر ایک شخص ہر زمانہ میں اُن کو اپنی زندگی کا راہ نما اور اصول مقرر کرے +

اقوال

قوت فی العمل یہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑا جائے۔ امانت یہ ہے کہ باطن ظاہر کے مخالف نہ ہو۔ پرہیزگاری بچنے کا نام ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اُسے بچاتا ہے +

اے لوگو علم کا حاصل کرنا لازمی سمجھو۔ یہ ایک چادر ہے جو خدا طالب علم کو اڑھاتا ہے +

ایک عالم کی موت جو اللہ کے حرام اور حلال کو جانتا ہو ہزار عابد قائم اللیل صائم النہار کی موت سے زیادہ افسوسناک ہے +

مَیں اِس اُمت پر کسی امر کا اِتنا خوف نہیں کرتا جتنا کہ ایک عالم منافق کا جس کا علم اُس کی زبان پر ہو اور دِل جاہل ہو +

علم ریا اور فخر اور سرکشی کے واسطے نہ سیکھنا چاہئے۔ اور اُس کے طلب میں شرم نہ کرنی چاہئے +

تمیم داری کو اُنہوں نے پوچھا کیا چیز سرداری کراتی ہے اُس نے کہا عقل۔

حضرت عمر نے کہا سچ کہا +

علم نجوم کو بحر و بر میں راستہ تلاش کرنے کے واسطے سیکھو اور غرض سے نہیں +

کسی کی مدح کرنا اُس کو ذبح کرنا ہے +

جو شخص زیادہ ہنسے اُس کی ہیبت کم ہوتی ہے جو مسخر کرے اُس کو لوگ خفیف سمجھتے ہیں - جو زیادہ گو ہے زیادہ غلطی کرے - جو زیادہ غلطہ ور ہوتا ہے وہ کم لحاظ ہوتا ہے - جو کم لحاظ ہو وہ پرہیزگار کم ہوتا ہے جو پرہیزگار نہ ہو اُس کا دل مُردہ ہوتا ہے +

اِس سے بڑھ کر کوئی گمراہی نہیں کہ لوگوں کو اُس بات کی تہمت لگائے جو آپ کرتا ہو اور عیب وہ نکالتا ہو جو خود اُس میں موجود ہوں اور لایعنی باتوں سے وقت ضائع کرتا ہو

جو شخص حرص اور طمع اور غضب سے بچا اُس نے مخلصی پائی +

امام کے علم سے زیادہ کوئی علم اللہ کو پیارا اور نفع بخش نہیں ہے اور امام کی جہالت سے زیادہ بُری اور مُضر کوئی شے نہیں ہے +

تواضع یہ ہے کہ مسلمانوں کو پہلے سلام کیے مجلس میں کمتر جگہ پر بیٹھے - اور خوشامد کو بُرا سمجھے +

طمع فقر ہے اور بے غرضی غنا ہے +

اُس شخص پر خدا رحمت کرے جو اپنے بھائی کو اُس کے عیبوں سے مطلع کرے +

فاجر کی صحبت نہ کر اور اپنا راز اُسے نہ بتا - نیک سے مشورہ لے +

اپنے نفسوں سے حساب کرو پیشتر اس سے کہ تمہارا حساب ہو +

توبۃ النصوح یہ ہے کہ بُرے عمل سے ایسی توبہ کی جائے کہ اُس پر پھر عمل نہ ہو +

حاکموں میں سعید وہ ہے جس کی رعایا سعید ہو +

کوئی شخص اللہ کے حکم کو لوگوں میں نہیں قائم کر سکتا جب تک مضبوط ارادہ والا اور تجربہ کار نہ ہو - لوگ اُس کے عیبوں پر مطلع نہ ہوں - حق کرنے میں کسی بڑے آدمی سے اور کسی ملامت سے نہ ڈرے +

ایمان باللہ کے بعد سب سے اچھی چیز نیک خلیق محبت کرنیوالی اور صاحب اولاد عورت ہے۔ اور کفر کے بعد سب سے بری چیز بد خلق اور زبان دراز عورت ہے +

جو کلمہ تیرے مسلمان بھائی کے منہ سے نکلے جب تک اُس کا اچھا محل پا سکتا ہے اُس کو شرارت نہ خیال کر +

تین چیزیں تیری دوستی کو تیرے بھائی کے دل میں پختہ کرینگی۔ جب اُس سے ملے سلام کہنے میں پیشدستی کرے۔ اُس کو پسندیدہ نام سے بلائے اور اپنی مجلس میں اُس کے واسطے جگہ فراخ کرے +

میں پسند کرتا ہوں کہ ایک شخص اپنے کنبہ میں بچے کی طرح ہو اور جب کاروبار میں ہو تو مرد کی طرح +

آدمی تین قسم کے ہیں۔ کامل۔ کاہل اور لاشے۔ کامل وہ صاحب الرائے ہے جو لوگوں سے بھی مشورہ لے اور اُن کی رائے کا موازنہ کرے۔ اُس سے کم وہ صاحب الرائے (کاہل) ہے جو اپنی رائے پر چلے دوسروں سے مشورہ نہ لے تیسرا لاشے ہے جو نہ خود عقل رکھتا ہو نہ دوسرے سے رائے لے +

خشوع دل میں ہوتا ہے۔ جو شخص لوگوں کے واسطے دل سے زیادہ اپنا خشوع ظاہر کرے وہ اپنے نفاق کا اظہار کرتا ہے +

آدمی کے نماز روزے کی طرف نہیں دیکھنا چاہیئے۔ اُس کی عقل اور سچ کی طرف دیکھنا چاہیئے +

آدمی کی عزت اُس کا دین ہے اُس کا حسب اُس کا خلق خواہ فارسی ہو یا نبطی بُرے آدمیوں کے ملنے سے ہجرت کرنے میں آرام ہے +

جو شخص خود کہے میں عالم ہوں وہ جاہل ہے جو خود کہے میں بہشتی ہوں وہ دوزخی ہے گبست سوار کا نادراہ ہے +

لڑکا سات سال میں دانت نکالتا ہے۔ چودہ سال میں بالغ اکیس سال میں قد پورا ہوتا ہے اٹھائیس سال میں عقل پوری ہوتی ہے۔ اور کامل آدمی چالیس سال میں ہوتا ہے +

آج کے کام کو کل پر مت چھوڑ کیونکہ تیرے پر بہت کام ہو جائینگے اور ضائع بھی ہو جائینگے +

حرص کی پے روی سے بچنا کیونکہ آدمی کی خواہشیں پے در پے ہوتی ہیں +

زاہدوں کے اقوال کو لکھو۔ کیونکہ اللہ نے اُن پر فرشتے مقرر کئے ہوئے ہیں جو اُن کے مُنہ پر ہاتھ رکھے رہتے ہیں۔ اور خلافِ حق کوئی بات نہیں کہنے دیتے +

قرآن کی تفسیر اور رسول اللہ سے روایت تھوڑی کیا کرو۔ اس میں میں بھی تمہارا شریک ہوں +

احمق کی دوستی سے بچنا جو نفع کے ارادے سے نقصان کر بیٹھتا ہے +

چار چیزوں کا واپس آنا ممکن نہیں۔ کہی ہوئی بات۔ واقع ہو چکا امر۔ چھُٹا ہوا تیر۔ گذری ہوئی عمر +

حضرت عمر کا کلام اکثر اللہ اکبر ہوا کرتا تھا +

تمت بالخیر

اتفاق

۸ صفحہ کا ہفتہ وار اخبار جو کارخانہ بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ سے
ہر ایک انگریزی مہینے کی یکم - ۸ - ۱۵ - ۲۳ کو شایع ہوتا ہے

جو

ب مارل سوشل - اور پولیٹیکل معاملات پر بحث اور ہر ایک جائز اور واجبی حقوق کے لیئے پبلک کی طرف سے وکالت
نے کے علاوہ ہر ایک ایڈیشن میں پنجاب - ہندوستان - ممالک غیر - اور محاربہ ٹرنسوال وچین کی تازہ ترین
خبریں - اور پنجاب گورنمنٹ گزٹ کے سرکاری احکامات بالالتزام شایع کرتا ہے

سالانہ چندہ حسب حیثیت مع محصولڈاک ۵ ؏ ۲۵ - ۳ ؏ - ۲ ؏ - ۱ ؏ مقرر ہے

یداران اخبار کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے لیئے جو قیمت
چاہیں پسند کریں

اٹھانے کی قیمتی کتاب خریداران اخبار کو مفت دی جاتی ہے

ضروری اور اعلی درجہ کی چھپائی اور کتابت کے لئے
کارخانہ بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ سے خط وکتابت کرو -

چھپائی کا کام ولایتی مشینوں اور سٹیم انجن سے کیا جاتا ہے اور مہینوں میں ہونیوالا کام دنوں میں تیار ہوتا ہے

ہر ایک قسم کی خط وکتابت
عبد الرحیم سپرنٹنڈنٹ کارخانہ بلالی سٹیم پریس پبلشر و ایڈیٹر " اتفاق "
ساڈھورہ (انبالہ) کے نام ہو +